PDFBOOKSFREE.PK

آغازِ سفر

سچی خوشی	غزالہ رشید	7
زادِراہ	منورہ نوری خلیق	9
اپنی ڈائری سے باتیں......	منزہ سہام	11
نکتہ نظر	سید شاہد حسن	12
محفل	غزالہ رشید	18

باتیں ملاقاتیں

ممتاز طاہر سے......	دوشیزہ پینل	35
شرمین عبید چنائے......	دردانہ نوشین خان	40
منی اسکرین	م ش خ	44

سلسلہ خاص

تم میرے ساتھ رہو	زمر نعیم	48
چاند میرا منتظر	ارم زہرا	200

منی ناول

ہر اشک، اِک ستارہ	نگہت اعظمی	34

مکمل ناول

چور دروازے	سلمیٰ یونس	70

ناولٹ

راہ تکت ہیں نین	رفاقت جاوید	108

رنگِ فسانہ

ماسک	ناصر رضا	160
بونا	بشریٰ سعید احمد	163
بیس سال بعد	صاعقہ جیلانی	171
دل کا دامن سیاہ	فرح اسلم قریشی	176
لکیریں اور تقدیریں	اُمِ مریم	182

انتخابِ خاص

احسان	احمد ندیم قاسمی	222

رنگِ کائنات

کچھ سچ، کچھ......	م ش خ	232

دوشیزہ میگزین

بنتِ حوا	مسرت گیلانی	236
دریچے	اسماء اعوان	240
نئے لہجے، نئی آوازیں	قارئین	244
یہ ہوئی نا بات	زین العابدین	246
کچن کارنر	شہزاء گیلانی	250
نفسیاتی کالم	عمرانہ پروین	253
بیوٹی گائیڈ	شائستہ انور	257

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سچی خوشی

خوشی ایک کیفیت کا نام ہے، جس کے حصول کے لیے ہم اور آپ سرگرداں کبھی تعلیم، کبھی تربیت اور کبھی میراث اور کبھی دولت کے سہارے خوشی کے لمحوں کے متلاشی رہتے ہیں اور کبھی اداس، شکستہ دل، کبھی غصہ ور اور کبھی جھنجلاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک قدرِ مشترک ہم سب انسانوں میں ہے کہ ہم انسانوں کے ساتھ باہمی ربط رکھ کر خوش ہوتے ہیں، اس لیے ماہرِ عمرانیات کہتے ہیں کہ Man is a Social Animal۔ پر غور کیجیے آپ بھی اس خوشی کو اپنے اندر خود تلاشیے.....

کسی کو معاف کر دیجیے!

اچھی صحبت تلاش کیجیے!

عاجزی اپنایئے!

اچھے گمان رکھیے!

دوستی کا ہاتھ بڑھایئے۔ تکبر، کم فرصتی، کم ہمتی سے اپنا دامن چھڑایئے کیونکہ یہ خوشی لوٹنے والے عوامل ہیں۔ بے لوث، بے ریا ہو کے بند مٹھی کو کھول دیجیے، بے حد خاموشی سے، خلوص سے مثبت کاموں میں مصروف ہو جایئے اور پھر اچانک ہی ایک روز خوشی آپ کے دروازے پر خود ہی دستک دے گی، اور اُس وقت آپ جان لیں گے کہ ہمارا رب کتنا مہربان ہے۔ یہ ہی وہ لمحہ ہے ایمان و ایقان کا!!

غزالہ رشید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعض خبریں صرف ہوتی ہیں خیال
ہر خبر کو بھی خبر مت جانیے

روزنامہ
فلک ٹائمز
کراچی
Daily FalakTimes Karachi

- محترمہ فاطمہ ثریا بجیا کی سرپرستی میں شائع ہو گیا ہے۔
- آپ کی اپنی منزہ سہام کی زیرِ ادارت۔
- آپ کا اپنا اخبار، جو آپ سوچیں گے، وہ ہم لکھیں گے۔
- جو آپ چاہیں گے وہ ہم شائع کریں گے۔

ایجنٹ حضرات اور نمائندگان فوری رابطہ کریں۔

0300-2313256 - 021-34934369 -021-34939823

زادِ راہ

دین کی دعوت اور روحانی علوم کی اشاعت کے لیے بے شک تھوڑا کام کیجیے، لیکن مسلسل کیجیے لوگوں کو روحانی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کی دعوت دیجیے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات، تکالیف اور آزمائشوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیجیے

زندگی کو آسان، باعمل اور ایمان افروز بنانے کا روشن سلسلہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔"اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجیے۔ حکمت کے ساتھ، عمدہ نصیحت کے ساتھ اور مباحثہ کیجیے ایسے طریقے پر جو انتہائی بھلا ہو۔"

قرآن پاک کی اس آیت سے ہمیں تین اصولی ہدایات ملتی ہیں۔

۱۔ شر سے محفوظ رہنے اور خیر کو اپنانے کے لیے دعوت، حکمت کے ساتھ دی جائے۔

۲۔ نصیحت ایسے انداز میں نہ کی جائے جس سے دل آزاری ہوتی ہو۔ نصیحت کرتے وقت چہرہ بشاش ہو، آنکھوں میں محبت اور یگانگت کی چمک ہو، آپ کا دل خلوص سے معمور ہو۔

۳۔ اگر کوئی بات سمجھاتے وقت بحث و مباحثہ کا پہلو نکل آئے تو آواز میں کرختگی نہ آنے دیں۔ تنقید ضروری ہو جائے تو یہ خیال رکھیں کہ تنقید تعمیری ہو، دلسوزی اور اخلاص کی آئینہ دار ہو۔ سمجھانے کا انداز ایسا دلنشیں ہو کہ مخاطب میں ضد، نفرت، تعصب اور طبیعت کے جذبات میں اشتعال پیدا نہ ہو اور اگر مخاطب کی طرف سے ضد اور ہٹ دھرمی کا اظہار ہونے لگے تو فوراً اپنی زبان بند کر لیجیے کہ اس وقت یہی اس کے حق میں خیر ہے۔

دین کی دعوت اور روحانی علوم کی اشاعت کے لیے بے شک تھوڑا کام کیجیے، لیکن مسلسل کیجیے۔ لوگوں کو روحانی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کی دعوت دیجیے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات، تکالیف اور آزمائشوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیجیے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ عالی مقام ہے۔

''بہترین عمل وہ ہے جو مسلسل کیا جائے، چاہے وہ کتنا ہی تھوڑا ہو۔''

دین کو پھیلانے کے لیے ہمیشہ دو طریقے رائج رہے ہیں۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ مخاطب کی ذہنی صلاحیت کو سامنے رکھ کر اس سے گفتگو کی جائے اور حسنِ اخلاق سے اس کو اپنی طرف مائل کیا جائے ... کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

صفِ انبیاءؑ کے امام آگئے ہیں
ستاروں میں ماہِ تمام آگئے ہیں

مجسمِ شریعت، سراپا طریقت
وہ لے کر مکمل نظام آگئے ہیں

یہاں تک بڑھا اُنؐ کے دامن کا سایہ
کہ رحمت میں سب خاص و عام آگئے ہیں

فرشتوں میں تھی دھوم معراج کی شب
کہ محبوبِ رب انام آگئے ہیں

یہ کہہ کے دَرِخُلد رضواں نے کھولا
حبیبِ خداؐ کے غلام آگئے ہیں

سلام اے قمرؔ احمدِ مجتبیٰؐ پر
کہ نزدیک بابُ السلام آگئے ہیں

مولانا شہید الاسلام المصری

ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ اس کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھ کر تدارک کیا جائے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تحریر و تقریر سے اپنی بات دوسروں تک پہنچائی جائے۔ موجودہ دور تحریر و تقریر کا دور ہے۔ فاصلے سمٹ گئے ہیں، زمین کا پھیلاؤ ایک گلوب میں بند ہوگیا۔ آواز کے نکتۂ سفر سے امریکا اور کراچی کا فاصلہ ایک کمرے سے بھی کم ہوگیا ہے۔

کراچی میں بیٹھ کر لندن، امریکا کی سرزمین پر اپنا پیغام پہنچا دینا روزمرہ کا معمول ہوگیا ہے۔ یہی صورتِ حال تحریر کی ہے۔

نشر و اشاعت کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ امریکا یا دور دراز کسی بھی ملک میں ٹائپ ہونے والی تحریر کراچی یا اسلام آباد میں اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ جیسے کراچی میں ہی لکھی جارہی ہو۔

تحریر قاری کے اوپر ضرور تاثر چھوڑ دیتی ہے، ایسا تاثر جو ذہن کے اندر فکر و فہم کی تخم ریزی کرتا ہے اور پھر یہی فکر و فہم ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔

اپنی تحریر اور تقریر میں ہمیشہ اعتدال کا راستہ اختیار کیجیے۔ الفاظ کی نشست و برخاست ایسی ہو کہ سننے اور پڑھنے والے کے اوپر امید اور تعلقِ خاطر کی کیفیت طاری ہو جائے۔ خوف کو درمیان میں نہ لائیے کہ خوف پر مبالغہ آمیز زور دینے سے بندہ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے اور اسے اپنی اصلاح اور نجات ناصرف مشکل بلکہ محال نظر آتی ہے۔

تحریر میں ایسے الفاظ لکھیے جن میں رجائیت نہ ہو۔ خدا سے محبت کرنے کا ایسا تصور پیش کیجیے کہ خوف کی جگہ ادب و احترام ہوتا کہ وہ خدا کی رحمت اور بخشش کو اس کے پورے ادب اور احترام کے ساتھ قبول کرے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ ''بہترین عالم وہ ہے جو لوگوں کو ایسے انداز سے مخلوقِ خدا کی طرف دعوت دیتا ہے کہ خدا سے بندے مایوس نہیں ہوتے اور نہ ہی خدا کا ایسا تصور پیش کرتا ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی کی سزا سے بے خوف ہو جائیں۔'' ☆

اپنی ڈائری سے باتیں......

پیارے ابو......!

میری دُعا ہے کہ اللہ سب کے والدین کو سلامت رکھے۔

جو تحفے بھیجتی ہوں، وہ آپ کو ملتے ہیں نا؟ بس ابو......! کوشش کرتی ہوں کہ دنیاوی ذمہ داریاں پوری کرنے کے بعد سارا وقت آپ کے لیے قرآن پڑھ کر بخشتی رہوں۔ اس کے باوجود بھی اولاد ہونے کا فرض تو پورا نہیں ہوگا۔ بہرحال دل کو کچھ اطمینان ضرور مل جاتا ہے۔ آپ نے تو ساری زندگی اپنی اولاد سے کچھ نہیں چاہا، کچھ نہیں مانگا، حد یہ کہ آخری سفر کا لباس، اور ابدی آرام گاہ کا انتظام بھی اپنے ہی پیسوں سے کیا، لہٰذا اب مجھے اللہ توفیق دے کہ میں آپ کے لیے کچھ کرسکوں۔

ابو......! کچھ دنوں سے عجیب اتفاق ہورہا ہے۔ مجھے اکثر لوگ ملے، مختلف موقعوں پر، جو یہ نہیں جانتے تھے کہ میں آپ کی بیٹی ہوں مگر انہوں نے مجھے partition کے حوالے سے اتنی حیرت انگیز باتیں بتائیں کہ میں گُنگ رہ گئی، اور جب انہیں پتا چلا کہ میں آپ کی بیٹی ہوں تو وہ مجھے ڈھیروں دُعائیں دیتے رہے۔

ابو......! بہت اچھا لگا، والدین اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہیں، اور پھر وہ والدین جو جانے کے بعد بھی اولاد کے لیے فخر کا باعث ہوں۔ بے شک بیش بہا نعمت...... اللہ مجھے آپ کے نقشِ قدم پر مکمل طور پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

آپ کی بیٹی

منزہ سہام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکتۂ نظر

رحم کی دیوی، برہنہ تن

تحریر: سید شاہد حسن

(ایگزیکٹو ایڈیٹر، قومی اخبار میڈیا گروپ)

قارئین......! ادارے کی ہمیشہ سے یہ روایت رہی ہے کہ آپ سب کی آگہی کے لیے ایسے افراد کو بھی دعوتِ قلم دی جائے جن کا مشاہدہ اور تجربہ آپ سب کے لیے راہنمائی کا باعث ہو۔ اسی خیال کے تحت قومی اخبار کے ایگزیکٹو ایڈیٹر محترم سید شاہد حسن، اس ماہ سے ''نکتۂ نظر'' کے عنوان سے ہمارے اور آپ کے درمیان موجود ہیں۔ اس سلسلے کے تحت ''رحم کی دیوی، برہنہ تن'' آپ کی بصارتوں کی نذر ہے۔

عورت خاندان کی بنیاد ہے، اسے فکر و عمل کی مکمل آزادی ہے۔ عورت کو وہ تمام حقوق فراہم کیے گئے ہیں، جو معاشرے کا ایک کامیاب فرد بننے کے لیے ضروری ہیں جبکہ معاشرے کو بھی پابند کیا گیا ہے کہ وہ عورت کو کامیاب فرد بننے میں اس کی مدد کرے مگر عورت کا مقام و مرتبہ آج بھی ہمارے سماج میں وہ نہیں ہے جس کی وہ مستحق ہے۔ ہمارے ملک کی آبادی کا نصف سے زیادہ حصہ خواتین پر مشتمل ہے مگر بدقسمتی یہ ہے کہ اس نصف آبادی کو آج بھی جان بوجھ کر پسماندہ رکھا جا رہا ہے، اور ہمارے ملک کی عورت آج بھی قیدیوں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ اسے عملی زندگی میں آنے سے روکا جاتا ہے حالانکہ ملک کے آئین میں خواتین کو ہر قسم کے حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس کے باوجود قبائلی معاشرتی نظام کی وجہ سے خواتین کو وہ مقام حاصل نہیں جو مرد کو حاصل ہے۔ جاگیرداری روایات اور ذات برادری کے بہت زیادہ عمل دخل کی وجہ سے پاکستان میں آج بھی ونی، غیرت کے نام پر قتل، وٹہ سٹہ، بدلہ صلح، سوارا، قرآن سے جبری شادی، جیسے رسم و رواج کے ذریعے خواتین پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔

جو عورت پر مظالم کی بھیانک رات گزری تھی
ہزاروں سال پر طاری شبِ آفات گزری تھی
رہی جس میں وہ دار و گیری کی صید زبوں بن کر
جو اس کے جسم پر تیزاب کی برسات گزری تھی
کہ جس میں رحم کی دیوی برہنہ تن، برہنہ سر
کھڑی تھی سر جھکائے وقت کی دہلیز کے اوپر

اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لیے مجھے روز المیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ نعشوں کو دیکھنا اور زخموں سے تڑپتے انسانوں کی تفصیلات جاننے کا یہ عمل، گزشتہ چھبیس، ستائیس سال سے جاری ہے۔ بم دھماکوں میں انسانوں کے پرخچے اڑتے ہوئے بھی دیکھے ہیں، اور مساجد و عبادت گاہوں میں خودکش حملوں اور فائرنگ سے ہلاک کیے گئے انسانوں، نعشوں کے درمیان گھنٹوں کھڑے رہ کر اپنی ذمہ داریاں پوری کی ہیں مگر میں اس قدر خوفزدہ کبھی نہیں ہوا جس قدر میں اُس روز دل سے تھر تھر کانپنے لگا، جب گارڈن ایسٹ کی ایک کچرا کنڈی سے ایک بدنصیب خاتون کی نعش کا دھڑ ملا، جس کا سر اور ٹانگیں غائب تھیں۔ اس بدنصیب خاتون کی نعش کے ٹکڑے ملنے کا سلسلہ دو تین روز جاری رہا۔ اس واقعہ کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ جمشید روڈ سے ایم اے جناح روڈ تک کے علاقے میں ایک اور حوا کی بیٹی کی نعش کے ٹکڑے ملنے شروع ہو گئے۔ دو تین دن کے وقفے کے بعد لانڈھی کے علاقے سے ایک خاتون کی نعش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ ان پے در پے واقعات نے میری نیندیں حرام کر دیں۔

ہمارے ملک میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے بے شمار ادارے اور این جی اوز کام کر رہی ہیں مگر عورتوں کی نعشیں ٹکڑے کر کے پھینکنے کے ان واقعات پر کہیں سے بھی صدائے احتجاج بلند نہ ہوئی تو میرے ذہن میں پیاری بہن منزہ سہام کے ماہنامہ ''دوشیزہ'' ڈائجسٹ کا خیال آیا جس کا میں اب مستقل قاری بن چکا ہوں۔ ماہنامہ ''دوشیزہ'' کے لفظ سے پاکیزگی کا جو تصور ابھرتا ہے، وہ میں ہر وقت اپنے گرد و نواح میں محسوس کرتا ہوں جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ میں تین بیٹیوں کا باپ ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں ماہنامہ ''دوشیزہ'' کے ذریعے اپنا پیغام کسی ایک دوشیزہ یا کسی ایک عورت تک پہنچا سکا تو میرا یہ پیغام ''قطرہ قطرہ دریا'' کی صورت بن سکتا ہے۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ میں اپنے معاشرے کی اُن مظلوم خواتین کو یہ بتا سکوں کہ ہمارا دین خواتین کے حقوق کا کس طرح تعین کرتا ہے اور ملک میں رائج الوقت قوانین، عورتوں کے حقوق کی ضمانت کیسے دیتے ہیں؟

12 دسمبر 2011ء کو پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا (سینیٹ) میں "Prevention of anti-women particles criminai law Amendment" بل منظور کر لیا۔ بنیادی طور پر اس بل کے دو حصے ہیں جس میں خواتین دشمن رواج کا خاتمہ (یعنی خواتین کے خلاف فوجداری قانون میں ترمیم) کا بل 2011ء اور تیزاب پر کنٹرول اور تیزاب سے متعلق جرائم کی روک تھام کا بل شامل ہیں۔ ان قوانین پر صدرِ مملکت کے دستخطوں کے بعد یہ نافذ العمل ہو چکے ہیں۔ اس قانون کے تحت ونی، سوارا، قرآن سے جبری شادی، بدلہ اور صلح جیسے رسم و رواج پر پابندی لگا دی گئی ہے، اور خلاف ورزی کے مرتکب افراد کو 10 سال تک قید، 10 لاکھ روپے جرمانہ کی سزا دی جا سکے گی۔ یہ جرائم ناقابلِ ضمانت ہوں گے۔ دوسرے ترمیمی بل کے مطابق، جو شخص بھی کسی عورت کو وراثت کی تقسیم کے موقع پر منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد میں سے اُس کا قانونی اور شرعی حصہ نہیں دے گا، اسے دس برس تک قید یا دس لاکھ روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں ایک ساتھ دی جا سکیں گی۔ جو شخص جبری یا کسی اور طریقے سے کسی عورت کو شادی پر مجبور کرے گا، اسے دس برس تک کی قید کی سزا اور 5 لاکھ روپے جرمانے کی سزا ہو گی۔ قرآن سے شادی کرنے پر مجبور کرنے والے کو 7 سال قید اور 5 لاکھ روپے جرمانہ ہو گا۔ اس قانون کے تحت کسی خاتون کا قرآنِ پاک پر حلف کہ وہ اپنی بقیہ زندگی شادی کے بغیر گزارے گی یا وراثت میں سے اپنا جائز اور قانونی حصہ نہیں مانگے گی تو اسے ''قرآن سے شادی'' تصور کیا جائے گا۔ تیزاب سے متعلق جرائم کی روک تھام کے قانون کے تحت، اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو 14 سال کی عمر قید اور 10 لاکھ روپے جرمانے کی سزا کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔

پارلیمنٹ نے خواتین کے حقوق سے متعلق یہ دو بل منظور تو کر لیے ہیں مگر ان میں کئی قانونی نکات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب بھی وضاحت طلب ہیں۔ قانون میں کاروکاری کا ذکر تو موجود ہے مگر اس کا اطلاق کیسے ہوگا؟ مقدمات درج کرنے کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ جرائم سے متاثر ہونے والی خواتین' پولیس اور عدالت سے کیسے رجوع کریں گی' اور اپنا قانونی حق لینے والی خواتین اور ان کے سرپرستوں کو کون تحفظ دے گا؟

یہ بات طے ہے کہ جب تک متاثرہ خواتین کی عزت اور جان و مال کا تحفظ یقینی نہ بنایا گیا تو خواتین کے حقوق کے اتنے اہم قوانین غیر مؤثر ہو جائیں گے کیونکہ متاثرہ خواتین خوف کی وجہ سے پولیس اور عدالت سے رجوع ہی نہیں کریں گی' اور اگر کسی باہمت خاتون نے ہمت کر لی تو مجرموں اور ان کے طاقتور سرپرستوں کی جانب سے ان کی عزت اور جان و مال کو نقصان پہنچانے یا اس کی دھمکی ملنے پر وہ مزید قانونی کارروائی سے ہاتھ کھینچ لے گی۔

پاکستان میں خواتین کے حق میں قانون سازی کے ضمن میں پہلی اہم پیش رفت 1961ء میں ہوئی تھی جو "مسلم عائلی قوانین" کی صورت میں سامنے آئی تھی۔ اس قانون سازی کا بنیادی مقصد ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کرنا اور طلاق کے نظام کو باضابطہ بنانا تھا۔ اس قانون نے بعد میں آنے والے حالات میں کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کیا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج بھی کثرتِ ازدواج کا سلسلہ جاری ہے اور فیملی کورٹس میں طلاق کے مقدمات کی بھرمار ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے 1979ء میں خواتین کے حقوق سے متعلق' پانچ آرڈیننس جاری کیے۔ پہلا آرڈیننس جائیداد کے بارے میں تھا۔ دوسرا آرڈیننس زنا کے جرائم سے متعلق تھا جو عصمت دری 'زنا' خواتین کے اغوا کے بارے میں تھا۔ تیسرا آرڈیننس زنا کے جھوٹے الزام کے بارے میں تھا۔ چوتھا آرڈیننس منشیات کے استعمال' اس کی اسمگلنگ وغیرہ کے بارے میں تھا' اور پانچواں آرڈیننس کوڑے مارنے کی سزا پر عمل درآمد کرنے کے متعلق تھا۔ ضیاء الحق کی تمام قوانین سازی 1988ء کے انتخابات کے بعد ختم کر دی گئی۔

خواتین کے حقوق کے لیے سب سے مؤثر قانون سازی پرویز مشرف کے دور میں ہوئی۔ 2001ء میں پاکستانی خواتین کے بچوں کو شہریت کا اختیار دے دیا گیا۔ علاوہ ازیں خواتین کو ایک خاص مدت کے اندر خلع کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے 2002ء میں عائلی عدالتوں کے ایکٹ میں ترامیم کی گئیں۔ اسی دور حکومت میں قومی اسمبلی اور سینیٹ میں خواتین کی مخصوص نشستوں کو بحال' اور ان کی تعداد میں اضافہ کیا گیا' اور پارلیمنٹ میں 17 فیصد نشستیں خواتین کے لیے مختص کر دی گئیں۔ بلدیاتی اداروں میں خواتین کے لیے 33 فیصد نشستیں مخصوص کی گئیں۔ 30 جولائی 2004ء کو غیرت کے نام پر قتل کی روک تھام کے لیے' سرکاری بل پیش کیا گیا جو 26 اکتوبر کو منظور کرلیا گیا۔ 2006ء میں تحفظِ خواتین کا قانون منظور کیا گیا۔ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں 4 اگست 2009ء کو خواتین پر گھریلو تشدد سے تحفظ کا بل منظور کیا گیا' جو بعد ازاں سینیٹ میں غیر مؤثر ہو گیا۔ 2010ء میں عورتوں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے دو قوانین سرکاری بل کے طور پر پیش کیے گئے۔ پہلا فوجداری قانون کا ترمیمی بل ایکٹ 2010ء ہے' جو ملازمت پیشہ خواتین کو ہراساں کرنے سے متعلق تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 509 میں ترمیم کرتا ہے۔ دوسرا مؤثر قانون' مقامِ ملازمت پر خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنے سے تحفظ کا ایکٹ 2010ء ہے۔ رواں سال میں رواج اور رسومات کے علاوہ خواتین پر تیزاب پھینکنے جیسے جرائم پر سزاؤں کے قوانین بنائے گئے ہیں۔

پاکستان میں خواتین کے حقوق کے بارے میں اس وقت درج ذیل اہم قوانین رائج ہیں۔

- سرپرست و نابالغ ایکٹ مجریہ 1860ء۔
- غیر ملکیوں سے شادی کا قانون مجریہ 1903ء۔
- نابالغوں کی شادی سے ممانعت کا قانون مجریہ 1929ء۔
- مسلمانوں کے لیے نسخ نکاح کا قانون مجریہ 1939ء۔
- مسلم عائلی قوانین کے آرڈیننس مجریہ 1961ء۔
- مغربی پاکستان کا عائلی عدالتوں کے قیام کا بل مجریہ 1964ء۔
- مغربی پاکستان کے عائلی قواعد مجریہ 1965ء۔
- جہیز اور عروسی تحائف کی ممانعت کا قانون مجریہ 1976ء۔
- جہیز اور عروسی تحائف کے قواعد مجریہ 1976ء۔
- حدود آرڈیننس مجریہ 1979ء۔
- قانون شہادت آرڈر مجریہ 1984ء (جس کے تحت عورت کی گواہی آدھی گواہی قرار دیا گیا۔)
- پاکستانی شہریت ایکٹ مجریہ 1951ء اور 2001ء میں جزوی ترامیم۔
- عائلی قوانین میں ترمیم کا قانون مجریہ 2002ء (جس کے تحت خلع کے حصول کے لیے مدت کا تعین کیا گیا۔)
- غیرت کے نام پر قتل قوانین میں ترمیم ایکٹ مجریہ 2004ء۔
- تحفظِ خواتین (فوجداری قوانین میں ترمیم) ایکٹ مجریہ 2006ء۔
- خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے قوانین فوجداری میں ترمیم ایکٹ مجریہ 2010ء۔
- جائے ملازمت پر ہراساں کیے جانے کے خلاف تحفظ کا بل مجریہ 2010ء۔
- خواتین دشمن رواج کے امتناع (فوجداری قوانین میں ترمیم) کا بل مجریہ 2011ء۔
- تیزاب پر کنٹرول اور تیزاب پھینکنے سے متعلق جرائم کی روک تھام کا بل مجریہ 2011ء۔

خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے بنائے گئے قوانین کے باوجود' خواتین پر جاری ظلم و ستم آج بھی پوری رفتار سے جاری ہے۔ نئے قوانین بنانے یا پرانے قوانین میں ترامیم کے مسئلے حل نہیں ہوئے۔ ہمارا اصل مسئلہ ذہنیت کا ہے جسے تبدیل کیے بغیر کوئی قانون مؤثر انداز میں نافذ نہیں ہو سکتا۔ قوانین بننے کے باوجود پاکستان میں خواتین کے حقوق کے تحفظ کے ضمن میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ پارلیمنٹ سب سے مؤثر ادارہ ہے جو پورے ملک کے نظام پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اس کا کام ہی عوام کے مسائل پر بحث و تمحیص کرنا اور مسائل کا حل تلاش کرنا ہے' مگر پارلیمنٹ میں آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو خواتین کے حقوق سے زور آزمائی کے لیے اسلام اور دین کا سہارا لیتے ہیں۔ گھریلو تشدد کی روک تھام کے بل پر آج تک اتفاقِ رائے اس لیے نہیں ہوا کہ ایک دینی' سیاسی جماعت کے امیر اور عالم دین نے اس بل کو 'عورت کی آزادی کو' آوارگی' قرار دیا ہے' اور ان کا موقف ہے کہ پاکستان میں گھریلو تشدد کے خلاف مجوزہ قانون مغربی سوچ کا عکاس ہے۔ اگر یہ بل منظور ہوا تو پاکستان میں گھریلو زندگی باقی نہیں رہے گی۔ ان مولانا کے بقول' اگر یہ بل منظور ہو گیا تو جوان لڑکے اور لڑکیاں آوارگی کی راہوں پر چل پڑیں گے اور ان کے والدین ان سے یہ پوچھنے کا حق بھی کھو دیں گے کہ وہ رات گئے تک گھر سے باہر کیوں تھے؟ اور جوان لڑکے اور لڑکیوں کو اپنے والدین کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا حق مل جائے گا اور اس طرح پاکستان میں خاندانی نظام تہس نہس ہو جائے گا۔

اسلام نے عورت کو بہت زیادہ حقوق دیے ہیں۔ اسلام نے تو عورت اور مرد کا فرق ہی مٹا دیا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ نساء 4' آیت 124 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور جوکوئی نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت' اگر وہ نیک اور مومن' پس وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اوران کی تل برابر بھی حق تلفی نہیں ہوگی۔''

سورۂ نحل کی آیت نمبر ۹۷ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

(ترجمہ) جو شخص بھی نیک اعمال کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو' اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے' اوران کے اَجران کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔

ہمارا دین عورتوں کو نا صرف ان کے حقوق دیتا ہے بلکہ ان کے حقوق کا ضامن بھی ہے۔ یہاں میں وہ آیاتِ قرآنی پیش کرنے کی جسارت کروں گا' جن پر آج کوئی بڑے سے بڑا عالم دین بھی لب کشائی سے گریزاں ہے۔ ہمارا ایمان کسی انسان کے تابع نہیں بلکہ اللہ کے حکم کے تابع ہے اوراسی مالک کو ہم نے اپنا جواب دینا ہے۔ سورۃ الشوریٰ ۴۲' آیت ۱۰ فرمایا گیا ہے۔

''اور تم کسی بات میں اختلاف کرو تو فیصلہ قرآن سے لے لو۔''

عورتوں کے حقوق کے بارے میں قرآنی آیات پیشِ خدمت ہیں۔

☆ سورۃ البقرۃ (۲) آیت ۲۲۸۔ اللہ کی نظر میں عورت اور مرد برابر ہیں۔

☆ سورۃ آلِ عمران (۳) آیت ۳۶۔ لڑکا' لڑکی کے جیسا نہیں ہوتا۔

☆ سورۃ النساء (۴)' آیت ۳۲۔ مرد ہو یا عورت جو نیک عمل کرے گا' اس کا بدلہ بھی وہی پائے گا۔

☆ سورۃ التحریم (٦٦)' آیت ۱۰ اور ۱۱۔ نوحؑ اور لوطؑ نبیوں کی بیویاں اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم میں اور فرعون کی بیوی جنت میں جائے گی۔

☆ سورۃ النساء (۴)' آیت ۱۹۔ عورتوں کی رضامندی کے بغیر ان کا وارث بننے یا انہیں زبردستی اپنے پاس روک کے رکھنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

☆ سورۃ النور (۲۴)' آیت ۳۳۔ کسی باندی اور کنیز کو بھی اس کی رضامندی کے بغیر بدکاری پر مجبور کرنا گناہ ہے۔

☆ سورۃ النساء (۴)' آیت ۳۴۔ مردوں کو عورتوں کا نان نفقہ اٹھانے اور اخراجات برداشت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

☆ سورۃ النساء (۴)' آیت ۳۔ مرد کو چار شادیاں کرنے کی اجازت یتیم اور بے سہارا لڑکیوں کا سہارا بننے کے لیے دی گئی' انصاف نہ کرنے کی صورت میں صرف ایک ہی شادی کی اجازت ہے

☆ سورۃ النساء (۴)' آیت ۱۲۸۔ اگر بیوی کو شوہر کی طرف سے خیانت کا ڈر ہو تو بیوی' شوہر کے ساتھ بیٹھ کر معاملہ طے کرکے صلح کرسکتی ہے۔

دینی اور دنیاوی قوانین عورتوں کے حقوق کا بھرپور تحفظ کرتے ہیں۔ قوانین کے اثرات تو ہوتے ہیں' لیکن اُن سے بھرپور استفادہ کرنے کے لیے ذہنیت اور نظام کی تبدیلی ضروری ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو بہترین قوانین کے اثرات بھی مشکل سے ظاہر ہوتے ہیں۔ معاشرے میں تبدیلی لانے میں تعلیم کا بہت بڑا کردار ہے۔ تعلیمی ادارے کا مثبت کردار معاشرے میں امن اور خوشگوار ماحول کی علامت ہے۔ تعلیم ہی سے انسان کو خودشناسی اور آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ ماہنامہ دوشیزہ مادرِ وطن کی دوشیزاؤں کے شعور اور آگاہی میں اہم کردار ادا کررہا ہے۔ یہ بات میں وثوق سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں ''دوشیزہ'' کا مستقل قاری ہوں' اور قارئین کے خطوط پڑھ کر مجھے یہ یقین ہوگیا ہے کہ اگر خواتین کے میگزین' رسالے اور ڈائجسٹ اپنے صفحات کے چند اوراق خواتین کے شعور کے لیے مختصر کردیں تو یہ اشاعتی ادارے ملک میں انقلاب برپا کرسکتے ہیں۔ خدا ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ (آمین!)

دنیا میں کس جگہ

سچی کہانیاں کے چرچے نہیں

اِس لیے کہ ''سچی کہانیاں'' کے مصنفین پیشہ ور لکھنے والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کی حقیقتوں اور سچائیوں کو برتتے' دیکھتے' محسوس کرتے اور ہمیں لکھ بھیجتے ہیں۔ ''سچی کہانیاں'' کے قارئین وہ ہیں جو سچائیوں کے متلاشی اور انہیں قبول کرنے والے ہیں

یہی وجہ ہے کہ ''سچی کہانیاں'' پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا اپنی نوعیت کا واحد ڈائجسٹ ہے ''سچی کہانیاں'' میں آپ بیتیاں' جگ بیتیاں' اعترافات' جرم وسزا کی کہانیاں' ناقابلِ یقین کہانیاں' دلچسپ وسنسنی خیز سلسلوں کے ع ''وہ مسئلہ یہ ہے اور قارئین و مدیر کے درمیان دلچسپ نوک جھونک ''احوال''۔ سب کچھ جو زندگی میں ہے وہ ''سچی کہانیاں'' میں ہے۔

ایجنٹ / قارئین کی توجہ کیلئے

اگر آپ کو سچی کہانیاں اور دوشیزہ کے حصول میں کوئی دشواری پیش آرہی ہو تو مندرجہ ذیل نمبروں پر رابطہ کریں۔ انشاء اللہ مسئلہ فوری حل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

محمد اقبال زمان (سرکولیشن منیجر) 0333-2269932

رابطہ برائے آفس : 34939823 - 34934369

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوشیزہ کی محفل

محبتوں کا طلسم کدہ' خوب صورت رابطوں کی دلفریب محفل

ساتھیو......!السلام علیکم!

کیسے ہیں آپ سب؟ یقیناً اپنی اپنی مصروفیات میں گم' اخبارات اور ٹیلی ویژن کے اسکرین پر' گھر بیٹھے باخبر رہیے' کے ہر انداز سے کبھی لطف اندوز ہو رہے ہوں گے اور کبھی جھنجلاہٹ کا شکار ہو رہے ہوں گے۔ انقلاب' انقلاب کی آوازیں بھی سنائی دے رہی ہوں گی۔ دُعا ہے کہ سب سے پہلے انقلاب کی' سکون کی ایک لہر ہمارے اپنے دل میں بھی پیدا ہو جائے۔ (آمین!)

رخسانہ سہام مرزا...... ہماری اور آپ کی محفل کی ایک عرصہ تک میزبانی کرتی رہی ہیں۔ کافی دنوں سے ہم سب ہی کی خواہش تھی کہ وہ نا صرف دفتر میں بلکہ آپ سب کے درمیان بھی اُسی طرح موجود رہیں۔ کبھی سمجھاتی ہوئی اور کبھی اپنے پُرشفیق انداز میں اپنے تجربے سے ایک استاد کی حیثیت سے زندگی کے اَسرار و رُموز بتاتی ہوئی۔ یہ یقیناً آپ سب کی بھی خواہش ہے اور میری بھی' میں آپ سب کے درمیان ہی ہوں' لیکن محفل کی میزبانی اَب اُن کے قلم سے...... انشاءاللہ' آیندہ ماہ سے' وہ آپ سب کے درمیان ہوں گی۔

✉ نگہت اعظمی' کراچی سے تحریر کرتی ہیں۔ امید ہے' خیریت سے ہوں گی۔ آج دوشیزہ کی محفل کے ذریعے اپنی تمام لکھنے والوں اور پڑھنے والوں سے کچھ باتیں کرنا چاہوں گی۔ ہر اشک اک ستارہ بالآخر اختتام پذیر ہوا' یہ میرا پہلا ناول تھا۔ اس سے پہلے ایک مختصر سا ناولٹ ''اک بار کہو'' دوشیزہ میں چھپ چکا تھا جو پانچ اقساط پر مشتمل تھا۔ یہ غالباً 2000ء میں چھپا تھا۔ اب دس سال بعد دوسرا ناول لکھنے کا ارادہ کیا تو معلوم نہ تھا کہ یہ اتنا مشکل کام ہوتا ہے اور اس میں اتنی زیادہ انوالومنٹ ہو جاتی ہے کہ ناول کے کردار اپنے ہی گھر کا حصہ لگنے لگتے ہیں' یقین کریں' جس دن میں نے آخری قسط لکھی' مجھ پر ایسی اداسی طاری ہوئی جیسے اپنے بہت عزیز رشتہ داروں کو رخصت کرتے ہوئے ہوتی ہے۔ اس ناول کی بنیادی تھیم یہی تھی کہ اگر انسان کا خدا پر ایسا یقین ہو کہ وہ اسے ہر وقت اپنے ساتھ محسوس کرے تو پھر اس دنیا کی مصیبتیں اور مشکلات اسے خدا کے قریب لانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور یہ مصیبتیں اس کے لیے معرفتِ الٰہی کا در کھول دیتی ہیں۔ عارفہ کی صورت میں' میں نے وہی کردار تخلیق کرنے کی کوشش کی جو ناول کی تھیم پر پورا اتر سکے۔ اس میں کس

دُعائے مغفرت

روزنامہ آفتاب کے چیف ایڈیٹر ممتاز طاہر صاحب کی ہمشیرہ' گزشتہ دنوں رَضائے الٰہی سے اس دُنیائے فانی سے رخصت ہوگئی ہیں۔

اِنّا للہِ وَاِنّا اِلیہِ راجعون

قارئین سے درخواست ہے کہ مرحومہ کے لیے دُعائے مغفرت کریں۔

حد تک کامیابی ہوئی' اس کا فیصلہ تو آپ نے کرنا ہے اور مجھے بتانا ہے۔ عارفہ کے علاوہ اس ناول میں آپ کو اور بھی کردار نظر آئے۔ یہ وہی کردار ہیں جن کا ہر وقت ہم سے واسطہ رہتا ہے۔ زندگی اس طرح نہیں گزرتی جس طرح ہم چاہتے ہیں بلکہ زندگی اس طرح گزرتی ہے جیسا زندگی دینے والا چاہتا ہے۔ یہ زندگی ہمارا حق تو نہیں' یہ ہماری درخواست پر تو نہیں ملی۔ جس نے زندگی عطا کی ہے' وہ بہتر سمجھتا ہے کہ اس زندگی کو کس طرح مختلف صورتوں میں ڈھالنا ہے' اس لیے واقعات' حادثات اور اتفاقات پر ہمارا کوئی زور نہیں۔ ہمیں نہیں پتا کس وقت کون سا حادثہ ہماری زندگی کے رخ کو پلٹ دے' ہر زندگی ایک کہانی ہے اور اس کہانی کا تخلیق کار اتنا بے عیب ہے کہ کسی کہانی میں کوئی جھول نہیں' کوئی کمی نہیں' کوئی نقص نہیں' کوئی خامی نہیں' جب انسان یہ سمجھ لے تو پھر شکوہ کس بات کا' شکایت کس بات کی' جو دے اُس پر بھی شکر کرنا لازم جو نہ دے' اُس پر بھی شکر کرنا لازم۔ ہوسکتا ہے' جلد ہی یہ ناول آپ کو ٹی وی پر ڈرامے کی صورت میں نظر آئے' ویسے کتابی صورت میں سا اپریل کے آخر تک مارکیٹ میں آجائے گا۔ میری کتاب ''آبگینے'' جو افسانوں کا مجموعہ ہے اور اس ناول کی تعارفی تقریب بھی مئی کے درمیان میں متوقع ہے۔ میں اپنی ساری رائٹرز کو اس خط کے ذریعے مدعو کر رہی ہوں' سب کو فرداً فرداً کارڈ بھی بھیجوں گی اور فون بھی کروں گی۔ اگر کسی کو کارڈ نہ ملے یا فون پر رابطہ نہ ہوسکے تو مجھے میرے فون نمبر (03312053022) پر انفارم کر دے یا دوشیزہ سے رابطہ کرے۔ میری ہر رائٹر اس تقریب میں مدعو ہے۔ یہ تقریب انشاءاللہ' آرٹس کونسل میں منعقد ہوگی۔ اخبار کے ذریعے بھی میں مطلع کروں گی۔ میں اُن تمام قارئین کی سچے دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے باقاعدگی سے میرا ناول پڑھا اور اپنی رائے سے نوازا اور اُن تمام رائٹرز کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے بڑی باقاعدگی سے تبصرہ کیا جیسے نسیم نیازی' سُنبل (مجھے تمہاری والدہ کے انتقال کی خبر سن کر بہت افسوس ہوا۔ خدا تمہیں حوصلہ دے کہ یہ غم بہت بڑا ہے اور الفاظ بہت چھوٹے ہیں اور تمہاری والدہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ (آمین!) فرح اسلم قریشی' فریدہ مسرور' شائستہ عزیز......! کیسی ہو تم سب؟ رضیہ مہدی' گل' صبیحہ شاہ' (خدا کے لیے' قسم توڑ دو۔ ہم سب تمہاری تحریروں کے منتظر ہیں۔) نسیم آمنہ' عقیلہ حق' دردانہ نوشین' تم نے میری ناول نہیں پڑھی' کوئی بات نہیں' مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں کہ میں تمہاری عزیزوں کی بہت بڑی فین ہوں اور تم سے ناراض نہیں ہوسکتی۔ افسانہ ضرور بھیجوں گی اور یاد رکھنا' تمہیں تبصرہ کرنا ضروری ہوگا۔ فرزانہ آغا سے کیا شکوہ کروں' اس کے صبر اور ہمت کی داد دیتی ہوں اور ہر نماز میں اس کے اور شائستہ کے بیٹے کے لیے دُعا ہے کہ خدا ان ماؤں کی آنکھوں کو اپنے بچوں کو صحت یاب دیکھ کر ٹھنڈک نصیب ہو اور یہ بھی نہیں کہنا کہ تم تو ہماری پڑوس میں رہی ہو اور پڑوسیوں کے بہت حقوق ہوتے ہیں۔ مرد حضرات کے بارے میں کیا لکھوں' انہوں نے غالباً مل کر یہ تہیہ کیا تھا کہ ہم کچھ نہیں بولیں گے۔ زمر نعیم سے بھی کوئی گلہ نہیں کہ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کبھی اس کے ناول پر کوئی تبصرہ نہیں کیا جبکہ وہ اتنا اچھا لکھتی ہے کہ اسے میرے تبصرے کی کوئی ضرورت نہیں' لیکن اب وعدہ ہے کہ باقاعدگی سے پڑھوں گی اور اپنی رائے بھیجوں گی۔ آخر میں دوشیزہ کی پوری ٹیم کی شکر گزار ہوں' سب سے پہلے منزہ کہ اس کے لیے کیا کہوں' حسن کے ساتھ ذہانت اور کام کرنے کی لگن' اتنی کم عمری میں اتنا اعتماد اور اتنا کام۔ خدا تمہیں خوش رکھے اور تمہارے مسائل حل کرے پھر غزالہ' بے حد خوش اخلاق' بے حد تعاون کرنے والی اور بے حد اچھی لکھنے والی ہیں۔ دوشیزہ کا معیار دن بہ دن بہتر ہوتا جارہا ہے اور محنت نظر آرہی ہے پھر ناصر رضا صاحب کہ آپ تو میرے بھائی ہیں اور آپ کی تعریف کروں گی تو لوگ کہیں گے کہ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ کاشی چوہان جو میرے بیٹوں کی طرح ہے' اتنی خوبصورت شاعری اور اتنے خوبصورت افسانے لکھنے والے کو دیکھیے تو یقین نہیں آئے گا کہ یہ اس کے لکھے ہوئے افسانے ہیں۔ مجھے تو یقین نہیں آتا۔ زندہ کہانی راجہ محمود صاحب' آپ کی تحریر زندہ کہانی کا اور پھر شبانہ' طاہر صاحب' ظہیر صاحب اور وہ سب لوگ جن کے نام میں نہیں جانتی' میں اُن سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ خدا آپ کو خوش وخرم' شاد وآباد رکھے اور دنیا اور آخرت میں کامیابیاں عطا فرمائے۔

✍ نگہت اعظمی صاحبہ! آپ کا طویل خط شکریہ کے موتیوں سے سجا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیاں عطا کرے۔ (آمین!)

✉ شگفتہ شفیق' کراچی سے تحریر کرتی ہیں۔ السلام علیکم! کیا حال ہے؟ اللہ کا احسان ہے کہ ہم تو ماشاء اللہ' مزے میں ہیں۔ ہماری دوسری کتاب نظموں کا مجموعہ ''یاد آتی ہے'' شائع ہوگیا ہے۔ آج کل پیارے پیارے دوست واحباب سے مبارک باد وصول کررہے ہیں۔ تمہاری رائے کا ابھی انتظار ہے۔ ''تو کہاں ہے مگر؟'' میں شعر بہت ہی اعلیٰ رہا۔ اس بار ہمیشہ سے زیادہ بہترین زادِ راہ (جو کہ منورہ نوری خلیق صاحبہ نے تحریر کیا ہے۔) لگا ہے۔ پڑھ کے ہر ہر جملے پر توبہ کی ہے اور یہ ہی دُعا مانگی کہ اللہ پاک ہم سب کو نیک ہدایت دے۔ (آمین!) اپنی ڈائری سے باتیں' بہت پیارا میٹھا لگا۔ اس بار دوشیزہ کی محفل میں فرحت جمال نے ہمارے دل کی بات کہہ دی ہے کہ بے چارے شاعروں اور شاعرات کو بھی کسی ایوارڈ سے نوازد پلیز۔ ہماری طرف سے ارم زہرا کی پھوپی کے لیے مغفرت کی بہت ہی دُعائیں۔ اور ایڈیسن کی صحتِ کاملہ کے لیے دُعا۔ شمع حفیظ کی دُعاؤں کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہیں۔ روزنامہ فلک ٹائمز کے اجرا کے موقع کی تصویری جھلکیاں اچھی لگیں۔ اس بار سب سے پہلے ناولوں پر تبصرہ ہوجائے۔ تم میرے ساتھ رہو' زمر نعیم کے بہت سارے خوبصورت جملے بے حد پسند آئے۔ کہانی بھی خوبصورتی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ ہر اشک اک ستارہ نگہت اعظمی کے منی ناول کی بیسویں قسط ہے اور دل ہے کہ بھر کے ہی نہیں دیتا ہے۔ آخر میں جب یہ پڑھا کہ اگلے ماہ آخری قسط ہوگی تو دل دھک سے رہ گیا۔ نگہت' پلیز' آپ ایک اور اسی طرح کا سچا اور اچھا سا ناول شروع کریں۔ کاشی چوہان کا افسانہ نمبر تین سو تیرہ اچھا لگا۔ شمیم فضل خالق کا افسانہ بھی خوب رہا۔ محمد تقی صاحب کا افسانہ روشنی کے سامنے' بے حد اچھا لگا۔ چاند میرا منتظر کی نویں قسط دھنک رنگ شاعری اور واقعات سے سجی بے حد پسند آئی۔ انتخابِ خاص میں سائرہ ہاشمی کا افسانہ' دھرتی کی پیاس بہت جاندار اور شاندار رہا۔ عارف شفیق صاحب کی غزل' محمود شام کی شاعری بہت ہی کمال کی رہی۔ یار' اس دفعہ کچھ مصروف رہی ہوں۔ انشاء اللہ' اگلی بار مفصل خط پکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شگفتہ شفیق......! خوش رہو۔ خوب مبارک بادیں وصول کرو۔ کتاب بے حد خوبصورت ہے تمہاری مسکراہٹ کی طرح۔ جیو خوشیوں کے ساتھ' اپنوں کے ساتھ۔

☒ یاسر دلاور خان' کراچی سے تحریر کرتے ہیں۔ السلامُ علیکم! امید ہے' آپ سب خیر و عافیت سے ہوں گے۔ ماہِ گزشتہ کا پرچہ ذرا دیر سے ملا اور اس پہ مصروفیت بھی اتنی رہی کہ پہلے پہل تو لگا کہ اس بار مطالعہ و تبصرہ نہ ہو پائے گا لیکن ہم کہ ٹھہرے عادت سے مجبور' قطرے قطرے سے دریا بنا ہی لیا۔ محفل میں تلخ و شیریں باتیں ہوتی تھیں مگر ابھی کچھ عرصے سے صرف تعریفی خط ہی چھاپے جا رہے ہیں جیسے کہ میرے پہلے خط میں بھی قطع و برید کی گئی حالانکہ اظہارِ رائے کی آزادی ضرور ہونی چاہیے۔ رنگِ فسانہ کچھ رنگ نہیں جما پایا' ہاں البتہ محمد تقی' مدیحہ عدنان نے رنگِ فسانہ کی لاج رکھ لی۔ مدیحہ عدنان نے پرانے موضوع پر پرانے انداز میں افسانہ لکھا مگر بہتر تھا۔ ناول کی پہلی قسط بھی شاندار رہی اور اب دوسری بھی لاجواب رہی' لیکن اب ناول کے اختتام پر ہی کوئی رائے قائم کی جا سکے گی۔ ابھی ہی سے کوئی بات کرنا قبل از وقت ہوگا۔ ناولٹ میں صفحہ نمبر 113 میں اظہر صاحب یہ کہتے ہیں۔ ''ارجمند بیٹی' خیر خیریت سے ایم اے کر لے' اس دوران ہم کوشش کر کے......'' اور صفحہ نمبر 114 ایم ایس سی کے آخری سیمسٹر کے دوران رفیق صاحب ان کے گھر آئے اور شروع ہی سے شہزادی کا کیریکٹر کہانی کا نچوڑ بتا رہا تھا۔ ناولٹ کا پلاٹ بہت مضبوط تھا' جس طرح سے سین ایک دوسرے میں ضم تھے' دلچسپی برقرار رہی اور پہلے سین سے آخری سین تک کہانی پر مصنفہ کی گرفت بہت اعلیٰ رہی۔ آج کل شاعری بہت اچھی آ رہی ہے۔ مولانا شہید الاسلام المصری' کاشی چوہان' احسن سلیم' عارف شفیق' افتخار فلک کاظمی' محمود شام' رفعت ناہید' شبیر نازش' زمر نعیم' اوصاف شیخ اور علی زریون کی شاعری بہت اچھی لگی۔ ایک وقت تھا جب افسانے چھپتے تھے تو مزا آتا تھا' لیکن آج کل افسانوں کا انتخاب اچھا نہیں ہو رہا' اس طرف توجہ دے کر پرچے کا معیار مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ اس بات سے اپنی تحریر ختم کرتا ہوں کہ کوئی بھی شے چاہے وہ جتنی بھی اچھی ہو' اس میں بہتری کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے۔

یاسر دلاور خان' آپ کی آمد' آپ کا تبصرہ ہمارے لیے خاصے کی چیز ہے۔ آپ کی آراء یقیناً بے لاگ ہے' ایڈیٹر کی کوشش ہوتی ہے کہ خطوط میں نام کے ساتھ سختی سے تنقید لگانے سے گریز کرے کہ بہرحال یہ محبتوں کی محفل ہے۔ تنقید برائے تعمیر ہی رہے۔ نادان دوست سے دانا دشمن قابلِ قدر ہے' اس پر میرا یقین ہے' لہٰذا تبصرہ میں قطع و برید کرنے کی وجہ صرف اور صرف دل آزاری کی وجہ سے کی جاتی ہے اور بس......

☒ رضوانہ کوثر' لاہور سے رقم طراز ہیں۔ سلامِ خلوص! مناسب سے سرِ ورق کے ساتھ ماہِ اپریل کا دوشیزہ ملا۔ بھئی واہ' یہ تو موبائل نمبر ہے اور یقیناً اندرونی صفحات پر موبائل کے کارنامے نفع نقصان سمیت موجود ہوں گے۔ اشتہارات کی 17 سیڑھیاں چڑھ کے فہرست پڑھی۔ اگلے قدم پر اداریے کو سراہا۔ منورہ نوری صاحبہ نے زادِ راہ کے لیے بہترین موضوع چنا۔ واقعی انسان کس قدر ناقص العقل مخلوق ہے کہ عارضی زندگی کے لیے ہر شے مستقل چاہتا ہے۔ منزہ کی ڈائری' والدین کی دل سے جڑی محبتوں کے تار چھیڑ دیتی ہے۔ دوشیزہ کی محفل تو محبتوں کی آماجگاہ ہے۔ رخسانہ سہام صاحبہ کی واپسی نے مسرور کیا۔ اللہ انہیں صحت

اُن کا قاصد لے چلا ہے دل مرا
تازہ فرمائش، نئی سوغات ہے

قارئین، مصنفین کے لیے ایک نیا سلسلہ
جو نصف صدی کا قصہ ہے، دو چار برس کی بات نہیں......

یاد کے پچھلے پہر

آپ کی پسندیدہ قلم کار......!

فرزانہ آغا کی تحریر، سلسلے وار ناول کی صورت میں

اگلے ماہ سے......آپ کے پسندیدہ ماہنامہ دوشیزہ کے صفحات پر......!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے رکھے۔ (آمین!) شمع حفیظ! آپ کو محفل میں دیکھ کر دل شاد ہوا اور ارم زہرا کی پھوپھی کی وفات کا پڑھ کر دل ناشاد ہوا۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے۔ ایڈیسن اور فرحت صدیقی کو ایوارڈ مبارک۔ شائستہ عزیز، آپ کی اماں اور گلناز نے تو رنگ جما دیا۔ اب دوشیزہ کے رنگ بھی دوبالا کرو۔ یاسر دلاور، محفل میں خوش آمدید۔ ولشاد نسیم، آپ سے ملاقات (میری اور زمرکی) کے بعد بھی یہی کہوں گی کہ ساتھی کی جدائی بہت بڑا المیہ ہے۔ اللہ پاک آپ کو حوصلے سے نوازے۔ نسیم نیازی کسی پرسنل مصروفیت کی وجہ سے نہ آسکیں ورنہ ہم تینوں نے آنا تھا اور حسنِ اتفاق کہ نگہت نسیم سے بھی ملاقات ہوگئی۔ یہ سب پراثر محبتیں دوشیزہ نے ہی تو ہمیں دی ہیں۔ فلک ٹائمز کے ظہرانے کی تصویریں خوب لگیں۔ اجرا پر بہت مبارک باد۔ پیاری منزہ اور غزالہ! آپ دونوں کو سالگرہ مبارک اور دعاؤں کے لیے فون کیا مگر دونوں سے بات نہ ہوسکی۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ ردا ناصر! آپ نے فرمائش سے پہلے ہی میرے پسندیدہ اداکار فہد مصطفیٰ سے ملاقات کرادی، کمال کردیا۔ زمر نعیم، ارم زہرا اور نگہت اعظمی کے تحریر کردہ ناول، دلچسپی برقرار رکھتے ہوئے گامزن ہیں۔ سلمیٰ یونس کے ناول کی دوسری قسط بھی جاندار رہی۔ رضوانہ عزیز شیخ نے دوشیزہ میں پہلا قدم رکھا اور جما کے رکھا۔ کاشی چوہان نے موبائل نمبر تین سو تیرہ کے ذریعے خوب رشتہ جوڑا۔ شمیم فضلِ خالق، تحریر پہ کیا لکھوں کہ نام ہی کافی ہے۔ صبا نور کی تحریر بھی اچھی رہی۔ حقیقتوں سے روشناس کراتی تحریر، جس میں محمد تقی نے مختصر اور جامع عورت کے دل کے ازلی خالی پن اور ملکیت سے محروم جذبوں کے پرانے موضوع کو نئے لفظوں سے سجایا، مدیحہ عدنان نے خواب اور گھروندے کی صورت۔ زرافشاں فرحین نے اہم موضوع پر لکھا اور رازِ حیات واضح کیا۔ سائرہ ہاشمی کی دھرتی کی باس ہر لحاظ سے خاص رہی۔ رنگِ کائنات م ش خ کی سچی کھری باتوں نے محظوظ کیا۔ مسرت گیلانی نے قرآنی حوالے سے ملکۂ سبا (بلقیس) کے واقعے کو خوبصورتی سے پیش کر کے اسلامی معلومات میں اضافہ کیا۔ یہ بہت اچھا سلسلہ ہے۔ دریچے سے آتی خوشبو میں بسی ہواؤں نے دل و دماغ کو معطر کردیا۔ یہ ہوئی نا بات، بھئی زین العابدین، آپ تو بڑی باغ و بہار شخصیت ہو۔ ذہین ماں کے ذہین بیٹے، بہت خوب۔ کچن کارنر بہو کے حوالے کیا۔ سعدیہ حریم نے "ماں" لکھ کر ماؤں کے دل موہ لیے۔ نفسیاتی کالم، بیوٹی گائیڈ، مسالوں کے فائدے، یہ سب اچھے اور معلوماتی سلسلے ہیں۔ شعری طنز و مزاح خاصا پرلطف رہا۔ دوشیزہ کی تمام شاعری نکھری نکھری تھی۔ ساتھیو.....! یہ تھی ہماری رائے، آپ سب کے لیے میری محبت بھری دعائیں!

رضوانہ کوثر! معذرت کہ فون پر بات نہ ہوسکی، لیکن آپ کی محبتوں کے لیے شکریے کے الفاظ کم ہیں۔

رُوبینہ شاہین، کراچی سے تحریر کرتی ہیں۔ السلام علیکم! خوشیوں کی دعاؤں اور مسرتوں کے پھول لیے حاضر ہوں۔ امید ہے، آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ کافی غیر حاضری کے بعد حاضر ہوں۔ کچھ مصروفیات اور مزاج کی ناہمواری نے محفل سے دور رکھا، اب اس شمارے کی بات کرتے ہیں۔ ابتدائیہ بڑا ہی پراثر لگا اور محفل میں محبتیں تھیں چونکہ دوشیزہ کا یہ شمارہ موبائل نمبر تھا تو کہانیوں کا انداز مختلف تھا۔ زندگی کی کہانی میں شمیم صاحبہ نے بڑی خوبصورتی سے حسن کے پرکھنے کے جو معیار بنائے گئے ہیں، اُن کو بدلنے کی ضرورت ہے، یہی بات مصنفہ کی تحریر کا حسن ہے۔ صبا نور نے دل میں جدائی کے کرب سے ہمکنار ہونے والوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنہری شام

معروف مصنفہ، رضوانہ پرنس کی کتاب

''قربتوں کی دوری'' کی تقریب رونمائی!

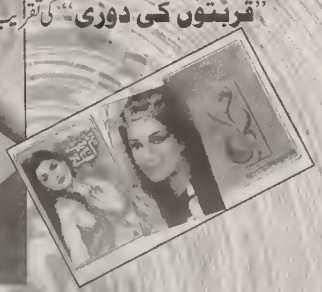

مہمانِ خصوصی دوست محمد فیضی، عدنان صدیقی، موول شنید (ہم ٹی وی)، ماہنامہ پاکیزہ کی مدیرہ انجم انصار اور رضوانہ پرنس

منزہ سہام، غزالہ رشید، شگفتہ شفیق، عدنان صدیقی اور رضوانہ پرنس اپنی کتاب ''قربتوں کی دوری'' کے ساتھ

ماہنامہ دوشیزہ کی چیف ایگزیکٹو رخسانہ سہام مرزا، منزہ سہام (مینجنگ ایڈیٹر ماہنامہ دوشیزہ)، شگفتہ شفیق، رضوانہ پرنس اور غزالہ رشید تقریب کے آغاز سے پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہانی لکھی تھی اور خاص طور پر کہانی کے اختتام پر جو وقت شام میں جدا ہوتے ہوئے پیش کیا ہے‘ وہ بہت اچھا لگا۔ اکثر شام کو یہی لگتا ہے کہ وہ وقت ڈھیر ساری اُن لوگوں کی یادیں میرے دامن میں ڈال دیا جاتا ہے جو جدا ہو چکے ہیں‘ اور وہی یادیں شب بسری کے لیے سامان بن جاتی ہیں۔ محمد تقی کا افسانہ پیار کرنے والوں کی ایک متاثر کن تحریر تھی جو دل کے قریب لگی۔ مدیحہ عدنان کے افسانے کا اگرچہ موضوع پرانا تھا لیکن انداز دلکش تھا‘ اس لیے بہت عمدہ لگی۔ رازِ حیات‘ ہوس کو محبت سمجھنے والوں کی ایک عبرت انگیز کہانی تھی اور اب کاشی صاحب کی تحریر 313 کی بات ہو جائے۔ جناب‘ کہانی ہیرو بھی ایک انار‘ سو بیمار کی مثال کی طرح تھا‘ اور سب سے بڑھ کر شاکری درویش کے کردار میں مجھے‘ من چلے کا سودا کے درویش کا کردار چھپا ہوا لگا۔ خیر‘ بے چارے ہیرو کا پرابلم حل ہو گیا ورنہ وہ تو اتنا نالائق تھا کہ اپنے لیے ایک ساتھی کا انتخاب بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یقین ہے‘ میرا تبصرہ پڑھ کر میرے برادر ضرور مسکرائیں گے کیونکہ یہ میری شرارت ہے۔ کہانی عمدہ رہی اور موبائل نمبر کو بالکل سوٹ کر گئی۔ انتخابِ خاص میں‘ دھرتی کی باتیں بہت اچھی لگیں اور یہ ہوئی نا بات مسکراہٹوں کا خزانہ لگا۔ فہد مصطفیٰ کا انٹرویو اچھا لگا اور ہو سکے تو اے آر وائی کی سیریل‘ قدوسی صاحب کی بیوہ میں ودود احمد کا کردار کرنے والے آرٹسٹ کا بھی انٹرویو کر لیں‘ کافی عمدہ کام کیا ہے اور اب میں کوشش کروں گی کہ ہر ماہ تبصرہ بھیجوں اور یہ دوشیزہ کا شمارہ میں نے 17 اپریل کو خریدا اور یہ تبصرہ رات بھر میں لکھا ہے‘ ضرور جگہ دیجیے گا محفل میں‘ اور آپ کو بہت جلد میری ہنستی مسکراتی شرارت سے پُر تحریر دوشیزہ کے لیے ملے گی۔ آپ کے لیے اور دوشیزہ کے تمام قارئین قلم کاروں اور منتظمین کے لیے دُعائیں!

رُوبینہ شاہین! دیکھ لو‘ تمہارا تبصرہ شاملِ محفل ہے۔ اتنے ذوق و شوق سے دوشیزہ کو پڑھ کر تبصرے کے لیے آپ سب وقت نکالتے ہیں تو بھلا کیوں نا ہم منتظر رہیں گے۔ یہ محفل تم سب کی آمد سے ہی سجتی ہے۔

✉ شمیم ناز صدیقی‘ کراچی سے رقم طراز ہیں۔ امید ہے‘ مزاج پر بہار ہوں گے کیونکہ موسم بہار کا ہے اور جناب‘ ایسے خوبصورت موسم میں انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں جب ہمارے ہاتھ میں دوشیزہ اپریل کا شمارہ موبائل نمبر آیا تو سرورق پر ایک نظر ڈالی‘ پہلی ہی نظر میں بہت زبردست سا لگا۔ فہرست پر نظر ڈالتے‘ آغازِ سفر تک پہنچے۔ منزہ سہام کی اپنے ابو سے باتیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ منزہ‘ آپ کو اور آنٹی رخسانہ اور زین العابدین کو میری طرف سے عمرے کی سعادت حاصل کرنے پر دلی مبارک باد۔ منزہ‘ میں نے زین العابدین کی تصویر دیکھ کر اپنے میاں عثمان احمد کو بتایا۔ ’’اس بچے کو میں نے بہت چھوٹا سا دیکھا تھا جب میں سچی کہانیاں کے ایک فنکشن میں گئی تھی جو دفتر میں ہی ہوا تھا تو منزہ آئیں تو ان کے ساتھ دو پیارے بیٹے دانیال اور زین العابدین تھے اور اب دیکھیے‘ کتنی جلدی ماشاء اللہ‘ کتنے بڑے ہو گئے ہیں۔ اللہ انہیں نظرِ بد سے بچائے اور منزہ کو ان کی ساری خوشیاں دکھائے۔ (آمین!) واقعی وقت پلک جھپکتے گزر جاتا ہے۔ اب ہم آتے ہیں رنگِ فسانہ کے افسانوں کی طرف‘ سب سے پہلے کاشی چوہان کے نمبر تین سو تیرہ‘ مختصر افسانہ بہت ہی پُر اثر لگا اور موبائل کے موضوع پر لکھا اچھوتا سا افسانہ زبردست تھا مگر طاہرہ کا نام کچھ اور اچھا سا ہونا چاہیے تھا۔ بہر حال ونڈرفل تحریر ثابت ہوئی۔ دوسرا افسانہ شمیم فضل خالق کا طویل افسانہ‘ زندگی کہانی نہیں‘ ایک خوبصورت انداز کی تحریر تھی۔ افسانے کی کہانی پر گرفت مضبوط نہیں

سرورق

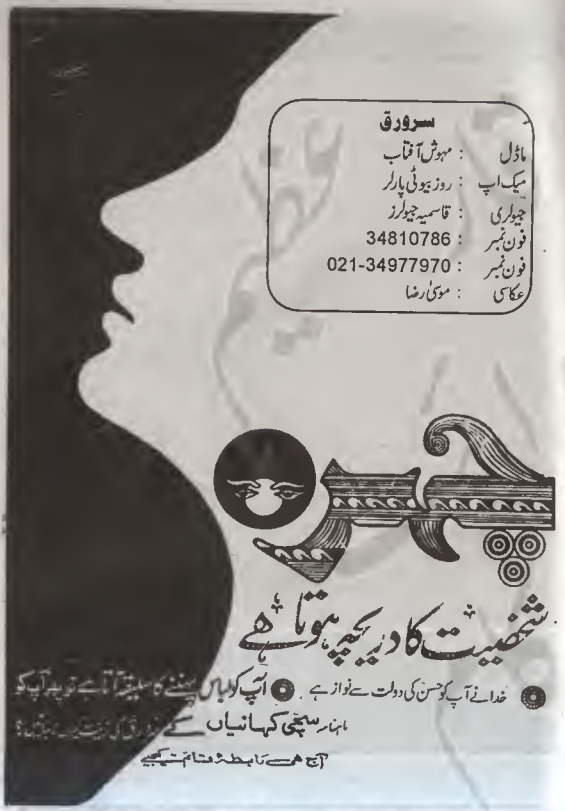

ماڈل : مہوش آفتاب
میک اپ : روز بیوٹی پارلر
جیولری : قاسمیہ جیولرز
فون نمبر : 34810786
فون نمبر : 021-34977970
عکاسی : موسیٰ رضا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت جلد...... دوشیزہ کے صفحات پر زبیدہ آپا سے خصوصی ملاقات

تھی۔ مدیحہ عدنان کی' خواب اور گھروندے' ایک خوبصورت تلخ سی پراثر تحریر تھی کہ عورت اپنا گھر کسے کہے کہ اس کا تو کوئی گھر ہی نہیں ہوتا نہ شادی سے پہلے اور نہ شادی کے بعد۔ محمد تقی کا افسانہ' روشنی کے سائے بھی ہلکا پھلکا افسانہ ثابت ہوا' کچھ خاص نہیں لگا۔ ایک نام میرے دل میں' بہت بہت خوبصورت تحریر تھی' محبت اور چاہت کے موضوع پر صبا نور نے بہت خوب لکھا۔ نگین اور ہمایوں کی جدائی نے دل کو اداس کردیا۔ رازِ حیات' زرافشاں فرحین' ایک خوبصورت اور پراثر افسانہ رنگِ فسانہ کے تمام رنگوں سے خوبصورت اور جگمگاتا ہوا ذہن کو روشن کرتی ایک ایسی تحریر' جس میں سمجھنے والے کے لیے ایک بھرپور پیغام تھا۔ ناولٹ روشن ہوئے راستے' بہت خوبصورت ناولٹ ثابت ہوا۔ کہیں کہیں لگتا تھا کہ ٹریجیڈی ہوگا یا شہزاد ارجمند کو فریب دے گا مگر تمام خدشات غلط ثابت ہوئے اور ارجمند کو منزل مل گئی' یہی ناولٹ کی خوبصورتی تھی۔ رضوانہ عزیز شیخ نے بھی اچھا لکھا۔ انتخاب میں سائرہ ہاشمی' دھرتی کی باس' کے ساتھ جگمگا رہی تھیں۔ سلسلۂ خاص میں دونوں ناول تم میرے ساتھ رہو اور چاند میرا منتظر دونوں ناول بہت خوبصورتی سے آگے بڑھ رہے ہیں اور ارم زہرا کے ناول کا تو عنوان بھی بہت خوبصورت ہے۔ مکمل ناول سلمٰی یونس کی دوسری قسط بھی زبردست رہی اور اب تیسری اور آخری قسط کا انتظار ہے کہ دیکھیں گے پاکیزہ کے ساتھ آگے کیا ہوتا ہے؟ نگہت اعظمی کی تو میں فین ہوں' ان کا ناول' ہر اشک اک ستارہ خوبصورت عنوان کے ساتھ بھی پسند آرہا ہے اور آگے تک جانے سے پہلے واپس آتے ہیں دوشیزہ کی محفل کی طرف' جہاں آپ خلوص اور چاہت کی محفل سجائے قارئین رائٹرز سے سرگوشیاں بھی کررہی ہیں اور ان کی بھی سن رہی ہیں۔ شمع حفیظ بہت دنوں بعد بھرپور تبصرہ کے ساتھ آئیں۔ شمع' ہمیں تمہارا افسانہ ڈھکوسلہ' بہت پسند آیا تھا۔ فریدہ مسرور اس بار پھر بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضر تھیں مگر یہ کیا فریدہ جی' نہ کوئی افسانہ نہ ہی ٹی وی کے لیے کوئی ڈرامہ' ہم نے کچھ اور آپ کا دیکھا نہیں' آپ ہمیں بہت یاد آتی ہیں۔ ایڈیسن ادریس مسیح' تم کو محفل میں دیکھ کر اچھا لگا۔ اب تم بہتر ہو۔ شکر ہے اللہ کا۔ دُعا ہے' اللہ تعالیٰ تم کو مکمل صحت عطا فرمائے۔ (آمین!) فرحت صدیقی' آپ کو ریت کا گھر پر ایوارڈ ملنے کی دل سے مبارک باد۔ نسیم نیازی بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضر تھیں۔ صبیحہ شاہ' شگفتہ شفیق' نگہت غفار آپا' زمر نعیم' فرحت صدیقی' سنبل' عقیلہ حق' آپ سب کے تبصرے بھی خوب تھے اور محفل میں جگمگا رہے تھے۔ رخسانہ آنٹی اور منزہ سہام مرزا کو فلک ٹائمز نکالنے پر میری اور میرے شوہر عثمان احمد کی طرف سے دلی مبارک باد۔ دلشاد نسیم کے شوہر کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبرِ جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کی مغفرت۔ فہد مصطفیٰ' کچھ کہی' کچھ اَن کہی میں کوئی خاص مزا نہیں آیا۔ غزالہ جی' آپ کا اداریہ ہمیشہ کی طرح پسند آیا۔ یہ ہوئی نا بات' سوال آپ کے' یہ سلسلہ بھی خوب ہے۔ شائستہ قیصر' کا سوال شعر میں اور جواب زین کا نہلے پہ دہلا ثابت ہوا' مزا آگیا۔ نئے لہجے نئی آوازیں' یوں نئے لہجے کی تمام آوازیں اچھی لگیں مگر خاص کر فرحت جمال کی۔ اب بھی باقی ہے' بہت اچھی لگی۔ باقی مستقل سلسلے بھی ٹھیک ٹھاک رہے' اور سب سے آخر میں ہم پہنچے کچن کارنر' واہ مزا آگیا۔ سب سے پہلے تو گرین اسپائسی بریانی نے

ب مزا دیا اور پھر رنگین سویاں اور اس گرمی کے موسم میں کریمی کولڈ کافی بھی خوب۔ غزالہ جی' تبصرہ تو ل ہوا' اب کچھ خاص بات' وہ یہ کہ اس خط کے ساتھ ایک ناولٹ یا افسانہ جو بھی سمجھ لیں' ارسال کررہی وں۔ امید کرتی ہوں' پسند آئے گا۔

شمیم ناز صدیقی صاحبہ! آپ کو بہت بہت مبارک ہو کتاب کی اشاعت اور آپ کی آمد بھی بہت ہی لگی۔ اپنا خیال رکھیے گا۔ تحریر مل گئی ہے۔

✉ فرحت صدیقی' فیصل آباد سے تحریر کرتی ہیں۔ السلام علیکم! اپریل کا دوشیزہ بھی 13 اپریل کو ملا۔ ہواؤں کی طرح کھلتے مہکتے اشتہاروں سے تو کہاں ہے تک پہنچے۔ غزالہ جی' دوست کی دوستی تو روشنی کی طرح ہے جو دل میں چھپے درد کو کم کرتی ہے' بالکل اس طرح جس طرح کتاب کے حروف بے سکونی کو سکون میں تبدیل کردیتے ہیں۔ وقت کا کیا ہے' ایک لمحہ ہو یا ایک صدی' صرف اپنا ہونا چاہیے' بس زادِ راہ ہمیشہ کی طرح منورہ نوری صاحبہ نے دین اور دنیا کی پہچان کی روشنی دی ہے۔ کاش کہ یہ لفظ ہمیشہ کے لیے سب کے لیے روشنی بن سکے۔ منزہ سہام کی ابو سے باتیں اچھی لگتی ہیں۔ بچے واقعی ہی بڑے ہوگئے ہیں۔ ہمیں اب سمجھ لینا چاہیے۔ دوشیزہ کی محفل میں جب ریت کے گھر کو تقریباً ہر خط میں پڑھا تو دل کو بہت اچھا لگا' لیکن جب یہ پڑھا کہ یہ کہانی ایوارڈ کی مستحق ٹھہرائی گئی ہے تو یقین کیجیے' دل کو بے حد اچھا لگا۔ آپ سب کی چاہت اور محبت کا دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ آپ نے ماں بیٹی کے دکھ کو اپنا سمجھا۔ اسی رات کو 8 بجے اللہ تعالیٰ نے مجھے چاند جیسی پوتی کی دادی بنادیا' ہنی اور سندس کی بیٹی' دادی کا نشہ بھی الگ سا ہوتا ہے اور نی کا بھی کم نہیں ہوتا۔ ایک دن میں دو دو خوشیاں۔ اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مت سے نوازا۔ نازک سی پری' دل کو بھلی لگتی ہے۔ دُعا کیجیے گا' اللہ تعالیٰ اس کو صحت' زندگی' تندرستی' علم اور ں باپ کے ہمیشہ سائے میں پروان چڑھائے۔ (آمین! ثم آمین!) اس کا مقدر اور نصیب گلاب کے پھول جیسا ہو۔ (آمین!) خوبصورت ستاروں سی سجی فلک ٹائمز کی تصاویر بہت پسند آئیں۔ منزہ سہام تو ے خود 19 سال کی نظر آئی ہے۔ ماشاء اللہ' اللہ نظرِ بد سے بچائے۔ (آمین!) سلمٰی یونس کا ناول چور ردازے کی دوسری قسط بھی شاندار تھی۔ اب تیسری کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قسط وار کہانیاں پڑھ لیتی وں۔ بہت اچھی ہوتی ہیں مگر ان کا ادھورا پن اچھا نہیں لگتا۔ باقی آئندہ ماہ...... اب کون جانے' آئندہ ماہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کس کے لیے آتا ہے؟اس لیے پہلے ساری مکمل کہانیاں ہی پڑھتی ہوں۔ ننھی گڑیا کی آمد سے گھر میں رونق ہوگئی کہ ابھی باقی دوشیزہ پڑھ نہیں سکی۔ انشاءاللہ پہلی فرصت میں ضرور پڑھ لوں گی۔ عنبر ایک دن لیے کل بچوں کے ساتھ آئی تھی' آج واپس چلی گئی۔ پھوپھو بننے کا اپنا رنگ تھا اس کے چہرے پر مگر آنکھ کی اداسیاں بہت ہی گہری تھیں۔ بچے بھی اداس ہی تھے۔ عریشہ کے کل سے ٹیسٹ تھے ورنہ شاید کچھ رک ہی جاتی۔ گڑیا اور بھابھی آئی ہوئی تھیں' اُن تینوں کے بچوں نے مل کر خوب اودھم مچایا۔ بہت تھی۔ آج شام کو خاموشی ہوگئی ہے' عارضی خاموشی ہے۔ انشاءاللہ' جلد ہی سُندس ہماری گڑیا کو لے کر ای کے گھر سے ہمارے گھر میں رونق لگانے آجائے گی' انشاءاللہ! میری طرف سے سارے اسٹاف کو بہت آداب! یہ خط بھی تین قسطوں میں پورا کیا ہے۔ ہاں' میری دو نظموں کا کیا بنا؟ جشنِ بہاراں...... افراد؟

✍ فرحت صدیقی صاحبہ! آپ کی محبتوں کا بہت شکریہ اور سوالوں کے جواب جو نظموں سے متعلق جلد ہی منظر پر آجائیں گے۔

✉ غزل قریشی' ہری پور ہزارہ سے تحریر کرتی ہیں۔ السلامُ علیکم! دُعا ہے کہ آپ تمام ممبرانِ دوشیزہ خوش رہیں' آباد رہیں۔ میری غیر حاضری اور مسلسل خاموشی کے باوجود آپ کا مجھے یاد رکھنا' میرے لیے اعزاز سے کم نہیں' میں کچھ عرصے سے لاتعلق ضرور سہی مگر آپ کی مہربانی سے ہر خبر سے باخبر رہتی ہوں منزہ' آپی کو عمرے کے علاوہ روز بہ روز دوشیزہ کی اتنی پذیرائی' ترقی اور دن بہ دن بہتر سے بہتر بنانے مبارک باد قبول ہو مع فلک ٹائمز کے اجرا کے۔ میری ڈھیر ساری تحاریر تو آپ بھلا چکے مگر مجھے امید کالا جادو اور بیڈ ٹائم میرا اپنا ٹائم نہیں بھلائیں گے۔

✍ غزل قریشی......! کیسی ہو؟ بہت دنوں بعد یاد آئی۔ آپ کا افسانہ میرے ریکارڈ میں فی الحال تو نہیں آیا پھر بھی ڈھونڈوں گی' مل گیا تو وعدہ کہ ضائع نہیں ہوگا اور نہ ملا تو پیشگی معذرت۔ بس اب دو غائب نہ ہوجانا۔

✉ عقیلہ حق' کراچی سے تحریر کرتی ہیں۔ اس دفعہ رسالہ کافی تاخیر سے ملا تو تبصرہ میں بھی تاخیر ہو لیکن اتنی تاخیر نہ ہوتی جو میں بیمار نہ ہوتی۔ شدید بخار نے کئی دن بستر سے اٹھنے کی مہلت ہی نہ دی لیکن کا شکر ہے' اب موسم سازگار ہے' طبیعت بہتر ہے۔ سلمیٰ یونس' چور دروازے بہت اچھا لکھ رہی ہیں سلمیٰ......! میری طرف سے مبارک باد وصول کریں۔ غزالہ......! آپ کا اداریہ پڑھا' آپ نے لکھا' واقعی بعض اوقات وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور ہم کچھ کر بھی نہیں پاتے۔

منورہ نوری صاحبہ کے زادِ راہ کا کیا ذکر کروں' شاید ہوسکتا ہے' یہ اور دوسری رائٹرز کا بھی المیہ ہو کہ میرے میاں نے آج تک میری لکھی شاید ایک لائن بھی نہیں پڑھی (سمجھداری کی انتہا ہے نا) لیکن وہ زادِ راہ مسرت گیلانی صاحبہ کی تحریریں بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ کیا خیال ہے' میں اپنا نام نہ بدل لوں؟ آپ کی ڈائری پڑھی تو سوچا' آپ سے ایک بات شیئر کروں' ابھی کچھ ہی عرصے پہلے کی بات ہے' میں سے کہتی تھی کہ تم اپنے کمرے میں سویا کرو تو وہ کہتے تھے۔ ''نہیں ممی......! مجھے آپ سے لپٹ کر سونا اچھا ہے۔'' ابھی وہ صرف 9 سال کے ہوئے ہیں' میں اُن کے کمرے میں جاؤں تو اکیلے اپنے ٹیڈی بیئر

بے خبر سو رہے ہوتے ہیں اور جو آنکھ کھل جائے تو معصومیت سے پوچھتے ہیں۔ ''مما......! کیا آپ کو ڈر لگ رہا ہے جو آپ میرے کمرے میں آگئیں؟ آئیں میرے پاس سو جائیں۔'' وقت کتنی تیزی سے ویسے ایک بات بتاؤں میرے بچے' حالات کے لحاظ سے میرے نام بدلتے رہتے ہیں' کبھی ممی' کبھی ای' کبھی اماں اور کبھی ڈاکٹر عقیلہ حق بھی کہتے ہیں اور جب ڈاکٹر کہتے ہیں تو جھوٹ موٹ کے بیمار جاتے ہیں اور سیرپ کی جگہ مرنڈا پیتے ہیں۔ بچے واقعی جلدی بڑے ہوجاتے ہیں۔ منزہ صاحبہ' آپ کو' انہ آنٹی کو' سب کو میری طرف سے فلک ٹائمز کی اشاعت پر دلی مبارک باد۔ اللہ آپ کو اس میدان میں شاندار کامیابیوں سے نوازے۔ (آمین!) ارم زہرا کو' اُن کی پھوپھی کے انتقال پر میری طرف سے تعزیت قبول ہو۔ اللہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہاں ارم' آپ بہت خوبصورت ناول لکھ ہو۔ اللہ کرے' زورِ قلم اور زیادہ ہو...... ڈیئر نسیم نیازی' اللہ تم کو خوش رکھے ہر اُس خوشی سے نوازے جس تمہارے دل نے آرزو کی۔ آپ کو میرے خطوط پسند ہیں' بس میرے لیے یہ اعزاز ہی کافی ہے۔ میں تو بھی نہیں ہوں لیکن آپ لوگوں کی محبتیں مجھے کہاں لیے جارہی ہیں؟ پلٹ کر دیکھتی ہوں تو بس دیکھتی ہی جاتی ہوں' جب پلٹ کر دیکھتی ہوں تو میرا ''چھوٹا سا بھائی'' کاشی ہاتھ میں کتاب لیے کھڑا نظر آتا ہے ہر ایک کو کتاب پیش کرتا ہے اور جب میری باری آتی ہے' ہائے' میری باری آتی ہے تو...... روزنامہ فلک ٹائمز کا ظہرانہ بمعہ تصاویر شریک ہوئے' اچھا لگا۔ فہد مصطفٰے سے بات چیت اچھی لگی۔ ویسے بھی یہ ٹیلنٹڈ لڑکا بہت اچھا لگتا ہے۔ زمر نعیم کا ناول اچھا جارہا ہے' خوش رہیے زمر نعیم......! رضوانہ عزیز صاحبہ نے ایک رائٹر ہونے کے باوجود بہت اچھا لکھا۔ میرے خیال سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔ کاشی ہان کا نمبر 313 پڑھا تو سوچا' ایسا بھی ہوتا ہے زمانے میں؟ اچھا لگا' منفرد ٹاپک' منفرد انداز' شاباش بچے''......! کل ملنا عبداللہ شاہ غازیؒ کے مزار پر۔ (ہاہ...... ہاہ...... ہاہ......) زبردست کاشی......! شمیم ل خالق کی کہانی ذرا درمیانے درجے کی رہی۔ میں اُن کی بہت بڑی فین ہوں' لیکن نہ جانے کیوں یہ ن کا افسانہ نہیں لگا۔ باقی سارے ہی افسانے اچھے تھے' افسانوں پر تفصیلی تبصرہ ادھار رہا کیونکہ اس وقت میں یہ تبصرہ مکمل کرنے بیٹھی ہوں تو مجھے 102 بخار ہے۔ ایسا نہ ہو کہ لکھنا کچھ چاہوں اور لکھ دوں ... ہاں' یہ ضرور ہے' رسالہ پورا پڑھا۔ دیکھیے' بخار میں کیسے کیسے نادر خیالات میرے ذہن میں آرہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ میری ایک رائے ہے منزہ صاحبہ کے لیے جیسے نئے لہجے نئی آوازیں میں سب ہی شاعری زبردست ہوتی ہے' کیا خیال ہے' ہر ماہ کسی ایک نئے شاعر کو منتخب کر کے ادارے کی طرف سے تعریفی خط روانہ جائے' کسی ایک تبصرے کو بھی اعزازی خط سے نوازا جائے' کسی ایک سوال پر اعزازی خط بھیجا جائے میرے خیال سے اس فرسٹریٹڈ' پریشان سوسائٹی کے شکست خوردہ' تھکے ہوئے لوگ تر و تازہ ہوں گے ہمارے لوگوں کو اُن کے شولڈرز پر ہماری شفقت بھری حوصلہ افزا تھپک کی ضرورت ہے' ہے نا۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ رخسانہ آنٹی کی خدمت میں باادب سلام۔ ناصر بھائی اور کاشی کو بہت سلام۔ منزہ صاحبہ غزالہ صاحبہ کے لیے بہت ساری نیک تمنائیں۔

عقیلہ حق صاحبہ! ہم سب واقعی آپ کے مشوروں پر غور کر رہے ہیں۔ جلد ہی اس سلسلے میں ایک کمیٹی بھی بنائی جائے گی جس کا ظہرانہ آپ کی طرف سے ہوگا۔ کتنا اچھا لگے گا اور واقعی تجویز اچھی ہے۔ نئے آئیڈیاز کے ساتھ یہ ملاقات کا اہتمام' ہے ناں؟

محفل کو سمیٹ رہی تھی کہ رضوانہ پرنس کا لندن' روانگی سے قبل فون آ گیا اور انہوں نے کہا ہماری کتاب قربتوں کی دوری کی تقریب رونمائی میں تم سب کی شرکت نے ہمارا مان بڑھا دیا اور یقین ہو گیا کہ دوستی اور محبت کسی کی میراث نہیں' یہ تو نبھانے والے رشتے ہیں جو کہ وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ منزہ سہام اور رخسانہ سہام کی آمد نے نا صرف اس تقریب کو رونق بخشی بلکہ روسٹرم پر آ کر میرے لیے جو محبت بھرے جملے ادا کیے' اس کے لیے ہم خاص طور پر شکر گزار ہیں۔ دوستو.....! تم ہمارا مان ہو' ہمارے لیے ہمیشہ ایسے ہی محبتوں کے پھول رکھنا۔ شکریہ کہ اس ادارے کی ہماری صلاحیتوں کا اعتراف کیا' ہر لمحے' ہر پلیٹ فارم پر اور خدا کرے کہ یہ کارواں یوں ہی کامیابی سے چلتا رہے۔

رضوانہ پرنس' تمہاری محبتوں کے لیے بہت شکریہ اور ہاں' یاد رکھنا کہ دوستی میں انا نہیں ہوتی اسی لیے کبھی کبھی رشتوں سے زیادہ پیاری لگنے لگتی ہے۔

یہ تو تھے آپ سب کے خطوط' تبصرے' شکایتیں' محبتیں۔ دُعاؤں میں یاد رکھیے گا کہ آپ سب کے خیر و عافیت کی دُعا کے ساتھ میں آپ کے ساتھ اس کارواں میں شامل ہوں اشفاق احمد کی خوبصورت کے ساتھ جب انہوں نے کہا۔ ''اے پیارے مزدورو! کسانو.....! اَن پڑھ لوگو.....! خدا کے واسطے' یہ مت کہا کرو کہ بڑے لوگ نماز پڑھیں گے تو ہم پڑھیں گے۔ نماز تو تمہاری اپنی ہے بابا! اچھا ہونا تمہارے اپنے میں ہے' دوسروں کے اچھے برے کی شرط کیسی!!

اب اجازت دیجیے

آپ کی ساتھی' آپ کی دوست

غزالہ رشید

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باتیں ملاقاتیں

روزنامہ آفتاب کے مدیر اعلیٰ اے پی این ایس کے سینئر ممبر ایگزیکٹو کمیٹی، سی پی این ای کمیٹی کے چیئرمین ممتاز طاہر صاحب سے .....

ملتان' لاہور' کراچی سے بیک وقت شائع ہونے والے کثیرالاشاعت اخبار کے چیف ایڈیٹر اے پی این ایس کے سینئر ممبر ایگزیکٹو کمیٹی' سی پی این ای کمیٹی کے Monthly Women Times کے چیف ایگزیکٹو جناب ممتاز طاہر صاحب کی صحافتی زندگی اور طویل سفر کی جھلکیاں' اُن کے تجربات و مشاہدات آپ کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اس ملاقات کا احوال......!

روزنامہ آفتاب کے چیف ایڈیٹر ممتاز طاہر صاحب' اے پی این ایس کے انتخابات کے سلسلے میں گزشتہ دنوں کراچی تشریف لائے تو، ماہنامہ دوشیزہ کے مالی سہام مرزا کی دیرینہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے تو ہم نے سوچا' کیوں نا اُن کی زندگی اور صحافتی سفر کی کچھ باتیں' کچھ یادیں اپنے قارئین تک پہنچائی جائیں۔

اُن سے فون پر ملاقات کے سلسلے میں رابطہ کیا تو اُن کے شفیق اندازِ تخاطب نے راستے آسان کردیے۔ صحافی اگر منکر بھی ہو تو ذہن و دل کے جھروکے سے آتی روشنی کی شعاعیں قوموں کے مستقبل سنوار دیتی ہیں اور پھر 21 اپریل 2012ء کی سہ پہر روشن چہرے اور دھیمی مسکراہٹ سے ممتاز طاہر صاحب ہمارے دفتر تشریف لائے تو اُن کی شخصیت کا تاثر اُن سے مل کر کچھ ایسا تھا کہ علامہ اقبالؒ کا شعر آج بھی سماعتوں میں گونج رہا ہے کہ......

جو بھروسہ تھا' اسے قوتِ بازو پر تھا
ہے تمہیں موت کا ڈر' اُس کو خدا کا ڈر تھا

ممتاز طاہر صاحب نے گفتگو کا آغاز کچھ اس طرح کیا۔ ''میں اپنی میزبان' رخسانہ سہام مرزا صاحبہ اور منزہ سہام صاحبہ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔ یہ ایک نہایت خوش آیند قدم ہے کہ پرنٹ میڈیا کے افراد ایک دوسرے سے ملنے کا اہتمام کریں' ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں شریک ہوں۔ ہمارا تعلق برسوں پر محیط ہے' چند دنوں کی بات نہیں ہے۔ باہمی رابطے ہوں' ایک دوسرے کو کامیابی پر مبارک باد دی جائے' ملاقاتیں صرف All Pakistan Newspapers Society (APNS) کے اجلاس تک نہ ہوں بلکہ مسائل کے حل کے سلسلے میں بھی ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔ مسائل کو سنجیدگی سے سمجھنے کی آج کل کے دور میں اشد ضرورت ہے کیونکہ پرنٹ میڈیا کے افراد مشن کے ساتھ ساتھ' اب نہایت تیزی سے' جوش وخروش سے اپنا کام تو کررہے ہیں لیکن ترقی کی اس تیز رفتار دوڑ میں' اگر محنت کے ساتھ ساتھ آنے والے چیلنجز کا مقابلہ نہ کیا گیا تو حرکت تیز تر ہونے کے باوجود سفر آہستہ روی کا شکار ہوجائے گا۔

☆ صحافتی دنیا میں سفر کا آغاز کب سے ہوا؟

☐ میں نے اپنے صحافتی سفر کا آغاز روزنامہ نوائے وقت سے کیا اور پھر سفر در سفر کے مصداق' چلتے چلتے میں نے خود اپنا اخبار نکالنے کا فیصلہ کیا۔ یوں روزنامہ آفتاب کی اشاعت کا آغاز کیا' اور اللہ کا احسان ہے کہ آج چار دہائیوں سے یہ اخبار نا صرف ملتان بلکہ لاہور اور کراچی سے بھی باقاعدہ شائع ہورہا ہے' اور یہ ایک کثیرالاشاعت اخبار ہے' جس کے خاص ایڈیشن میں ہم رنگین صفحات بھی دیتے ہیں۔ APNS (آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی) میں بھی میر خلیل الرحمان کے دور سے میں نا صرف ایگزیکٹو ممبر بھی رہا بلکہ نہایت فعال انداز میں اخبارات کی ترقی کے ساتھ ساتھ' مسائل کے حل کے لیے بھی نمایاں حیثیت سے کام بھی کرتا رہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ مسائل کے حل کے لیے جدوجہد اور جذبہ آج بھی اسی طرح قائم ہے۔

APNS (آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی) کو جرائد کے مسائل کے حل کے لیے بھی سنجیدگی سے کوشش کرنی چاہیے

☆ صحافتی سفر کے ساتھ ساتھ' زندگی میں ہم سفر کا انتخاب کب کیا؟

☐ ممتاز طاہر صاحب دھیمے سے انداز میں مسکرائے اور بتایا۔ صحافتی سفر ہی کے دوران یعنی جب میں نوائے وقت میں ہی تھا تو والدین کی پسند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور خواہش کے تحت 1969ء میں میری شادی کزن سے ہوئی اور الحمدللہ وہی آج بھی میری ہم سفر ہیں اور اب تو خیر سے ہمارے بچے بھی شادی شدہ ہیں۔

صحافتی میدان میں عملی طور پر فیملی ممبرز میں سے کون آپ کے ساتھ ہے؟

□ جی بالکل درست فرمایا آپ نے، فیملی کی سپورٹ کے بغیر تو کچھ بھی، کوئی کام بھی ممکن نہیں اسی لیے میرے دو صاحب زادے اسد ممتاز اور محسن ممتاز میرے ساتھ اخبار اور میگزین کی ادارت میں شامل ہیں اور جو بچے امریکہ میں ہیں اُن سے ملاقات کے لیے آنا جانا رہتا ہے۔ صاحب زادی بھی کیونکہ امریکہ میں ہی ہیں لہٰذا آپ سمجھ سکتی ہیں کہ اس کی وجہ سے امریکہ کی سرد ہوا بھی اچھی لگتی ہے اور ماحول بھی......!

ملتان میں بچوں کی تعلیم کے حصول کے سلسلے میں دشواریاں پیش آئیں؟

□ جی، ظاہر ہے کہ وہاں کراچی اور لاہور جیسی سہولتیں تو میسر نہیں ہیں، لیکن میرے ایک صاحب زادے نے بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی ہے اور وہیں پروفیسر بھی رہے۔

خواتین کی تعلیم کے سلسلے میں آپ کا نظریہ کیا ہے؟

□ اپنی بچی کے تعلیمی کے سلسلے کے دوران میں، ہم نے کچھ عرصے ملتان سے دوری بھی برداشت کی کیونکہ میری خواہش تھی کہ وہ تعلیم ضرور حاصل کرے۔ اپنے جاپان کے دورے کی ایک خوبصورت یاد آپ سے اور آپ کے قارئین سے بھی شیئر کرنا چاہوں گا کہ جاپان کے ایک دورے کے موقع پر، وہاں کی ایک بات نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ جب انہوں نے بتایا کہ جاپان نے ہیروشیما اور ناگاساکی کی تباہی کے بعد ایک بار پھر ہمت کر کے خود کو ترقی کے راستے پر گامزن کرنا چاہا، اور پھر اس کے لیے اپنے دانش وروں سے مشاورت کی تو ایک بے حد اہم فیصلہ یہ کیا گیا کہ اگر ترقی حاصل کرنی ہے تو لازمی طور پر خواتین کو تعلیم دی جائے، اور یہ ہی بات قرآن حکیم کے ترجمے اور احادیث سے بھی معلوم ہوئی کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے بھی خاص طور پر علم کے حصول کے سلسلے میں بار بار یہ تاکید بھی کی ہے کہ علم حاصل کرو، خواہ اس کے لیے چین ہی جانا پڑ جائے۔ (یعنی سفر وسیلۂ ظفر ہے۔)

روزنامہ آفتاب کے چیف ایڈیٹر ممتاز طاہر صاحب، گفتگو کے دوران

الیکٹرونک میڈیا کی تیز رفتاری کی وجہ سے پرنٹ میڈیا کو آپ کس مقام پر دیکھتے ہیں جبکہ پڑھنے لکھنے کا رجحان بھی کم ہو گیا ہے؟

□ فرق تو پڑتا ہے، لیکن ہمیں بھی اپنے انداز میں کچھ مثبت تبدیلیاں لانی ہوں گی۔ کسی بھی سفر کو رکنا نہیں چاہیے۔ ان ہی تبدیلیٔ حالات کے پیشِ نظر، ہم نے سرائیکی زبان میں روزنامہ کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے، اور بزنس سے متعلق بھی اخبار کی اشاعت کا ارادہ ہے۔ وقت کی تیز رفتاری کو دیکھتے ہوئے ایک انگریزی میگزین Women Times کے نام سے بھی شائع ہو رہا ہے، جس میں فیشن کے صفحات کے ساتھ ساتھ سماجی آگہی

چیف ایڈیٹر روزنامہ آفتاب ممتاز طاہر صاحب اپنی زندگی کے تجربات و مشاہدات بتاتے ہوئے

کے موضوعات پر مضامین بھی شامل ہیں۔ خواتین کی صلاحیتوں کا اعتراف اور ان کو سراہے جانے کی بھی ہماری کوشش ہے کیونکہ خواتین اب ہر شعبے میں محنت اور لگن سے کام کرتی نظر آتی ہیں۔

کراچی کے بڑھتے ہوئے مسائل کو دیکھتے ہیں تو کیا محسوس کرتے ہیں؟

□ کراچی میٹروپولیٹن شہر ہے، لاکھوں افراد کے روزگار کا سلسلہ ایک عرصے سے اس شہر سے وابستہ ہے، غریب پرور ہے، لیکن بے حد افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ گزشتہ کئی سالوں سے دہشت گردی کی زد میں ہے۔ یہ سب دیکھ کر بے حد دکھ ہوتا ہے کہ اس روشنیوں کے شہر کو کس کی نظر کھا گئی ہے؟ جہاں کی اداسی دیکھ کر وہ رونقیں بہت سے اچھے دنوں کی یاد دلاتی ہیں، خاص طور پر جب میر خلیل الرحمان حیات تھے۔ آپ اور سہام مرزا بھی اے پی این ایس کے اجلاس اور پروگرامز میں شریک ہوتے تھے، خاص طور پر پہلا کنونشن جو میر خلیل الرحمان کے دور میں ہوا تھا، میں ہر لمحہ اُن کے ساتھ ساتھ رہا۔ (بہت سے یادگار دن، رخسانہ سہام مرزا کی مسکراہٹ کو اداسی میں تبدیل کر رہے تھے۔) اور پھر دوسرا کنونشن 30 اپریل 2011ء کو آواری میں ہوا۔ ایک طویل عرصے یعنی 24 سال بعد، اور اسی دوران CPNE کا کل پاکستان ریجنل پریس کنونشن بھی ہوا۔ فنڈز کا بھی اعلان ہوا اور آج بھی CPNE کے لیے میری کوششیں جاری ہیں کہ علاقائی اخبارات کو بھی اہمیت ملنی چاہیے۔ ان کے مسائل کو بھی یقینی طور پر حل ہونا چاہیے۔

> دہشت گردی اور کرپشن سے زیادہ، سہل پسندی، تشدد اور قوتِ برداشت کی کمی نے ہی ہمارے ملک، پاکستان کو زیادہ نقصان پہنچایا ہے

رسائل و جرائد ایک عرصے سے APNS کے ساتھ ہیں، کیا وجہ ہے کہ جرائد کے مسائل پر اس طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی بھی ملک کی ترقی کا دارومدار خواتین کی تعلیم وتربیت سے ہے

توجہ نہیں دی جاتی؟ رخسانہ سہام مرزا نے سوال کیا۔

◻ جی بالکل درست فرمایا آپ نے میں خود بھی اس بات کے حق میں ہوں۔ بار بار احتجاج بھی ریکارڈ کرایا جاتا ہے کہ علاقائی اخبارات' رسائل و جرائد کو بدلتے حالات کی وجہ سے جن مسائل کا سامنا ہے' ان کو سنجیدگی سے لیا جانا چاہیے۔ امید تو ہے کہ ان مسائل کے حل کی بھی کوشش کی جائے گی' اور اس سلسلے کے تحت عملی طور پر بھی کام ہونا چاہیے' جس طرح Daily Dawn کے حمید ہارون' روزنامہ جنگ کے سرمد علی جو کہ اے پی این ایس کے صدر بھی ہیں' ان کی مسلسل کاوشوں اور کوششوں سے اے پی این ایس ہاؤس تعمیر ہوا ہے۔ اسی طرح علاقائی اخبارات اور جرائد کے مسائل کے حل کو بھی سنجیدگی سے سمجھنے اور حل کرنے کی ضرورت ہے۔

✎ پرنٹ میڈیا میں خواتین کی کارکردگی کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ونظریات ہیں؟ منزہ سہام نے پوچھا۔

◻ مخصوص دھیمی پرشفیق مسکراہٹ کے ساتھ ممتاز طاہر صاحب نے کہا۔ میں تو خاصا پرامید ہوں۔ آپ کو بھی اس سلسلے میں ہمت سے کام لینا چاہیے۔ خواتین ہر شعبے میں ماشاءاللہ' بے حد کامیابی سے آگے بڑھ رہی ہیں' عزت ووقار کے ساتھ کام کر رہی ہیں' لیکن اس سلسلے کے تحت مزید محنت اور مشقت کی ضرورت ہے کیونکہ بہت سے مسائل کے حل کی کوشش نہیں کی جاتی' انہیں پسِ پشت ڈال دیا ہے کیونکہ خواتین ممبرز کی تعداد محدود ہے' لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ پرنٹ میڈیا نہایت مثبت انداز کے ساتھ خواتین میں تعلیم کی آگہی دے رہا ہے۔

✎ آج کے نوجوانوں کے لیے کوئی پیغام؟

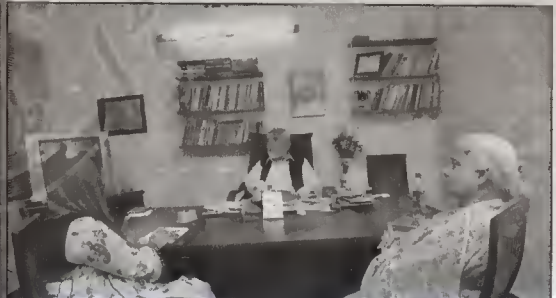

◻ محنت اور جہدِ مسلسل' کامیابی کی کنجی ہے۔ میں نے بھی اپنا سفر روزنامہ نوائے وقت' کے ساتھ شروع کیا تھا۔ آج بھی اسی محنت سے کام کر رہا ہوں گو کہ اب اپنے

رخسانہ سہام مرزا (چیف ایگزیکٹو، ماہنامہ دوشیزہ)، غزالہ رشید (ایڈیٹر ماہنامہ دوشیزہ) اور ممتاز طاہر صاحب

ممتاز طاہر صاحب اور غزالہ رشید ملاقات کے دوران

اخبارات' میگزین ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے ترجمے پر خصوصی توجہ دے کے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں تو وقت کے ضائع ہونے کا شدت سے افسوس ہوتا ہے کہ اے کاش...... میں نے پہلے' بہت پہلے اسے پڑھا' جانا اور سمجھا ہوتا تو اپنے نوجوانوں سے یہ ہی کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن حکیم کا ترجمہ ضرور پڑھیں' سمجھیں کیونکہ اب ملک کا مستقبل اُن کے ہاتھوں میں ہے۔ کمپیوٹر کا دور ہے' آج ہر شے بڑی آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے لیکن دہشت گردی' کرپشن کے ساتھ ساتھ سہل پسندی نے ہمارے ملک کو بہت شدید نقصان پہنچایا ہے اور اسی وجہ سے غربت' بے روزگاری اور تشدد جیسے مسائل میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ نوجوان اپنے اندر قوتِ برداشت پیدا کریں۔ انشاءاللہ' ضرور ترقی کریں گے۔

✎ کوئی اور خاص بات جو آپ ہمارے قارئین دوشیزہ تک پہنچانا چاہتے ہوں؟

◻ ہاں' ایک بات جو میری زندگی میں بے حد اہمیت رکھتی ہے کہ میرے ساتھی' میرے کارکنان میری فیملی کی طرح ہیں' خیال بھی رکھنے کی بھرپور کوشش کرتا ہوں۔ اس سلسلے میں ایک بات یاد آ گئی کہ میرے بیٹے کو ایک دن خاصا تیز بخار ہو گیا تھا اتنا کہ میری مسز بھی پریشان ہو گئیں' خاص طور پر مجھ سے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔ ''یاد کریں کہ آفس میں آپ نے کسی سے کوئی زیادتی تو نہیں کی؟''

اُن کی سادگی سے کہی ہوئی بات پر بے اختیار ایک شعر یاد آ گیا۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر
خدا مہربان ہوگا عرشِ بریں پر

روزنامہ آفتاب اور Monthly Women Times کے چیف ایڈیٹر کی اس خوبصورت بات کے ساتھ ہی، ہم نے کاغذ' قلم سنبھالا' اور اُن کی شفیق مسکراہٹ کے یادگار لمحوں کو سمیٹتے ہوئے یہ جانا اور تسلیم کیا کہ زندگی میں عاجزی کو اپنا شعار بنانے والوں کے راستے' قدرت بھی سہل کر دیتی ہے۔ ☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شرمین عبید چنائے کو سپاس نامہ

دردانہ نوشین خان

برصغیر کی عورت، صدیوں سے مردانہ حاکمیت کے معاشرے میں قربانیاں دیتی چلی آرہی ہے۔

سماجی رویوں کا تسلط، جہالت، کم علمی، فرسودگی، رسم پرستی، مذہب کے نام پر خود اختراعی سزائیں، غربت، تنگ نظری کا ہدف عورت بنتی ہے گویا کہ 52% نسائی آبادی (بالعموم) 48% مردانہ جبر کے پنجۂ استبداد میں ہے۔ اس ضمن کے وقوعات سے تھانہ چوکیوں کی ڈائریاں بھری پڑی ہیں جبکہ درج شدہ اطلاعات سے حقیقی تعداد کئی گنا زیادہ ہے۔

ہمارے اخبارات میں آئے روز عورت کی تذلیل کی خبریں مثلاً عورت کے سر اور ابرو کے بال مونڈ دینا، تیز دھار آلہ سے زبان، ناک، کان کاٹ ڈالنا، درخت سے باندھ کر کلہاڑی / ٹوکہ سے پے در پے وار کر کے ٹانگیں کاٹ ڈالنا، چار چوٹ کی مار مارنا، زنجیروں سے باندھ کے رکھنا، بھاری وزنی چارپائی کے موٹے پائے تلے ہتھیلیاں رکھ کر کچلنا، مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دینا اور سب سے بڑھ کر جسم اور چہرے، آنکھوں پر تیزاب چھڑکنا جس کی کھولن، جلن، تڑپ اور کرب کی پیمائش ممکن ہے، نہ بیان ممکن ہے۔ تیزاب ایک زود اثر ایسڈ ہے جو سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں کھال کو جلا کر گوشت کو سڑانے لگتا ہے جس کی اذیت کبھی ختم بھی ہو جائے مگر بدنمائی کبھی ختم نہیں ہوتی۔

سہام مرزا نے نسائی جدوجہد کی پذیرائی کے جس سلسلہ کی بنیاد ڈالی، وہ دوشیزہ میں آج بھی جاری ہے۔ ماہنامہ دوشیزہ کے گزشتہ کسی بھی سال کے شمارے ڈھونڈ کر دیکھے جائیں تو ان میں ماہرِ تعلیم ہو یا ابلاغ سے متعلقہ ادبی، علمی شخصیت ہو یا فنونِ لطیفہ سے وابستہ طب، سائنس، کمپیوٹر ہو یا کوئی اور شعبۂ حیات، عورت کی تگ و دو، جفاکشی، ذہانت، کامرانی، مثالی جہد کو افتخارِ قلم بنایا جاتا رہا ہے۔

اس بار آسکر ایوارڈ یافتہ شرمین عبید چنائے کے انتخاب پر تحریری اظہار کی ذمہ داری کے لیے ناچیز کے قلم کو منتخب کیا گیا۔

شرمین عبید چنائے 1978ء کراچی میں اردو بولنے والے والدین، شیخ عبید اور صبا عبید کے ہاں پیدا ہوئیں۔ گرائمر اسکول کے بعد اسمتھ کالج سے اکنامکس میں بی اے کیا۔ 2003ء میں Stanford University سے انٹرنیشنل پالیسی اسٹڈیز میں ایم اے کیا اور 2004ء میں ذرائع ابلاغ میں بھی ایم اے کیا۔

شرمین کی شادی فہد چنائے، بینکر سے ہوئی اور اُن کی ایک بیٹی ایملا ہے۔ شرمین عبید اس وقت SZABIST میں میڈیا سائنسز کی فیکلٹی ممبر

Saving Face کی ڈائریکٹر شرمین عبید چنائے ایوارڈ وصول کرنے کے بعد

ہیں۔ وہ پاکستانی کینیڈین جرنلسٹ ہیں، اُن کی تیار کردہ فلمیں HBO,PBS,CNN، الجزیرہ اور چینل فور پر چلتی رہتی ہیں۔

2007ء میں شرمین نے افغانستان کا سفر کیا اور چینل فور، CNN پر اُس کی فلم ٹیلی کاسٹ ہوئی ''افغانستان بے نقاب'' یہ بھی عورت پر دباؤ کا موضوع ہے۔ ایک ڈاکیومنٹری ''طالبان کے بچے'' پر تیار کی جسے 2010ء میں Emmy ایوارڈ ملا۔ علاوہ ازیں شرمین عبید چنائے وہ پہلی غیر امریکی ہیں جنہوں نے نوجوان جرنلسٹ کا Livigston Award جیتا۔ اُن کی چار فلمیں نیویارک ٹائمز ٹیلی وژن کی ملٹی ایوارڈ یافتہ ڈاکیومنٹریز ہیں۔ 2005ء میں وہ Women of the Holy Kingdom بنا چکی تھیں، جس کا موضوع عورتوں کی اندرونِ خانہ زندگی کا جائزہ ہے۔

اس فلم کو South Asian Journalist association ایوارڈ ملا۔

> پاکستان کی 52% نسائی آبادی
> (بالعموم) 48% مردانہ جبر کے پنجۂ استبداد
> میں ہے۔ اس ضمن کے وقوعات سے تھانہ
> چوکیوں کی ڈائریاں بھری پڑی ہیں

تیزاب گردی کے حساس موضوع پر، شرمین عبید نے 2011ء میں ڈاکیومنٹری بنائی "Saving Face" یہ فلم اعلیٰ معیار ٹیکنالوجی کے علاوہ جرأت مندانہ سبجیکٹ کی وجہ سے آسکر ایوارڈ کی مستحق ٹھہری۔ آسکر ہمیشہ جداگانہ کم یاب اور بولڈ موضوعات کی کہانیوں کو ملتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت کردوں کہ شرمین عبید چنائے سے قبل 2008ء میں میر ظفر علی پاکستانی نژاد امریکی شہری کو "Golden Compass" نامی فلم میں بطور visual effects آرٹسٹ آسکر ملا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میر ظفر علی کے کریڈٹ پر 'می' اسپائیڈر مین' The day after tomorrow اور Xmen بھی ہیں' تاہم شرمین عبید کو یہ ترجیح حاصل ہے کہ اُن کی فلم کا آئیڈیا sub-continent based ہے اور انہوں نے اس فلم کو ڈائریکٹ کیا۔

شرمین اپنی فلم کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے Wall Street جرنل میں کہتی ہیں۔

ترجمہ۔"موضوع نے مجھے فوراً متاثر کیا۔ تیزاب گردی جنوبی پنجاب میں سیکڑوں عورتوں کی زندگی ہر سال برباد کرتی ہے۔"

"Acid violence imparts women in Southern Punjab and changes the life of hundreds of women every year."

اسلامی سوچ قرار دیتا ہے۔ انہیں چاہیے کہ اسلام کا غیر جانب دارانہ سنجیدگی سے مطالعہ کریں۔ اسلام تو وہ مذہب ہے جو غصے کو حرام قرار دیتا ہے۔ (تیزاب کبھی تفریحاً نہیں ڈالا جاتا' یہ غصے کا عمل ہے۔

حدیثِ نبویﷺ کا فرمان ہے کہ غصہ آئے..... اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ' بیٹھے ہو تو نشست بدل لو۔"

ایک جگہ فرمایا۔"غصہ آگ ہے' آگ کو پانی سے بجھاؤ یعنی پانی پی لو۔"

غیرت کے نام پر عورت کو اذیت دینے والے دراصل اسلامی فقہ اور شریعت سے چھٹے اَن پڑھ نابلد اور ناواقف ہیں۔ قرآنِ پاک میں ہے۔

"اگر کسی کو عورت پر بدچلنی کا شبہ ہے تو چار بار قسم کھا کر الزام لگائے اور پانچویں بار کہے۔ اگر میں جھوٹا تو مجھ پر خدا کی لعنت' اسی طرح عورت اپنے

شرمین عبید نے 2011ء میں ڈاکیومنٹری بنائی "Saving Face" یہ فلم اعلیٰ معیار ٹیکنالوجی کے علاوہ جرأت مندانہ سبجیکٹ کی وجہ سے آسکر ایوارڈ کی مستحق ٹھہری

یہ خبر قارئین کے لیے باعثِ حیرت ہوگی کہ غلام مصطفیٰ کھر کی بہو بلال کھر کی بیوی فاخرہ پر 12 سال قبل تیزاب پھینکا گیا۔ (خبر کے مطابق) 27 مارچ 2012ء کو فاخرہ نے قانون کی خاموشی اور حکمرانوں کی بے حسی کے سبب بالآخر خودکشی کر لی۔

یہاں اس بات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تیزاب سے متاثرہ انسان کیسے زندگی بھر سسکتا ہے۔

خبر پڑھنے والے تو خبر پڑھتے ہیں' سنتے ہیں' کچھ دن تک ٹاک شوز کے موضوعات بنتے ہیں اور پھر گہری خاموشی..... لیکن

۔نہ پوچھ کیسے گزرتی ہے زندگی اے دوست!

یہ بات بھی واضح کرنا بہت ضروری ہے کہ مغربی میڈیا، جو تیزاب گردی کے پسِ پشت بنیاد پرست

دفاع میں چار بار انکار کی قسم کھائے اور پانچویں بار کہے' اگر میں جھوٹی تو مجھ پر خدا کی لعنت..... اس کے بعد عورت سے مزید باز پرس نہ ہوگی۔"

عورت کو جلانا.......

اعضاء کاٹنا.......

تیزاب پھینکنا..... کیا ان کا تصور بھی اسلامی سزاؤں میں ہے؟ ہرگز نہیں پھر کس طرح ان اذیتوں کے ڈانڈے اسلام سے ملائے جاتے ہیں؟؟؟

ایک بار پھر شرمین عبید کے کام کی طرف پلٹتے ہیں۔ شرمین نے فلم بنانے سے قبل مقامی متاثرین (جتوئی' تحصیل علی پور' ضلع مظفر گڑھ) سے ملاقات کی۔ اُن میں گھل مل گئی تا کہ وہ اجنبیت محسوس نہ کریں۔ بلاشبہ یہ ایک منظم ٹیم ورک تھا' مکمل ذہنی ہم

آہنگی اور اعلیٰ تجرباتی مواد کے اشتراک سے اس حساس موضوع کو مثبت مقاصد کے تحت تیار کیا گیا جیسا کہ "Saving Face" کی ڈائریکٹر شرمین عبید نے کہا۔

"A positive story about Pakistan on two accounts, firstly, it portrays how a Pakistani-British doctor comes to treat them and it also discusses, in great depth, the Parliament`s decision to pass a bill on acid violence."

ترجمہ۔"پاکستان کے بارے میں ایک مثبت کہانی' دو وجوہات پر' یہ ظاہر کرتی ہے کہ کیسے ایک پاکستانی نژاد برطانوی ڈاکٹر آگے بڑھ کر اُن کا علاج کرتا ہے اور اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ پارلیمنٹ نے تیزاب گردی کے خلاف بل پاس کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"Saving Face" تیزاب زدہ دو عورتوں کی بحالی اور زندگی کی طرف واپسی کی جدوجہد کی اسٹوری ہے۔ پاکستانی نژاد برطانوی پلاسٹک سرجن' محمد علی جواد ایسے ہی مظلوم victims کے لیے اپنا پیشہ ورانہ ہنر مخصوص کر چکے ہیں۔"

شرمین عبید چنائے اور ان کی ٹیم کو ادارۂ دوشیزہ' منزہ سہام مرزا' رخسانہ سہام مرزا اور دردانہ نوشین خان کے ساتھ ساتھ تمام قارئین کی جانب سے تہنیت نامہ پیش کیا جاتا ہے۔

قوم اپنی باصلاحیت' پروقار' باہمت دختر پر فخر کرتی ہے اور امید کے ساتھ دُعا کی جاتی ہے کہ شرمین عبید کا تیزاب گردی کے خلاف اٹھایا گیا یہ سنجیدہ قدم اس بدبخت عمل کی روک تھام کو مہمیز کرے اور یہ مجرمانہ سلسلہ مکمل طور پر نیست و نابود ہو جائے اور ایسے تمام مجرموں کو کھلے عام چوک میں پھانسی دی جائے۔

آج سے دو صدیاں پیشتر الطاف حسین حالی نے "چپ کی داد" میں عورت کو مخاطب کر کے جو کچھ کہا' آج اکیسویں صدی میں بھی وہ سچ ہے۔

تم نے چین اپنے خریداروں سے بھی پایا نہ کچھ
شوہر ہو اس میں یا پدر یا برادر یا پسر
گو نیک مرد اکثر تمہارے نام کے عاشق رہے
پر نیک ہوں یا بد رہے متفق اس رائے پر
تم اسی طرح مجہول اور گمنام دنیا میں رہو
سو تم کو دنیا کی نہ دنیا کو تمہاری ہو خبر"

لیلیٰ آج.....

پاکستان کی دختر کی ہمت و جرأت نے عورت کے دکھوں سے دنیا کو خبردار کیا اور عورت کی توقیر میں اضافہ کیا۔ یہ کڑوے سچ کی بے نقابی کا پہلا قدم مزید اقدام کا پیش خیمہ بنے گا' انشاءاللہ تعالیٰ!

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منی اسکرین

ARY کے خوبصورت پروگرام

م۔ش۔خ

ARY ڈیجیٹل نیٹ ورک اپنے چاہنے والوں کے لیے خوب صورت پروگرام آن ایئر کررہا ہے، جن پروگراموں سے آپ مستفید ہوں گے۔ آن میں ڈیجیٹل، کیو ٹی وی، ایچ بی او، NICK، نیوز، دی میوزک اور ذوق قابل ذکر ہیں۔

آیئے اب چلتے ہیں پروگراموں کی طرف۔ اے آر وائی ڈیجیٹل کی سیریل ''میرا سائیں 2'' نے مقبولیت کے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ نیتا مارشل ملک وجاہت کی چار بیویوں میں سے ایک بیوی ہے۔ نوشین شاہ، نیتا مارشل کی بیٹی ہیں اور وہ چاہتی ہے کہ یہ بھی سیاست میں قدم رکھے۔ شہود علوی، شاز مین کے نئے شوہر ہیں اور یہ فراڈ یا قسم کا شخص ہے۔ آمنہ شیخ، شاز مین کی سوتن رہ چکی ہیں اور شاز مین سے سرد جنگ ہے۔

فہد مصطفیٰ، صرف اپنے مفادات کی جنگ لڑنا چاہتا ہے۔ وسیم عباس اپنے مفادات کے لیے اپنے بیٹے کو استعمال کرتے ہیں۔ اس سیریل میں بے شمار واقعات ہیں جو صرف دیکھنے سے ہی حل ہو سکتے ہیں سیریل کے ہدایت کار سید جاوید، مصنف پریسا صدیقی سیریل ''میرا سائیں۔2'' ہر اتوار کی رات 8 بجے دکھائی جائے گی۔ ARY ڈیجیٹل کے سوپ ''محمود آباد کی ملکائیں'' کو ناظرین توجہ سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ سوپ پیر سے لے کر جمعرات تک روزانہ 8 بجے دکھایا جارہا ہے۔ سیریل ''شادی مبارک'' کامیابی سے ناظرین کی توجہ حاصل کیے ہوئے ہے۔ اس کا مرکزی کردار اعجاز اسلم کررہے ہیں۔ یہ سیریل ہر اتوار کی رات 9 بجے دکھائی جارہی ہے۔ سوپ ''میری بہن میری دیورانی'' خالص گھریلو قسم کی خواتین کے بہت قریب آ گیا ہے۔ یہ سوپ پیر سے لے کر جمعرات تک 7:30 بجے دکھایا جارہا ہے۔ سیریل ''لاڈلی'' ہر ہفتے کی رات 8 بجے دکھائی جارہی ہے۔ سیریل ''سبز قدم'' بھی ناظرین کی توجہ کا مرکز ہے۔ یہ سیریل بدھ کی رات 8 بجے دکھائی جارہی ہے۔ قارئین اب چلتے ہیں کیو ٹی وی کے پروگراموں کی طرف مگر اس سے پہلے خواجہ غریب نواز کے حوالے سے آپ کو بتاتے چلیں کہ یہ ٹرسٹ صرف اور صرف غریبوں کی خوشنودی کے لیے کام کررہا ہے۔ سماجی خدمت کے ادارے خواجہ غریب نواز ویلفیئر ٹرسٹ نے صوبہ پنجاب کے شہر پاک پتن شریف میں اپنے صوبائی مرکزی آفس کے توسط سے غریبوں میں فلاحی کام کا آغاز کردیا ہے جس کا آغاز ماہانہ راشن اسکیم کے تحت کیا جائے گا اور یہ سلسلہ انتہائی غریب خاندانوں سے شروع کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ پاک پتن شریف میں لنگر کا بھی اہتمام کیا جائے گا۔ یہ سلسلہ عنقریب پنجاب کے دوسرے شہروں جہاں غریبوں کی اکثریت والے علاقے ہیں، میں مزید فلاحی منصوبوں کا آغاز کیا جائے گا جس میں نظام تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ سیلاب زدگان کے حوالے سے اگر ہم نظر ڈالیں تو خواجہ غریب نواز ٹرسٹ کا ایک بہت بڑا اقدام ہمیں سندھ کے مضافاتی علاقوں میں بھی نظر آئے گا جہاں کھلے آسمان کے تلے پڑے سندھی بھائیوں کے لیے دِل کھول کر امداد کا دروازہ کھولا گیا اور آج بھی ہزاروں افراد حاجی رؤف صاحب کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھے ہوئے ہیں Q ٹی وی نے مذہبی حوالوں سے کئی غیر معمولی پروگرام پیش کر کے ناظرین کے دلوں کو منور کردیا ہے۔ معروف پروڈیوسر عامر خان جو اپنے کام میں بڑے ہنر مند ہیں۔ کیو ٹی وی سے کئی پروگرام بیک وقت پیش کررہے ہیں، جن میں پروگرام ''نعت زندگی'' لائیو پیش کیا جائے گا۔ ہر جمعرات کو رات 12 بجے پروگرام ''حریم نعت'' ندا نعیم ہفتہ کی شام 6 بجے لائیو پیش کریں گی۔ لائیو پروگرام ''صبح بخیر'' ہر اتوار کی صبح 10 بجے پیش کیا جائے گا۔ پروگرام ''درس بخاری'' جمعرات سے اتوار تک ہر شام 6 بجے پیش کیا جائے گا۔ پروگرام ''صحت زندگی'' شام 6 بجے ذوالفقار ایچ نقوی پیش کریں گے۔ پروڈیوسر کامران پروگرام ''روبرو'' شام 6 بجے پیش کررہے ہیں۔ لائیو پروگرام ''خواب کیا کہتے ہیں'' ہفتے کی رات 12 بجے مفتی سہیل اور رضا امجدی پیش کریں گے۔ لائیو پروگرام ''الاسلام'' 3:30 پر مفتی عامر پیش

ARY ڈیجیٹل کی خوبصورت سیریل ''میرا سائیں 2 میں فہد مصطفیٰ، زالے سرحدی، عائزہ خان، انوشا عباسی اور ماہ نور بلوچ

کریں گے۔ اُن دونوں پروگراموں کے ہدایت کار محمد عامر شہزاد ہیں۔ لائیو پروگرام ''روشنی'' پیر سے لے کر جمعہ تک نادر شاہ خان پیش کررہے ہیں جس کے میزبان شاہد مسرور ہیں۔ یہ پروگرام صبح 9:30 پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیش کیا جاتا ہے۔ ذوق کے پروگراموں میں خوب صورتی پیدا کرنے والوں میں ثمینہ جلیل، سارہ آپا، معاہدہ، محبوب بنت خلیل، سعادت صدیقی، فرزانہ ادلیس اور طاہرہ متین قابل ذکر ہیں۔ میوزک چینل نوجوانوں کا پسندیدہ چینل ہے اس کے نت نئے پروگرام،نوجوانوں کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔ یہی اس چینل کا کمال ہے اور اس پر آنے والی کالز سے ناظرین کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسی طرح اے آروائی نیوز کے کرنٹ افیئرز کے پروگراموں کی طرف جہاں کاشف عباسی پروگرام آف دی ریکارڈ پیر سے لے کر جمعرات تک رات 8 بجے اسلام آباد کے ایوانوں کے بڑے سیاست دانوں کو عوام کے سامنے بٹھا کر اُن کے مسائل پر خوب صورتی سے گفتگو کرتے ہیں۔ پروگرام ''سوال یہ ہے'' کو ڈاکٹر دانش بھرپور انداز سے جمعہ سے لے کر اتوار تک رات 8 بجے پیش کرتے ہیں۔ پروگرام 11thhour کو وسیم بادامی پیش کرتے ہیں۔ معاشرے کی سارا دن کی ہنگامہ آرائی کو وہ رات 11 بجے پیر سے لے کر جمعرات تک خوب صورتی سے پیش کرتے ہیں۔ پروگرام ''موسٹ وانٹیڈ'' کو علی رضا اتوار شام 7 بجے پیش کرتے ہیں۔ پروگرام ''ہم دیکھیں گے'' کو صدف عبدالجبار پیش کر رہی ہیں جو جمعہ کی رات 11 بجے آن ایئر ہوتا ہے اور اس میں معروف صحافی تجربات کی بنیاد پر محمود شام خوب صورت گفتگو کرتے ہیں۔ پروگرام ''جرم بولتا ہے'' پیر سے جمعہ تک 7 بجے میزبان فضا پیش کرتی ہیں۔ خوب صورت پروگرام ''پاکستان ٹو نائٹ'' فہد حسین پیر سے لے کر جمعرات تک رات 10 بجے پیش کرتے ہیں۔

لائیو پروگرام ''باخبر سویرا'' مایا خان پیر سے جمعہ تک خوب صورتی سے پیش کر رہی ہیں۔

بچوں کا چینل NICK اس دفعہ نئی فلموں کے ساتھ حاضر ہے جہاں پیارے بچے خوب صورت کارٹون دیکھیں گے۔ پروگرام "AVATAR" پیر سے لے کر جمعرات تک 5:30 بجے اردو میں پیش کیا جائے گا جب کہ انگریزی میں پیر سے لے کر جمعرات تک 7:30 بجے پیش کیا جائے گا۔ پروگرام "JIMMY NEVTRON" پیر سے لے کر جمعرات تک 5 بجے اردو میں پیش کیا جائے گا۔

پرولرام "GO DIE GO GO" پیر سے لے کر جمعرات تک دوپہر 2:30 پر جب کہ انگریزی میں پیر سے جمعہ تک 7:30 بجے پیش کیا جائے گا۔ پروگرام SPONGEBOBSQUARE PANTS اردو میں پیر سے لے کر جمعہ تک جب کہ انگریزی میں پیر سے لے کر جمعہ تک صبح 11 بجے دکھایا جائے گا۔ پروگرام DORA THE EXPLORER پیر سے لے کر جمعرات تک دوپہر 2 بجے جب کہ انگریزی میں صبح 7 بجے اور صبح 9 بجے پیر سے لے کر جمعہ تک دکھایا جائے گا۔ ☆

آخری پرواز

دونوں وقت مل رہے ہیں
رِکن مِن، رِکن مِن، رِکن مِن،
بوندوں کا رقص جاری ہے
اِک عجب سی اُداسی
سر سبز شہر پہ چھائی ہوئی ہے
بے کلی سی بے کلی ہے
جو دل دھڑکا رہی ہے
اچانک، بہت زور سے بادل گرجا
بجلی آسمان کے سینے کو کاٹتی ہوئی سی لپکی تھی
دونوں وقت مل چکے تھے
گیلا سبزہ دور تلک رنگ چکا تھا
سرخ لہو، گیلا دھواں......
B4213 کے آہنی ٹکڑوں کے ساتھ ساتھ
نو معصوم سے ننھے ننھے،
اِک نو بیاہتا جوڑا......اور
پورے ایک سو سالہ لاشے
بے شناخت اعضاء کے ساتھ
اُس سبزے پہ بچھے ہوئے تھے
مانیٹرنگ سیل بھی قائم ہو چکا،
لواحقین کے لیے اگلی صبح اک طیارہ بھی کھڑا ہے
تحقیقاتی ٹیم، جو بدیس سے آئے گی
اپنے آنے کا عندیہ دے چکی
مگر! کیا یہ سب کچھ
نو بیاہتا سہاگن کی مہندی کی خوشبو،
معصوم کلکاریاں،
بوڑھوں کی آخری کمائی،
گھر کا واحد کفیل،
مریضوں کے مسیحا!
پورے گھر کے بوجھ اٹھانے والی ورکنگ ویمنز
واپس لا سکے گا
بلا معاوضہ لے جانے والا طیارہ
معاوضہ دے کر موت خریدنے والوں کی
دادرسی کر سکے گا؟؟
رِکن مِن، رِکن مِن، رِکن مِن،
رقص جاری ہے بوندوں کا
مگر!!
یہ راز کھل چکا
سارا دن، آسمان کیوں روتا رہا تھا

کاشی چوہان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلسلۂ خاص

زمر نعیم

تم میرے ساتھ رہو

سماجی مسائل اور معاشرتی رویوں سے کشید کیے گئے، سلسلہ وار ناول کی بارہویں قسط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

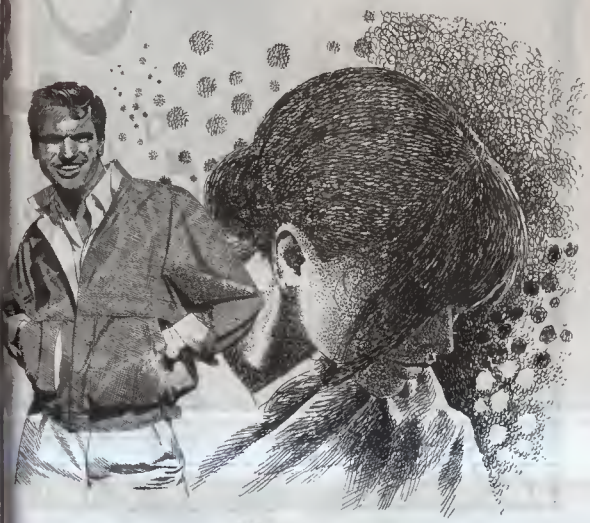

''انصاری ہاؤس'' میں ظہیر اکبر زریں بیگم کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے دو بیٹے حماد اور عباد ہیں۔ عباد کی بیوی سنبل ہے، جو گھر کے کام کاج میں گھن چکر بنی رہتی ہے۔ پھر بھی ساس سے باتیں سنتی ہے جب کہ حماد کے دو بچے ہیں اور بیوی شمسہ بھی گھر میں اپنی ساس کے اشاروں پر ناچتی ہے۔ ظہیر اکبر کی دوسری بیوی ان حالات میں ان کی زندگی میں آئیں کہ وہ بس دیکھتے ہی رہ گئے۔ ان سے ان کا ایک بیٹا اَسود علی ہے۔ سارا کاروبار، گھر بار، جائیداد اَسود علی کے نام ہے اور وہ زریں بیگم کے عتاب میں زندگی گزار کر ایک فیصلے کی بھینٹ چڑھ چکا ہے، جس کے نتیجے میں زریں بیگم کی بھتیجی نائیلہ اس کی بیوی بن چکی ہے۔ علیشہ نجف ایک مشہور فوٹو گرافر ہے۔ وہ اَسود علی کی نگاہ میں آگئی اور اَسود اس پر دل ہار بیٹھا۔ علیشہ نجف ایک مضبوط کردار کی لڑکی ہے۔ اس نے اب تک شادی نہیں کی۔ اس کے ماں باپ بیرون ملک مقیم ہیں۔ اسے اپنے پروفیشن سے عشق ہے۔ وہ محبت، عشق جیسی خرافات پر یقین نہیں رکھتی۔ اَسود علی روایتی عاشقوں کی طرح ہر جگہ اپنا دل لیے اس کے آگے کھڑا رہتا ہے۔ علیشہ اس کے اس سڑک چھاپ اسٹائل سے زچ ہے اور اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔ زرغام بخاری، اَسود اور علیشہ کا دوست ہے۔ ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا سربراہ ہے۔ وہ اور اس کی بیوی نادیہ کو اولاد کی صورت خدا نے آزمائش میں مبتلا کر رکھا ہے۔ زرغام اور نادیہ دونوں ہی بہت فکر مند ہیں۔ ان کے جڑواں بچے ہمک اور فلک ہیں اور دونوں ہی انتہائی کمزور اور ایک حد تک ابنارمل ہیں۔ نادیہ ان کی زندگی کے تار جوڑنے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہے۔ بچوں کی نگہداشت کے لیے سوزین نامی ایک فل ٹائم Maid موجود ہے۔ گھر کی ماسی نے ہمک اور فلک کی پریشانی بھانپ کر پیر شاہ کے ڈیرے تک نادیہ کو پہنچا دیا ہے۔ اب نادیہ پیر شاہ صاحب کی مریدگی میں آچکی ہے۔ کہانی کا ایک کردار تابندہ بھی ہے۔ تابندہ غربت کی چکی میں پسنے والے ایک گھر کی کفیل ہے۔ زرغام بخاری کی پرسنل سیکریٹری کے فرائض انجام دینے والی تابندہ ایک بہن اور بھائی کی خواہشات اور ضروریات کے تحت اپنی زندگی کو ان کے لیے وقف کر چکی ہے۔ زرغام بخاری اور تابندہ کے درمیان ایک غمگسار والا رشتہ بھی موجود ہے۔ تابندہ اپنے باس کا بہت خیال رکھتی ہے جب کہ زرغام بھی تابندہ کا بہت خیال رکھتا ہے۔ اَسود علی اور علیشہ کا ٹکراؤ تو اکثر ہوتا رہتا ہے جو ہمیشہ علیشہ کے لیے ناخوشگوار ثابت ہوتا ہے۔ دوسری طرف زرغام بخاری کے گھر میں نادیہ نے پیر شاہ کے تعویذوں اور تبرکات وغیرہ سے اپنے آپ کو کسی ان دیکھی زنجیر میں قید کر لیا ہے۔ ماسی اپنی مالکن کا پیسہ پیر شاہ کے ڈیرے پر دل کھول کر لٹوا رہی ہے۔ زرغام بخاری کا دل بیوی کی ان حرکتوں سے اچاٹ ہو گیا ہے۔ اس نے آفس میں موجود سیکریٹری تابندہ کی توجہ پا کر اس میں دلچسپی لینا شروع کر دی ہے۔ تابندہ کو بھی حالات کے پیش نظر ایسے ہی کسی سہارے کی تلاش تھی۔ انصاری ہاؤس میں نائلہ کی ہٹ دھرمیاں جاری ہیں۔ زریں بیگم ہر طرح سے اَسود علی اور نائلہ کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتی ہیں۔ اس لیے نائلہ کے کھونٹے کو مضبوط کرنے کی تگ و دو میں وہ کسی بھی حد تک جا سکتی ہیں۔ دوسری طرف تابندہ کا باپ اپنے بڑے بھائی سے ملنے لگا ہے۔ اس کی ماں، حمیدہ کو خدشات نے آگھیرا ہے۔ یہ ملاپ انہیں خطرے کی گھنٹی کا احساس دلا رہا ہے۔ زرغام بخاری کو نادیہ، اس کی ذہنی حالت کے پیش نظر نفسیاتی ڈاکٹر فرقان حمیدی کے پاس لے جاتی ہے۔ زرغام کی بزنس پر بے توجہی اب آفس والے بھی محسوس کرنے لگے ہیں۔ علیشہ بھی زرغام کی اس کیفیت پر پریشان ہے۔ نادیہ کا شاہ پیر پر یقین پختہ ہو رہا ہے اور وہ اس کے گھر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ علیشہ کا اَسود علی سے ہنوز ٹکراؤ جاری ہے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اَسود علی کے لیے قطعاً سنجیدہ نہیں ہو پا رہی۔ تابندہ نے گھر کی موجودہ صورت حال پر زبان کھولی تو باپ رشید علی کو سانپ سونگھ گیا۔ وہ اپنے بھائی کے بیٹوں سے زبردستی تابندہ اور ردا کا نکاح پڑھوانے کی دھمکی دے کر گھر سے نکل گیا۔ زرغام بخاری اور نادیہ کے درمیان رشتوں کی خلیج حائل ہونے لگی ہے۔ سوزین، نادیہ کی بچوں پر عدم توجہی کی بابت پریشان ہے اور پھر وہ بچوں کی وجہ سے پریشان ہو کر ڈاکٹر شائلہ باقر کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ علیشہ پریشان ہے کہ آخر اَسود علی کی اس میں دلچسپی کیوں جنون کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ ایک شادی شدہ آدمی سے اس طرح کی وابستگی اس کے لیے سوہانِ روح بن چکی ہے۔ زرغام شدید ذہنی اذیت سے دوچار ہے۔ نادیہ کسی صورت شاہ پیر کے چنگل سے نکلنے پر آمادہ نہیں۔ اُدھر حمیدہ اور رشید احمد میں ٹھن گئی ہے۔ حمیدہ بچیوں کے مستقبل کے لیے کسی سمجھوتے پر تیار نہیں۔ یہ صورت حال تابندہ کے لیے بھی پریشان کن تھی۔ اس نے زرغام سے ملنے کا فیصلہ کیا اور...... تابندہ، زرغام سے اپنی پریشانی کہنے آئی تھی مگر اس کے اپنے مسائل نے اُسے کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔ نادیہ پوری شدت سے پیر شاہ کے چنگل میں پھنس چکی ہے۔ زریں بیگم کو اَسود علی کے فارن ٹور کی بھنک پڑ چکی تھی۔ اس بار وہ اپنا داؤ چلنے میں کامیاب ہو گئیں اور نائیلہ کو اس کے ساتھ بھیجنے پر راضی کر لیا۔ پیر شاہ نادیہ کی اینکسی میں مصروف تھے۔ نادیہ کی آنکھ کھل گئی اور ڈر کے مارے وہ بے ہوش ہو گئی۔ زرغام کے لیے یہ صورت حال بالکل اچانک تھی۔ علیشہ بھی مجبوراً فارن ٹور پر اَسود کے گروپ میں شامل ہے۔ تابندہ کے تایا اپنے بیٹوں کا رشتہ لے کر اس کے گھر پہنچ گئے۔ پیر شاہ اس بار نادیہ سے موٹی رقم ہتھیانے میں کامیاب ہو گیا مگر زرغام بخاری اور نادیہ کے بیچ میں ایک بے اعتمادی کی خلیج حائل ہو چکی ہے۔ سوزین، ہمک اور فلک کے معاملے میں اب پیر شاہ کے علاج کو بالائے طاق رکھتے ہوئے زرغام کی شہ پر دوبارہ سے کنسلٹنٹ سے رابطے میں ہے۔ اِدھر تابندہ اور زرغام کے درمیان بھی بے اعتباری کی دیوار گر چکی ہے اور زرغام تابندہ سے اپنی اُنسیت اور وارفتگی کا اظہار کر کے اس کے تمام خدشات دور کر دیتا ہے۔ خالد عظیم کے دفتر میں علیشہ اور اَسود کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو وہ اَسود کو پھر سے بے عزت کر دیتی ہے۔ اَسود کو پہلی بار اپنی بے عزتی محسوس ہوتی ہے۔ وہ وہاں سے چلا جاتا ہے۔ علیشہ کے دل میں بھی پہلی بار اپنے ہتک آمیز رویے کا احساس جاگتا ہے۔ ایئر پورٹ نکلنے سے قبل اچانک علیشہ کے دروازے پر بیل بجتی ہے۔ وہ دروازہ کھولتی ہے تو سامنے......

اب آپ آگے پڑھیے:

''امی مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' تابندہ خلافِ معمول باورچی خانے میں حمیدہ کے ساتھ ناشتے کے لیے موجود تھی۔

رمیز اسکول کے لیے نکل چکا تھا۔ رشید احمد بھی ناشتا کر کے گھر سے چلا گیا تھا۔ ردا کئی راتوں کے رتجگے کے بعد سکون کی نیند سو رہی تھی۔ تابندہ کو اپنی بات کہنے کا یہی موقع غنیمت لگا تھا۔

''کیا بات کرنی ہے؟'' حمیدہ نے خاصی تشویش سے اسے دیکھا۔

''امی مم...... میں سوچ رہی تھی کہ اگر ہم تایا جی کے بیٹوں کے ساتھ اس لڑکے کو بھی پرکھ لیں تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔''

''کہ...... کیا؟ کیا کہہ رہی ہے تُو؟ تیرا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' حمیدہ اس طرح بدکی جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ ''میں عزت بچانے کی فکر میں ہوں اور تم چاہ رہی ہو کہ ہم رسوائیوں کو گلے لگا لیں۔''

''ا...... ی...... ! میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں تو صرف اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اگر تایا جی کے بیٹے کے مقابلے میں وہ لڑکا اچھا ہوا تو ہم ردا کی خواہش پوری کر سکتے ہیں۔''

''خبردار! تم نے آج تو یہ بات کہہ دی پھر مت کہنا۔ میں کسی سے یہ بات سننا نہیں چاہتی کہ میری بیٹیوں نے نین مٹکے لگا کر باپ کی عزت اچھال دی۔'' حمیدہ نے چائے پیالی میں انڈیلتے انڈیلتے کافی سختی سے کہا۔

تابندہ ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔ ''امی دنیا کی خاطر آپ اپنی بیٹیوں کی زندگی تباہ کر دیں گی؟'' تابندہ نے قدرے ملال سے سوال کیا۔

''نہیں ہوتی برباد۔ باپ ہے وہ تم لوگوں کا۔ دنیا دیکھ رکھی ہے اس نے بھی۔ اسے کوئی بہتری نظر آ رہی ہے تو وہ بضد ہے۔ تم جاؤ اپنے دفتر۔ اس کی ہمدردی مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اس کی ماں ہوں دشمن نہیں۔'' حمیدہ نے دو ٹوک انداز میں کہتے ہوئے تابندہ کو چپ کروا دیا۔

وہ کہتی بھی تو کیا۔ ردا کی خواہش، اس کے جذباتی پن کا ثبوت تھی بس...... یہ بات تو تابندہ بھی مانتی تھی کہ اس طرح کی محبتیں پائیدار نہیں ہوتی۔ بارش کی چند بوندیں اور سورج کی تیز شعاعیں ایسی محبتوں کا رنگ پل بھر میں بہا دیتی ہیں، اڑا دیتی ہیں۔

وہ گھر سے نکلتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ ردا کے دیے ہوئے سیل فون پر رابطہ کرے یا نہیں۔ ردا کی خوشی اور خواہش دیکھے یا اپنی ماں کا مان بچا لے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

☆......☆

''سنو اَسود میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ مجھے یہاں نہیں ٹھہرنا۔'' دبئی ایئر پورٹ پر اترتے ہی نائلہ نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کافی ڈھٹائی اور ہٹیلے پن سے کہتے ہوئے اس نے اسے بازو سے پکڑ کر متوجہ کیا۔ اسود نے اس کا سفری بیگ ٹرالی میں رکھتے ہوئے اس کی حرکت پر اسے خاصی ناگواری سے دیکھا۔

"Behave your self، میری شرافت کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ نائلہ۔"

"یہ تمہاری شرافت ہے؟ مجھے ساتھ نہیں لے کر جانا تھا تو پاکستان میں ہی رہنے دیتے۔ یہاں لا کر پھینکنے کا کیا مقصد ہے۔ اتنی ہمت نہیں تھی تو مجھ سے کہتے۔ میں خود ہی انکار کر دیتی۔" نائلہ نے چیخ کر بولتے ہوئے اپنا غصہ نکالا۔

"میں کہہ رہا ہوں نا آرام سے بات کرو۔ یہاں تماشا لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اسود نے لوگوں کی توجہ محسوس کر کے دھیمی آواز کے ساتھ اسے تنبیہہ کی۔

"مجھے دھمکانے کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے صاف صاف کہہ رہی ہوں۔ مجھے اپنے ساتھ لے کر چلو، ورنہ میں یہاں وہ تماشا کروں گی کہ تم یاد رکھو گے۔"

"میں نے تمہارے بھائی کو بلایا ہے۔ آرام سے اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ نہیں تو پھر ریٹرن ٹکٹ ہے تمہارے پاس، چاہو تو دو گھنٹے بعد کی فلائٹ سے واپس چلی جانا۔ مجھے بھی دھمکانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اسود نے کمال ضبط سے کہتے ہوئے اپنا بیگ ہینڈل سے پکڑ کر کھینچا اور ڈیپارچر لاؤنج کی جانب بڑھنے لگا۔

نائلہ چند لمحے تو کھڑی دیکھتی رہی پھر نہ جانے کیا ہوا وہ بڑی پھرتی سے اسود کی طرف بڑھی اور پیچھے سے ایک بار پھر اس کا بازو تھام کر اسے روکنے کی کوشش کی۔

"کہاں جا رہے ہو تم...... تم نے سنا نہیں میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

اس کی حرکت اور چیخ کر بولنے کی وجہ سے اسود نے اسے خاصی برہمی سے دیکھا۔ اسود کا ایک ایک تاثر ظاہر کر رہا تھا کہ اسے نائلہ کی حرکت نے اندر باہر سے دہکا دیا ہے۔

"تمہارے اسی جاہلانہ رویے کی وجہ سے تم میری زندگی میں اپنا مقام کھو چکی ہو۔ میں اب تم جیسی عورت کو اپنی زندگی میں برداشت نہیں کر سکتا۔ آ کر تمہارے بارے میں آخری فیصلہ کروں گا۔ اب تمہیں جو کرنا ہے کر لو۔" اسود نے اس کی گرفت سے اپنا بازو جھٹکے سے چھڑایا اور اسے وہیں چھوڑ کر ڈیپارچر لاؤنج کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

نائلہ غصے اور بے بسی سے اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔ عجیب سا احساس اس کے ارد گرد پھیل کر اسے ساکت کر گیا تھا۔ اسود کی باتیں، اس کا رویہ کسی سنگین فیصلے کا اشارہ دے رہے تھے۔

☆......☆

زرغام بخاری، اپنے معمول کے مطابق آفس جانے کے لیے تیار ہو کر نکلا تو اس کے قدم بڑے دنوں بعد بچوں کے کمرے کی طرف اٹھ گئے۔ سوزین بچوں کے Cot کے پاس کھڑی پچکارتے ہوئے فلک اور سمک کو بہلا رہی تھی۔ سمک پہلے سے زیادہ متحرک دکھائی دے رہی تھی جب کہ فلک گزشتہ دنوں سے تو کچھ بہتر تھا مگر صرف ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔ سمک کی طرح ہاتھ پاؤں نہیں چلا رہا تھا۔ زرغام نے کچھ دیر دروازے میں کھڑے رہنے کے بعد قریب جا کر پوچھا تو سوزین چونک کر متوجہ ہوئی۔

"اب کیا Progress ہے۔ I mean`s کچھ Improvement ہوئی ہے۔"

عزیز میاں قوال

داتا دربار کے مین گیٹ کے سامنے ذرا ہٹ کر ایک چھوٹا لڑکا گا رہا ہوتا تھا، اس کا والد اس کے ساتھ ہارمونیم بجاتا تھا، یہ دونوں اسلامیہ اسکول کی دیوار کے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے (آج کل اسلامیہ اسکول بھاٹی گیٹ کو یہاں سے ہٹا کر باغ بھاٹی گیٹ میں تعمیر کر دیا گیا ہے اور اسکول کی جگہ داتا دربار کا صحن وسیع کر کے مین سڑک تک بڑھا دیا گیا ہے) یہ چھوٹا لڑکا عزیز میاں قوال تھے جو ہر جمعرات اپنے والد کے ساتھ دربار آتے تھے، انہیں تعلیم حاصل کرنے کا جنون تھا وہ تمام قوالوں میں واحد تعلیم یافتہ قوال تھے، انہوں نے بہت شہرت اور دولت حاصل کی۔ کہاں وہ باپ کے ساتھ آنہ دو آنہ چار آنہ اکٹھا کرتے اور کہاں اُن کی شہرت کی بلندی۔

"Yes Sir، سمک بے بی تو پہلے سے Much Better ہے۔ But بابا کی Condition تھوڑا پریشان کرتی ہے۔"

"ڈاکٹر کیا کہتی ہے۔" زرغام نے ذرا جھک کر ہاتھ بڑھاتی سمک کی انگلیوں میں اپنی انگلی تھمائی۔ نرم لمس ڈھیلی سی گرفت اس کی پدرانہ شفقت و جذبات کو مہمیز کر رہے تھے۔

زرغام کا دل چاہا وہ اسے اپنی گود میں بھر کر سینے سے لگا کر بھینچ لے یا پھر بازوؤں سے تھام کر بے ساختہ ہوا میں اچھالے اور اس کی قلکاریاں گونجتی سنے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا سمک اور فلک کے کمزور ادھورے وجود اس کے سارے جذبے اس کے اندر ہی گھونٹ دیتے تھے۔

"ڈاکٹرز کا New opinion تو ٹیسٹ رپورٹس کے بعد ہی معلوم ہوگا۔" سوزین نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

زرغام نے سر ہلا کر جیسے خود کو ہی تسلی دی۔

"انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پلیز سوزین تم بچوں کی Care کرنا اور ان کی جو بھی رپورٹس ہوں مجھے ضرور Inform کرنا۔" زرغام Cot کے پاس سے ہٹ کر جانے لگا۔

"Why not sir۔ میں آپ کو فوراً بتا دوں گی۔" سوزین کی تسلی آمیز مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ زرغام کی توجہ سے کافی مطمئن ہوئی ہے۔

زرغام بچوں کے کمرے سے باہر نکلا تو اس کے راستے میں نادیہ آ گئی۔ وہ یقیناً چیک کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔

"ت......م......بس جا رہے ہو؟ ناشتا نہیں کرو گے؟" نادیہ اسے باہر کی جانب بڑھتا دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگی۔

وہ اسے نظر انداز کر کے کوریڈور سے باہر کی طرف قدم بڑھاتے بڑھاتے رک کر بولا۔ "نہیں، میرا دل نہیں چاہ رہا۔ "Don`t worry about me."

زرغام کی سرد مہری پر نادیہ کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔

"زرغام! آخر تمہیں اچانک کیا ہونے لگا ہے۔ میں تمہاری فکر نہیں کروں گی تو اور کون کرے گا۔" نادیہ کو زرغام کی سرد مہری نے تکلیف دی۔

"میری فکر کرنے کے لیے تمہارے پاس وقت ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زرغام کا شکوہ اس کے لفظوں کے ساتھ ہر تاثر کے ساتھ بھی عیاں تھا، شوہر کو بیوی کی توجہ، اس کی محبت، اس کا وقت درکار ہوتا ہے اور کئی ہفتوں سے نادیہ کے پاس زرغام کو دینے کے لیے تینوں چیزیں ہی نہیں تھیں۔ نادیہ اس کی بات کا مقصد سمجھ کر صفائی دینے والے انداز میں بولتے ہوئے اس کی جانب لپکی۔

''زرغام پلیز کچھ عرصے کی بات ہے۔ میں یہ سب اپنے گھر اور بچوں کی بہتری کے لیے ہی تو کر رہی ہوں۔ تم اگر میرا ساتھ نہیں دو گے تو میں کیسے......''

''I am sorry۔ میں مزید کسی فضول کام کے لیے تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔'' زرغام اس کی بات کاٹ کر تلخی سے بولا۔ ''Any way مجھے آفس جانے کے لیے دیر ہو رہی ہے۔ خدا حافظ۔'' زرغام نادیہ کے مزید بولنے سے پہلے بات ختم کرتا، اسے وہاں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

نادیہ حیرت سے اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔ اس کے لیے یہ عجیب سی صورت حال تھی۔ زرغام کو وہ خود سے دور جاتا محسوس کرنے کے باوجود نہ اسے روک پاتی تھی اور نہ ہی بڑھ کر اس کے ہمقدم ہونے کی کوشش کرتی تھی۔ دونوں کے درمیان دوری بڑھ رہی تھی۔

☆......☆

جہاز میں آ کر بیٹھنے تک اَسود عجیب سی کیفیت میں گھرا رہا تھا۔ اسے اپنی جرأت پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ اتنے عرصے سے اپنے گرد بنے گئے جال سے نکل کر اپنے لیے کوئی قدم اٹھا سکتا ہے۔ زریں بیگم کے اشاروں پر چلتے چلتے ان کے ہر حکم پر سرنگوں ہوتے ہوتے وہ اپنی ذات تو جیسے بھول ہی گیا تھا۔ نائلہ کو دبئی خود چھوڑنے کے عمل نے جیسے اس کے اعتماد و حوصلے کو بڑھا دیا تھا۔ اس کی ہمت اور طاقت جیسے طویل نیند سے بیدار ہو کر اپنی تازگی کا احساس دلاتی، اسے جینے کا حوصلہ دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلا سکون، اس کے عزائم کی پختگی کا احساس دلا رہے تھے۔ جہاز کی پرواز کے ساتھ ساتھ اس کے جذبے اس کے احساسات بھی نئی سمت پرواز کر رہے تھے۔ اس کے تصورات کی دنیا میں علیشہ انصاری اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ حقیقت میں بھی وہ اسے ہی اپنے ہمراہ اپنے ہمقدم کرنا چاہتا تھا۔ اب یہی اس کا مقصدِ حیات تھا اور اسی کے لیے اب اسے زریں بیگم اور نائلہ سے نبرد آزما ہونا تھا۔

☆......☆

تابندہ نے آفس آ کر اس کے نمبر سے ردا کے دیے گئے نمبر سے اس لڑکے کو کال کی۔ ردا کی خاطر وہ ایک بار اس سے مل کر یہ اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ وہ ردا کے لیے اپنے دل میں کتنا اخلاص اور چاہت رکھتا ہے۔ تب ہی وہ اس کی خوشی کے لیے اپنے امی ابو سے بات کر سکتی تھی۔ زرغام کی آمد سے پہلے وہ یہ کام کر لینا چاہتی تھی مگر وہ لڑکا نوید فون ریسیو ہی نہیں کر رہا تھا۔ بڑی کوشش کے بعد کوئی بڑی بدتمیزی سے بولا تھا۔

''ابے کون ہے یار۔ سالا نیند ہی خراب نہیں کی، سارا نشہ بھی اتار دیا۔ بول نا ابے۔ کون باپ ہے جسے اتی (اتنی) صبح میری یاد کی کھجلی ہوئی ہے۔'' کوئی یقیناً نشے میں ہی تھا۔

تابندہ بولنے والے کی زبان و بیان پر ہی بوکھلا اٹھی تھی۔ اس کی اپنی آواز جیسے اندر ہی گھٹ کر رہ گئی تھی۔ اس نے بنا بات کیے ہی ریسیور پٹخ کر پیشانی پر پھیلے پسینے کی بوندیں صاف کرتے ہوئے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''ردا کی پسند ایسی گھٹیا، مجھے یقین نہیں آ رہا۔ کب اور کیسے، وہ ایسے چنگل میں پھنس گئی۔ ہمیں پتا کیوں نہیں

چلا۔'' اس کی سوچیں اس کے چہرے کے تاثرات بن کر پھیل رہی تھیں۔

''شاید ابو جانتے ہیں۔ اسی لیے اتنی جلدی کر رہے ہیں۔ ردا کو کیسے سمجھاؤں کہ......'' تابندہ نے پریشانی و اضطراب سے ماتھے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اسی لمحے زرغام آفس میں داخل ہوا لیکن تابندہ کو اپنی پریشانی میں اس کے آنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ زرغام اس کی بے خبری پر ٹھٹھک کر اس کے پاس رک کر پوچھنے لگا۔

''Whats happen مس تابندہ؟'' زرغام کی آواز اسے جیسے کہیں دور سے واپس کھینچ لائی، وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ ''Good Morning سر آپ کب آئے؟''

''جب تم کہیں گم تھیں۔ ویل، میرے لیے ناشتا آرڈر کر کے کیبن میں آؤ۔''

زرغام کا انداز نا سمجھ میں آنے والا تھا۔ وہ سر ہلا کر رہ گئی، زرغام اپنے کیبن کی طرف بڑھ گیا۔

تابندہ کو ایک نئی فکر گھیرنے لگی تھی۔ زرغام کا رویہ اور پریشانی دونوں ہی اس کے لیے اہم تھے۔ وہ زرغام کے لیے ناشتا آرڈر کر کے آفس کیبن میں آئی تو زرغام سگریٹ سلگائے جیسے اُسی کا منتظر بیٹھا تھا۔

''ہاں بھئی کیا پرابلم ہے؟ کیوں اتنی اَپ سیٹ بیٹھی تھیں؟'' زرغام کی توجہ اور اپنائیت تابندہ کے اندر سکون اور آنکھوں میں نمی بھر گئی۔

''کہ...... کچھ نہیں...... کوئی بات نہیں بس ایسے ہی......'' زرغام کے اشارے پر سامنے بیٹھتے ہوئے وہ گڑبڑا کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔

''کوئی بات تو ہے؟ ورنہ تم میری آمد سے بے خبر نہ ہوتیں۔'' زرغام کا اصرار بھرا انداز اور لہجے میں اپنی بات کی سچائی تھی۔ جیسے اُسے تابندہ کی وضاحت پر یقین نہ ہو۔

تابندہ کے پاس بھی کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ زرغام نے اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے سگریٹ کو ایش ٹرے میں رکھ کر اپنے سامنے پڑے اپنے لیپ ٹاپ کو آن کیا۔

''کوئی ایسا Issue ہے جو تم مجھ سے Discuss نہیں کرنا چاہتی ہو؟'' زرغام نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ایسی بات نہیں ہے سر! میں نے تو ہمیشہ ہی اپنی ہر پرابلم آپ ہی سے discuss کی ہے۔ Actually گھر میں چھوٹی بہن کی شادی کی وجہ سے کافی Tension ہے۔'' اس نے مختصراً بتایا۔

''It`s all right۔ میں تو بس ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ کیا مسئلہ ہے۔ تم مجھے بتا سکتی ہو۔ میں solve کر سکا تو ضرور کر دوں گا۔'' زرغام نے اسے بولنے کا حوصلہ دیتے ہوئے سگریٹ ایش ٹرے سے اٹھا کر کش لگایا۔

تابندہ پلکیں اُٹھا کر کر اُسے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ صاف نظر آ رہی تھی۔ زرغام اُسی کی طرف متوجہ تھا۔

وہ پلکیں جھکا کر جھجکتے ہوئے بولی۔ ''سر! ابھی تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہوا تو میں آپ ہی سے کہوں گی۔''

''یار! ابھی کہہ رہی تھیں، مسئلہ ہے اب کہہ رہی ہو نہیں ہے۔ Well تمہیں کسی قسم کی بھی Help چاہیے تو مجھے ضرور بتا دینا۔ Realy مجھے اچھا لگے گا۔'' زرغام نے واقعی خلوص سے پیشکش کی۔

اُسی لمحے ملازم آرڈر کیا ہوا ناشتا لے کر اندر چلا آیا تو تابندہ کچھ کہتے کہتے رہ گئی۔ وہ اُس سے مدد تو چاہتی تھی مگر نہ جانے کیا احساس تھا جو اُسے روک رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

☆.....☆

''جھوٹا، فریبی، دھوکے باز، چھوڑوں گی نہیں میں اُسے..... میں کہہ رہی تھی نا پھوپو، وہ مکار انسان کبھی مجھے اپنے ساتھ نہیں لے کر جائے گا۔'' نائلہ بھائیوں کے فلیٹ میں آتے ہی زریں بیگم سے رابطہ کر کے اپنی بھڑاس نکال رہی تھی۔

''صبر سے میری بچی..... آرام سے۔ یہ دھوکا اُس نے تمہارے ساتھ نہیں، میرے ساتھ کیا ہے۔ اب دیکھنا میں اُس کا کیا حشر کروں گی۔'' زریں بیگم نے بھی اپنا غصہ بمشکل ضبط کر کر کھا تھا۔

وہ بھی توقع نہیں کر سکتی تھیں کہ اسود علی انہیں دھوکا دے گا۔ اُن کی آنکھوں میں دُھول جھونک جائے گا۔ اندر ہی اندر تو وہ بھی تلملا رہی تھیں مگر اس وقت انہیں نائلہ کی فکر تھی۔

''آپ نے پہلے کیا کیا ہے پھوپو اور اب کیا کر لیں گی۔ وہ ہمیشہ میری تذلیل کرتا رہا اور آپ میرا تماشا دیکھتی رہیں۔ اب جو کروں گی، میں خود کروں گی۔ اُس نے میرا تماشا بنایا ہے نا، اب میں اُس کا تماشا بناؤں گی۔'' نائلہ چیخ چیخ کر بول رہی تھی۔

اُس کی آواز پورے گھر میں بھی نہیں گونج رہی تھی بلکہ زریں بیگم کے کان کا پردہ بھی جیسے پھاڑے دے رہی تھی۔

نائلہ کی دونوں بھابیاں کوفت و ناگواری بھرے تاثرات کے ساتھ بیٹھی اُسے دیکھ رہی تھیں۔

''نائلہ میری بات سنو بیٹا، جوش سے نہیں، ہوش سے کام لو۔ تم اس وقت اپنے بھائیوں کے گھر پر ہو۔ انہیں پریشانی مت دو، تم ایک دو دن میں واپس آجاؤ، پھر ہم کل کر اسود سے نمٹتے ہیں۔'' زریں بیگم نے ایک بار پھر اُسے سنبھالنے کی کوشش کی۔

''نہیں آنا مجھے۔ آپ کو نہیں پتا میری کتنی انسلٹ ہوئی ہے۔ سب ہی کو پتا تھا، میں سنگاپور جا رہی ہوں۔'' وہ روتے روتے چیخ کر بات کر رہی تھی۔ ''اُسے وہاں رنگ رلیاں منانی تھیں تب ہی تو مجھے نہیں لے کر گیا۔ اب جب تک وہ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ کر مجھے نہیں لے جائے گا، میں نہیں آؤں گی۔ کہہ دینا اسے۔'' نائلہ نے سیل فون بند کر کے صوفے پر پٹخا اور خود بھی دھم سے بیٹھ گئی۔

''نائلہ، اتنا غصہ دکھانے کا کوئی فائدہ نہیں، پھوپو کہہ رہی ہیں نا، ویسے بھی تم اپنا معاملہ اپنے گھر میں ہی سلجھاؤ تو زیادہ بہتر نہیں ہے؟'' بھابی نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی تو نائلہ اُس پر چڑھ دوڑی۔

''اپنے گھر؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا چاہتی ہو تم؟ میں ابھی واپس چلی جاؤں؟ سن رہے ہو تنویر، تم اپنی بیوی کی باتیں۔ ابھی مجھے دو گھنٹے نہیں ہوئے آئے ہوئے اور یہ مجھے واپسی کی راہ دکھا رہی ہے۔'' نائلہ نے بپھرتے ہوئے بھائی کو بھی رگیدا۔

تنویر گھبرا کے صفائی دینے لگا۔ ''نائلہ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ نزہت کا یہ مطلب نہیں ہے۔''

''اور پھر کیا مطلب ہے؟ بیوی کی صفائیاں کیسے دے رہے ہو۔ بہن کا ذرا خیال نہیں ہے۔ کبھی پوچھا ہے تم لوگوں نے آکر وہ خبیث انسان کیا کر رہا ہے میرے ساتھ۔'' وہ رونے لگی۔

نزہت نے سنجیدگی سے دونوں کو دیکھا اور وہاں سے چلی گئی۔

''کیا کر رہا ہے وہ تمہارے ساتھ۔ اتنے ہٹ سے تو رو رہی ہو۔ نوکر چاکر ہیں۔ گاڑیوں میں گھومتی پھرتی ہو۔ اب مرد اپنے کام دھندے کے وقت بھی عورت کا دم چھلا ساتھ رکھیں تو کام کس وقت کریں گے۔'' نائلہ کی

بڑی بھابی جبین نے کافی اکھڑ لہجے میں کہا۔

جبین اُن کی خالہ زاد بھی تھی۔ نائلہ نے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھابی میں تم سے نہیں، اپنے بھائی سے بات کر رہی ہوں۔ تم میرے معاملے میں نہ ہی بولو تو اچھا ہے۔''

''کیوں نہ بولوں، میں تمہارے معاملے میں؟.....'' جبین کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں۔

''ہر تیسرے ہفتے تم ہمارا سکون خراب کرنے چلی آتی ہو۔ ہمیں اتنا ستاتی ہو، تو اُس بے چارے کا کیا حال کرتی ہو گی۔ ہمیں دو دو سال سے پیکے (میکہ) جانا نصیب نہیں ہوا۔ تمہارے بھائیوں کو ہمارا ہی احساس نہیں ہے مگر بہن کو نہیں دیکھتے کہ.....''

''اچھا! بس بھابی جی ابھی تو گل مکائیں۔ یہ کون سا ساری زندگی اِدھر رہنے آتی ہے۔ دو چار دن کے لیے ہی تو آتی ہے۔'' تنویر نے بہن کی شکایتی نظریں دیکھ کر بھابی کو ٹوکا۔

''میرے گل مکانے سے کیا ہو گا۔ گل تو دیکھنا اک دن نک ہی جاتی ہے اگر تم دونوں بھائی اس کے حمیتی (حمایتی) رہے تو۔ اپنا بوریا بستر اوی یہاں سے لپیٹ لو۔ پتا ہے ناتم دونوں بھائیوں کے کاروبار میں اُسی کا پیسہ لگا ہوا ہے۔'' جبین نے بے زاری سے دیکھتے ہوئے تنویر کو احساس دلایا۔

''لگا ہوا ہے تو کیا ہوا۔ اُس نے کوئی احسان کیا ہے۔ اُدھار دیا تھا اُس نے۔ کر دیں گے میرے بھائی واپس۔'' نائلہ بھک بھک کر روتے روتے بولی۔

جبین صبر جھٹک کر کمرے سے بڑبڑاتی ہوئی نکل گئی۔ ''ہونہہ کر دیں گے واپس۔ پلے کچھ ہو گا تو کریں گے۔''

تنویر بھابی کے جاتے ہی بہن کی دلجوئی کرنے لگا۔ کچھ بھی تھا، آخر اُسی کی وجہ سے تو اُن کا کاروبار چلتا تھا۔

''بس کر دے نائلہ۔ چپ ہو جا میری بہن، ان عورتوں کو تو بولنے کی عادت ہے۔ حسد کرتی ہیں تجھ سے تو جب تک جی چاہے یہاں رہ میں..... اُسود سے میں خود بات کروں گا۔'' تنویر نے اُس کا کندھا تھپتھپایا۔

''اُس سے تو میں خود ہی نمٹوں گی۔'' وہ نخوت سے بولتی ہوئی بھائی کا ہاتھ جھٹک کر رہ گئی۔

☆.....☆

علیشہ انصاری، خالد عظیم اور اپنے Crew کے ساتھ ایک اشتہار فلم بند کر کے لوٹی تو مطمئن ہونے کے ساتھ متاثر بھی تھی۔

وہ اپنے پلان کیے ہوئے وقت سے بہت جلدی فارغ ہو کر اب واپس ہوٹل آگئی تھی۔ اسی لیے وہ خالد کے ساتھ ہوٹل کی لابی میں بیٹھی چائے پینے کے ساتھ ساتھ دن بھر کے کام پر تبصرہ کر رہی تھی۔

''خالد! تم نے فوٹس کیا۔ نئی جگہ اور نئے ماحول کے باوجود ہم لوگ کتنی جلدی Free ہو کر آگئے۔ سب کچھ پہلے سے Organize تھا۔ صرف اس لیے.....'' اپنے سوال کا خود ہی جواب دیتے ہوئے وہ اطمینان سے چائے کے کپ سے گھونٹ بھرنے لگی۔

''ہاں..... یہ بات تو ہے اور تم نے سیموئیل مرینڈو کا اسٹوڈیو دیکھا۔ I am very impressed۔ اتنی کم جگہ کے باوجود اتنا کچھ تھا۔ اُن کے اسٹوڈیو میں کہ مجھے تو اپنے خواب کی تعبیر لگا۔ میں ہمیشہ ایسا ہی اسٹوڈیو بنانے کے خواب دیکھتا ہوں۔'' خالد کافی متاثر سا تھا۔ اُس کے احساسات اُس کے چہرے اور لہجے میں بھی عیاں تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم تو صرف خواب دیکھ رہے ہو ڈیئر فرینڈ، میری تو Planing میں ہے ایسا اسٹوڈیو۔ Actually dreem تو یہ میرا ابھی بڑا پُرانا ہے۔ میں نے سوچا بھی یہی تھا کہ پاکستان میں settle ہوتے ہی اپنے خواب کی تعبیر مکمل کروں گی مگر آتے ہی زرغام بخاری کی offer نے Catch کرلیا اور میرا خواب، خواب ہی رہ گیا مگر اب انشاء اللہ، میں اس پر کام شروع کرنے والی ہوں۔" علیشہ نے چائے کے گھونٹ بھرتے بھرتے اپنی بات مکمل کی۔

خالد نے اس کے چہرے پر حسرت سے نظر ڈالی۔ "تم تو خوش نصیب ہو۔ اپنا خواب پورا کرنے کی قدرت بھی رکھتی ہو اور اہلیت بھی۔ مجھے تو شاید ایک زمانہ لگ جائے گا۔ پھر بھی دیکھو، حسب خواہش کچھ ملے گا یا......"

علیشہ نے آخری گھونٹ بھرتے ہوئے چونک کر اُسے دیکھا۔ "کیوں نہیں ملے گا۔ محنت کرو گے تو ضرور ملے گا اور سنو میرے پاس جو کچھ ہے میرا ذاتی سرمایہ تو نہیں ہے۔ بس کچھ مجھے Parents سے ملا ہے، میں ان ہی کی چھوڑی ہوئی پراپرٹی Utilize کروں گی۔ Any way تمہیں اپنے خواب کی تعبیر کے لیے جہاں میری ضرورت پڑے، مجھے ضرور پکارنا، میں تمہارے ساتھ ہوں...... فی الحال، تم میرے ہر Project میں میرے ساتھ ہو، او کے۔" علیشہ نے نہایت خوب صورتی سے خالد کو اُس کے احساس سے باہر نکالا۔

اگلے ہی لمحے، وہ اُس کی باتیں سنتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں اُسے مشورے دے رہا تھا۔

☆......☆

رات کے کھانے تک، زریں بیگم نے بڑی مشکل سے خود پر ضبط کیا تھا۔ اُن کا غصہ البتہ پورے دن میں سب ہی کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ شمسہ اور سنبل اپنے آپ کو مصروف رکھتے ہوئے کبھی اُن سے بچتی تھیں اور کبھی اُن کے زیرِ عتاب تھیں۔

زریں بیگم کے غصے کا گراف نائلہ کی روانگی کے باوجود اتنا کیوں بڑھ گیا ہے۔ یہ بات قابلِ توجہ تھی۔ ڈائننگ روم میں سب ہی کے بیٹھ جانے کے بعد اُنہوں نے بدلحاظی کے ساتھ ظہیر اکبر کو مخاطب کیا۔

"تمہیں معلوم ہے ظہیر اکبر، تمہاری عیاشی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تمہاری اولاد نے کیا کیا ہے؟" زریں بیگم کا لہجہ و انداز اس قدر اہانت آمیز تھا کہ سب ہی نے چونک کر پہلے زریں بیگم اور پھر ظہیر اکبر کو دیکھا۔

اولاد کے سامنے بے عزت کیے جانے کی سرخی اور دبا دبا غصہ ظہیر اکبر کے چہرے سے یکدم عیاں ہونے لگا تھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟ اس وقت، اس بات کا کیا مقصد ہے؟" ظہیر اکبر نے کھانے سے ہاتھ روک کر پلیٹ پرے ہٹائی۔

"مقصد اور مطلب، مجھ سے پوچھو گے تو بات ان نا سمجھ بچوں کی سمجھ میں بھی آجائے گی۔" زریں بیگم نے اُسی طرح تنفر سے چیختے ہوئے اپنے پوتے اور پوتیوں کی طرف اشارہ کیا۔

سنبل فوراً اُٹھی۔ شاکی نظروں سے عباد کو دیکھتی، بیٹے کو زبردستی کھینچ کر وہاں سے لے گئی۔ شمسہ کو بھی یکدم اُٹھنے والے ہنگامے کا احساس ہوا تو پروین کو بُلا کر، اپنے بچوں کو بھی اُس کے ساتھ جانے کا کہہ کر سنجیدگی سے دونوں کو مخاطب کیا۔

"آپ لوگوں کو کچھ احساس ہے کہ آپ لوگوں کے آئے دن کے جھگڑوں کا ہمارے بچوں پر کیا اثر ہوگا۔ کوئی مسئلہ ہے تو کھانے کے بعد بھی ڈسکس ہو سکتا تھا۔"

"سنو شمسہ، تمہیں درمیان میں بولنے کا حق کس نے دیا؟ میں اپنے مسئلے کہیں بھی بیٹھ کر اُٹھاؤں۔ رہی بات بچوں کی تو وہ ہمارے ہیں، اُنہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دادا نے اُن کی دادی پر کیسا ظلم ڈھایا تھا۔" زریں بیگم تقریباً دہاڑتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ "سوکن کا جلایا، میری ساری جوانی راکھ کر گیا اور اب اُسی کی اولاد نے میری بھتیجی کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ سچ سچ بتاؤ، ظہیر اکبر تمہیں پتا تھا نا کہ وہ نائلہ کو دبئی چھوڑ کر جائے گا۔ ایسی چالبازی اُس نے تم ہی سے سیکھی ہوگی۔"

زریں بیگم کے الفاظ سب ہی کو حیران کر گئے۔ نائلہ دبئی میں ہے۔ یہ خبر سب ہی کے لیے نئی اور حیران کن تھی۔ سنبل آتے آتے فاصلے پر ہی ٹھٹھک کر کھڑی رہ گئی جبکہ شمسہ، حماد، عباد اور ظہیر اکبر ششدر سے تھے۔ زریں بیگم کے آتش فشاں غصے کی وجہ، اب سب ہی فیملی ممبرز کی سمجھ میں آرہی تھی۔

"زر...... یں...... تم اب حد سے گزر رہی ہو۔ جس عمل کے تم مجھے طعنے دیتی ہو، اُس کے لیے مجھے مجبور بھی تم ہی نے کیا تھا۔ میری غربت و تنگدستی سے اگر اُس وقت تم نے سمجھوتا کیا ہوتا تو آج تمہیں میرے بچوں کے سامنے ذلیل کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔" ظہیر اکبر کے صبر کا پیمانہ بھی چھلک گیا تھا۔ وہ جھٹکے سے اُٹھتے ہوئے بولے۔ "آج یہ عیش و عشرت، تمہیں میری اُسی اولاد کی وجہ سے حاصل ہیں، جس کے سانس لینے پر بھی تمہیں اعتراض ہے۔ اپنی بھتیجی کو پہلے اُس کے قابل تو بناؤ پھر کچھ کہنا۔"

ظہیر اکبر کو نہ جانے آج کیا ہوا تھا، سب ہی حیرت سے کھڑے اُنہیں بولتا سُن رہے تھے۔ پھر وہ سب کو حیران چھوڑ کر وہاں سے نکل گئے۔ زریں بیگم بھی لمحہ بھر کو تو کچھ بھی بول نہ سکیں۔

"آنے دو اُسے، میں پھر بتاؤں گی کہ کون کس کے قابل ہے۔ ناک سے لکیریں نہ کھنچوائیں تو میرا نام نہیں۔ مجھ سے دھوکا، مجھ سے فریب بہت مہنگا پڑے گا۔ ظہیر اکبر تمہیں اور تمہارے چہیتے کو۔" زریں بیگم دندناتی ہوئی وہاں سے نکل گئیں۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

☆......☆

اُنہیں بھی اسود کی جرأت پر جیسے یقین نہیں آیا تھا۔ "یہ شخص آخر چاہتا کیا ہے؟ ایک دفعہ ہی کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر لیتا، مما کو بھی ٹینشن دے رکھی ہے اور گھر کا ماحول بھی خراب کر رکھا ہے۔ نائلہ اُس کے معیار کی نہیں تھی۔ یہ اُسے پہلے نظر نہیں آرہا تھا۔" حماد نے بے اختیار اپنی جھنجھلاہٹ کا اظہار کیا۔

"کچھ غلطیوں کے کرنے کے بعد انسان کو اپنے نقصان کا اندازہ ہوتا ہے۔" عباد نے گہری سنجیدگی سے اسود کی حمایت کی۔

"اُس کا کیا نقصان ہوا؟ اپنی من مانی کرتا ہے ہر معاملے میں، اب ضرورت کیا تھی اُسے نائلہ کو ساتھ لے جانے کی؟ اگر اسے راستے میں چھوڑنا تھا۔ اب جب تک وہ واپس نہیں آئے گا، مما اسی طرح ہمارا سکون خراب رکھیں گی۔" حماد کو بھی غصے اور جھنجھلاہٹ نے گھیر لیا تھا۔

"اُفوہ...... پلیز حماد، اب آپ دونوں بھائی تو مت اُلجھیں۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ مما کو خود اس بات کا اندازہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ نائلہ کو اس طرح اچانک کیسے اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا۔ خیر میں بچوں کے پاس جا رہی ہوں۔ آرام سے کھانا کھائیں، میں ابھی آتی ہوں۔" شمسہ نے حماد کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ سنبل کو بھی جاتے جاتے اشارہ کیا کہ وہ عباد کو سنبھالے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''عباد...... آپ پلیز مما کو بُلا کر لائیں۔ اُنہیں رات کو بھوکے رہنے کی عادت نہیں ہے۔ اُن کا بی پی شوٹ کر جائے گا۔ بعد میں سب ہی کو پریشانی ہوگی۔''

''مم...... میں......'' عباد کچھ گھبرایا۔ ''سوری، یہ کام حماد بھائی کر سکتے ہیں۔ مما ان ہی کی مانتی ہیں۔ میں پاپا کو بُلا لاتا ہوں۔'' عباد ایکدم اُٹھ کر جانے لگا تو حماد نے اُسے روکا۔

''دونوں کو ایک جگہ اکٹھا کرو گے تو مزید بدمزگی ہی ہوگی۔ تم بیٹھو، کھانا کھاؤ، بعد میں اُنہیں بھی کھانا کھلانا ہے۔ تب تک ان دونوں کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

حماد سے ایسی مصلحت آمیزی کی توقع نہیں تھی۔ سُنبل دل میں حیرت لیے تائیدی انداز میں سر ہلاتی، حماد اور عباد کے لیے کھانا پھر سے گرم کروانے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

☆......☆

تابندہ کمرے میں سونے کے لیے اپنی جگہ پر لیٹی تو ردا بے چینی اور بے تابی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کے قریب آ بیٹھی، اس کی نظریں نیم وا دروازے پر تھیں اور چہرے پر کچھ جاننے کی جستجو نے لہجے کو دھیما کر دیا تھا۔

''آ...... پی...... کہ...... م...... ملی...... ہو؟ اس سے میرا مطلب ہے تم نے بات کی۔ نہ...... و...... ید...... سے۔''

تابندہ نے سنجیدگی سے اُسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر ناامیدی سی تھی۔ ''نہیں میں نہیں مل سکی البتہ......''

''کہ...... کیوں نہیں ملیں؟ آپی تم نے تو کہا تھا کہ تم اُسے ملو گی اور امی ابو کو بھی مناؤ گی۔ کہیں تم مجھے بہلا تو نہیں رہی ہو؟ دیکھو آپی، میں صاف کہہ چکی ہوں کہ مر جاؤں گی مگر نوید کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کروں گی۔'' ردا کے چہرے اور لہجے پر بدگمانی جھلک رہی تھی۔

تابندہ نے اُسے قدرے افسوس سے دیکھا۔ ''آہستہ بولو ردا۔ تم نے میری پوری بات نہیں سنی اور اپنی سنانی شروع کر دی۔'' تابندہ نے ناراضگی سے کہا۔

''میں اُس سے نہیں ملی مگر میں نے اُس سے فون پر بات ضرور کی تھی اور اُس سے بات کرنے کے بعد سے میں مسلسل سوچ رہی ہوں کہ آخر تم نے اُس انسان میں کیا دیکھا ردا! جسے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے اور......'' بات کرتے کرتے تابندہ کی نا صرف آنکھیں بھر آئیں بلکہ لہجے میں بھی خراش سی آ گئی تھی۔

''آپی اُس نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی کی ہے؟ تم نے مجھے منع کر دیا تھا، ورنہ میں اُسے سمجھا دیتی کہ تمہارے ساتھ ذرا ڈھنگ سے بات کرے۔ اب دیکھو نا آپی گلی محلوں میں رہنے والے افسروں کی طرح تو بات چیت نہیں کر سکتے۔ اکلوتا ہے نا، اسی لیے ذرا اکھڑ سا ہے۔'' ردا اپنی دُھن میں تھی۔

اُس کی خوش فہمی اُسے مطمئن کیے ہوئے تھی کہ اب حالات اُس کے اختیار میں ہیں۔ تابندہ نے اُسے غصے سے دیکھتے ہوئے زچ ہو کر کہا۔

''ردا...... ردا! تم اتنی ناسمجھ تو نہیں تھیں، تمہیں پتا ہے۔ تمہارے لیے وہ اچھا ثابت نہیں ہوگا۔ نشہ کرتا ہے وہ اور نہ جانے کیا کیا عیب ہوں گے اُس میں۔ میں تمہیں خود کو برباد کرنے نہیں دوں گی۔'' تابندہ نے اُسے جھنجھوڑ کر احساس دلایا۔

''تم سے کس نے کہ...... وہ نشہ کرتا ہے؟ تم تو اُس سے ملی ہی نہیں ہو، تو پھر؟ دیکھو آپی۔ تم لوگ کچھ بھی کر لو۔ مجھے مجبور نہیں کر سکتے یا تو تم لوگ میری بات آرام سے مان لو یا پھر میں اس گھر سے ہی چلی جاؤں گی اور یہ

میری دھمکی نہیں ہے۔ اب میں ایسا کر گزروں گی۔'' ردا جھٹکے سے اُٹھی اور اپنی چارپائی پر جا لیٹی۔

تابندہ اُسے افسوس سے دیکھتی رہی اور پھر آخر تھک کر لیٹ گئی۔ چڑھتے دریا پر بند باندھنا کیوں مشکل ہوتا ہے، اُسے آج یہ بات سمجھ آ رہی تھی۔

☆......☆

''بی بی صاب، شاہ جی نے کہا ہے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہاں تمیں آپ دی حفاظت دا بندوبس (بندوبست) کر دیتا ہے۔ آپ ایوئیں پریشان ہو رہے او......'' ماسی بختے نادیہ کے خدشوں کا جواب تسلی و دلاسے کی صورت لے کر آئی تھی۔

نادیہ پریشان و بے چین تھی۔ پھر ابھی زرغام کی آمد بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اُس کے سونے کے بعد ہی عمل شروع کر سکتی تھی۔

''کیا کروں ماسی۔ دل کچھ ڈر سا گیا ہے۔ اُس رات جو ہوا تھا اگر اب پھر ہوا تو میں تو مر ہی جاؤں گی۔''

''کج نئیں ہوتا بی بی صاب۔ جب پیر شاہ جی نے کہہ دیتا ہے تو۔ آپ من کے تو دیکھیں۔ فیر وی آپ کو وہم ہے تو آپ خود ای شاہ جی سے گل کر لیں۔ شید (شاید) اُن کے پاس کوئی حل ہو۔'' ماسی، نادیہ کے بیڈ کے پاس سے اُٹھتے ہوئے بولی۔

نادیہ کے چہرے پر واضح کشمکش سی تھی۔ ''ح...... ل...... تو ہوگا مگر میری کم ہمتی شاہ جی کو ناراض نہ کر دے۔ وہ میرے لیے اتنا کر رہے ہیں اور میں...... میں اپنے لیے ہی چند راتیں نہیں جاگ سکتی۔ نہیں میں کر لوں گی۔ بس تم بھی دعا کرنا۔'' نادیہ نے جیسے خود کو سنبھالتے ہوئے اپنی ہی ہمت بندھائی۔ ''ہا...... ں جی۔ میں کیوں نئیں کروں گی دعاواں۔ میری تو لُوں لُوں (رواں رواں) آپ کے واسطے دعا کرتی ہے بی بی۔ بس آپ ہُن مصلے پر بیٹھ جاؤ۔ بارہ وَج گئے ہیں۔ اس کے بعد آپ کو بولنا نئیں ہے۔ شاہ جی کی ساری ہدیت (ہدایت) یاد کر کے اپنی نیت بنا لیں اور بس فیر دیکھیں۔ آپ کے سارے کم سدھے (سیدھے) ہو جان گے۔'' ماسی بولتی بولتی اُس کے کمرے سے نکل گئی۔ عمل کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ وہ وضو کر کے بیٹھی ہی تھی۔ وقت ضائع کیے بنا ہی وہ کمرے میں موجود جاء نماز بچھانے کو جھکی۔ اس کے ہاتھ نہ جانے کیوں آج لرز رہے تھے اور وجود میں سنسنی سی دوڑ اُٹھی تھی۔ دل کی دھڑکن کانوں میں بھی گونجنے لگی تھی۔ دھڑکن کی آواز اتنی تیز محسوس ہو رہی تھی، جیسے کسی نے کمرے میں اُسی آواز کی ریکارڈنگ، سسٹم میں لگا دی ہو۔ نادیہ نے پھر بھی جاء نماز مخصوص جگہ پر بچھا کر تسبیح ہاتھ میں تھام لی۔ تب ہی دروازے پر اُسے قدموں کی اجنبی چاپ سنائی دی۔ کوئی دروازے پر تھا۔ اُس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی۔ وہ دروازے کی طرف رخ موڑے دیکھتی رہی۔ اُسے لگ رہا تھا، ابھی کوئی اندر آ جائے گا۔ کون؟ یہ سوچ کر ہی اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ اُٹھنا چاہ رہی تھی مگر اُٹھ نہیں پا رہی تھی۔ پوچھنا چاہتی تھی مگر اُس کی گویائی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ بس اُس کی بصارت اُس کے ساتھ تھی یا سماعت۔ دروازہ بند تھا مگر قدموں کی چاپ اُسے دروازے سے اندر محسوس ہو رہی تھی۔ وقت ٹھہر گیا تھا یا اُس کے محسوسات......

نادیہ کو کچھ یاد نہیں تھا کہ وہ کیا کرنے بیٹھی ہے۔ یاد تھا تو صرف یہ کہ آج کی رات پھر کوئی اُس کے تعاقب میں ہے۔ کون؟ اُس کی سوچ بھی ماؤف تھی اور ذہن بھی۔ کمرے کے اندر دروازے کے پاس کسی کے خون کی لکیر سی کھنچی نظر آ رہی تھی۔ نادیہ کی نگاہ اُس لکیر پر جم کر رہ گئی تھی اور حواس بھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

☆......☆

نادیہ کے ساتھ چھوڑتے حواسوں اور معدوم ہوتی بصارت نے کسی ہیولے کو اندر آتے دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ پھر اُس کے بعد اُسے خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے؟

زرغام نے جیسے ہی کمرے کا دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل پر ہاتھ رکھا، معمول کے مطابق لائٹ چلی گئی۔ جتنی دیر میں جنریٹر آن ہوا وہ دروازہ کھول کر اندر قدم رکھ چکا تھا۔ صرف چند ساعتیں صرف ہوئی تھیں۔ اندھیرے کو دوبارہ روشنی سے منور ہونے میں...... زرغام کی نگاہ جائے نماز پر سجدے میں پڑی، نادیہ پر جا رکی۔

نادیہ کو اس طرح سجدے میں پڑے دیکھ کر زرغام کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی، اپنی اُسی کیفیت کے زیرِ اثر اُس نے نادیہ کو تلخی سے پکارا۔

''نا......دیہ......نادیہ اُٹھو! یہ کیا روز کا معمول بنا لیا ہے تم نے۔ جب گھر آؤ تم اپنے ہی کسی ڈرامے میں مشغول ہوتی ہو۔'' زرغام کی آواز نادیہ کو خوف کے کسی مہیب غار سے نکال کر لائی تھی۔

وہ سیدھی ہو کر بیٹھی تو اُس کے چہرے پر وحشت صاف نظر آ رہی تھی۔ زرغام کو دیکھتے ہی جیسے اُس کے حواس اور سوچیں معمول پر آنے لگیں۔ اُس کی ٹھہری ہوئی حسیات متحرک ہو گئیں۔ یقیناً کچھ لمحے پہلے وہ جو کچھ محسوس کر رہی تھی اور اُس نے جو کچھ دیکھا تھا، وہ اُس کا وہم تھا یا دہ بندش اور رکاوٹ جو اُس کے عمل کی راہ میں حائل تھی، اب اُسے یقین ہو گیا تھا کہ کوئی اُسے روکنا چاہتا ہے مگر پیر شاہ کے دیے گئے اعتماد کے ساتھ وہ اپنا آج کا عمل ضائع نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ اِسی لیے زرغام کی بات کا جواب دیے بغیر وہ اپنی تسبیح اُٹھا کر ورد میں مشغول ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

''نادیہ میں تم سے مخاطب ہوں۔ تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہی ہو؟'' زرغام قدرے جھنجلا کر بولا تو جواباً نادیہ نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے انگلی لبوں پر رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ جس پر وہ مزید تپ گیا۔ ''میری خاموشی تمہیں بہت مہنگی پڑ سکتی ہے نادیہ۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔ کٹھ پتلی نہیں ہوں جسے تم اپنے اشاروں پر گھمانا چاہتی ہو۔ بہت پچھتاؤ گی تم۔'' زرغام جس طرح آیا تھا، اُسی طرح کمرے سے باہر نکل کر گیسٹ روم میں آ گیا۔

نادیہ کے لیے اُس کے دل میں ہزاروں شکوؤں کے ساتھ کچھ اور بھی پیدا ہو رہا تھا۔ نفرت یا بیگانہ پن۔ فی الحال وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

☆......☆

فلک دیکھوں زمیں دیکھوں
جہاں دیکھوں تیرا چہرہ وہیں دیکھوں

یہ گنگناہٹ علیشہ کو بہت قریب سے آتی محسوس ہوئی تھی، اپنے کمرے (ہوٹل کے) کا قفل کھولتے کھولتے اُس نے پلٹ کر دیکھا تو پہلے اُسے اپنا وہم لگا۔ سامنے کے دروازے کے پاس روم سروس بوائے کے ساتھ کھڑا اسود علی!!! یہ اُس کا وہم نہیں تھا۔ پَل بھر کے لیے تو اُس کا دورانِ خون اس تیزی سے گردش کرتا اُس کی کنپٹیوں میں زور آور لہروں کی طرح ٹکرا کر جیسے واپس پلٹ گیا۔ خود کو سنبھالنے میں اُسے چند لمحے ضرور لگے تھے۔ اُس نے بالآخر اسود کو نظر انداز کر کے ہوٹل کے کمرے کا دروازہ کھولا۔

اُسی لمحے اسود علی بھی اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دھیمی روشنی میں اُس کے چہرے پر پھیلی حیرت و خوشی دیدنی تھی۔ وہ بے اختیار ہی اُس کی طرف لپک کر آیا۔

"What a surprise!!! can`t believe it."

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری خواہش اس طرح......'' اسود علی بے اختیار اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا، جیسے کسی بچے کو اُس کا من پسند کھلونا ملا ہو۔

علیشہ اُسے عجیب نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

''Thank`s god'' اسود نے سر اونچا کر کے شکرانہ ادا کیا۔

اس دوران علیشہ قفل کھول چکی تھی۔ سروس بوائے بھی اسود کا سامان سامنے والے کمرے میں لے جا چکا تھا۔

''علیشہ......! علیشہ پلیز میری بات سنو، کہیں تم یہ تو نہیں سمجھ رہیں کہ میں تمہارے پیچھے...... یقین کرو، یہ محض اتفاق ہے کہ......'' اسود کے چہرے اور لہجے میں چھلکتی خوشی اُس سے خود بھی نہیں سنبھالی جا رہی تھی۔

''Its ok۔ میں نے آپ سے کچھ کہا ہے اور پلیز اب آپ بھی یہ Excuses دینا چھوڑ دو۔ میں جانتی ہوں کہ آپ بھی یہاں اسی سلسلے میں آئے ہیں جس سلسلے میں، میں......!'' علیشہ نے بات ختم کرنا چاہی۔

''علیشہ! مجھے پتا نہیں کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ تم نے مجھے دل سے معاف نہیں کیا۔ پلیز مجھے بتاؤ، میں ایسا کیا کروں جو تمہارا دل میری طرف سے صاف ہو جائے۔''

اسود اُس کے کمرے کے دروازے کے پاس والی دیوار کے پاس ٹیک لگا کر بازو اپنے ہی گرد لپیٹے کھڑا، آنکھوں میں شرارت اور چہرے پر مصنوعی بے چارگی لیے پوچھ رہا تھا۔

علیشہ نے زچ ہو کر دیکھا۔ ''سب سے پہلا کام تو تم یہ کرو کہ اپنے Room میں جا کر آرام سے یہ سوچو کہ تم اپنے کہے کو کیسے ثابت کر سکتے ہو۔ پھر مجھ سے بات کرنا۔ Good by۔'' علیشہ نے خاصی سنجیدگی سے کہا اور اپنے کمرے کا دروازہ کھولتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

''اسود رخ موڑے، خوب صورت احساس کے ساتھ وہیں کھڑا کسی سوچ میں گم تھا۔ روم سروس بوائے نے آ کر اُسے متوجہ کیا۔ تو وہ اُسے ٹپ دینے کے بعد اپنے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھتے بڑھتے بھی مڑ کر علیشہ کے کمرے کو ہی دیکھ رہا تھا۔ اپنی دیوانگی پر اُسے خود بھی حیرت تھی۔

☆......☆

''دیکھ نیلا (نائلہ) تجھے بھی سمجھایا تھا کہ اپنا کلا (مقام) ٹھوک کے رکھ۔ عورت کا گل گل یہ اُس کے پیکے (میکے) آنا مرد کی انا کو چوٹ لگاتا ہے۔ وہ بار بار منانے کی خواری چکنے سے بہتر سمجھتا ہے کہ اپنا پلہ چھڑا لے۔ پر تو کدی ساڈی من دی ہی نہیں ہے۔''

نائلہ کا بڑا بھائی منیر رات گئے آیا تو نئے سرے سے نائلہ نے اپنا دکھڑا رو کر ہنگامہ برپا کیا۔ ساری بات سُن کر منیر نے جس طرح اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ اُس پر وہ مزید بھڑک اُٹھی۔

''منیر بھائی، تم بھی مجھے ہی الزام دے رہے ہو؟ بڑے افسوس کی بات ہے۔ بھائی تو بہنوں پر جان نچھاور کر دیتے ہیں۔ سمجھ آ رہی ہے مجھے بھی کہ تم دونوں اپنی بیویوں کی زبان بولنے لگے ہو۔ ورنہ آج مجھے اتنی باتیں نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سناتے۔ کتنی بار بتاؤں تمہیں۔ میں ناراض ہو کر نہیں آئی۔ وہ خود چھوڑ کر گیا ہے مجھے۔'' وہ بولتے بولتے چیخ اُٹھی۔

''پہلی دفعہ ''وہ'' چھوڑ کر گیا ہے۔ پر ہمیشہ تو تُو خود آتی ہے نا۔'' جبین نے شوہر کے سامنے چائے کا مگ رکھتے ہوئے نہایت بدتمیزی سے کہا۔

''بس بہت کر لی ہے تم نے میری بے عزتی بھابی۔ اتنی تو کبھی میں نے اپنے سسرال والوں کی نہیں سُنی۔ چلی جاؤں گی میں کل ہی۔ پڑ جائے گی پھر سب کے کلیجوں میں ٹھنڈک۔ مجھے بھی اس ڈربے جیسے پنجرے میں رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' نائلہ تو شروع سے ہی بدلحاظ اور سر چڑھی تھی۔ اپنے حُسن کا غرور بھی تھا اور بھائیوں کے مقابلے میں ایف اے تک پڑھائی کا زعم بھی۔ اُس پر سسرال اور شوہر کی امارت و حیثیت کا طرہ، وہ ہمیشہ اپنے سر پر رکھ کر بھائیوں اور بھابیوں کو زیر رکھنے کی کوشش بھی کیا کرتی تھی۔

''اتنی اکڑ والی ہوتی تو چوتھے دن اس ڈربے میں بند ہونے نہ آ جایا کرتی۔ بیٹھی رہا کرنا اپنے شیش محل میں۔ کیوں ہمارا سکون خراب کرتی ہے آ کر۔'' جبین اُس سے بے حد بیزار تھی۔

''سُن رہے ہو منیر بھائی۔ یہ اوقات ہے اب میری۔'' نائلہ نے بھائی کی توجہ حاصل کرنے کے لیے روتے روتے دہائی دی تو منیر بھی زِچ ہو کر بیوی کو ڈپٹنے لگا۔

''تُو تو چپ کر جا جبین۔ میں سمجھا رہا ہوں اُسے جا اپنا کم (کام) کر۔''

شوہر کو خفگی سے دیکھتی، بڑبڑاتی جبین دوبارہ باورچی خانے میں چلی گئی۔

منیر اُس کے جانے کے بعد نائلہ کو پھر نرمی سے سمجھانے لگا۔ ''دیکھ ایویں کِسے (کسی) کی گل کو دل پر لینے کی لوڑ نئیں ہے۔ تیرا گھر ہے یہ...... میں جبین کو سمجھاؤں گا۔ مَت ماری گئی ہے اُس کی تو...... تُو آرام کر جتنا جی چاہے رہ...... سیر سپاٹے کر...... شاپنگ کر۔ میں اَسود سے آپ گل کروں گا۔ چل شاباش سو جا ہن۔'' بھائی کی منت سماجت کے باوجود نائلہ کا غصہ کسی طرح کم نہیں ہوا۔ اُسے اس بار بُری طرح اپنی ذلت کا احساس ہو رہا تھا۔

''نہیں مجھے اب یہاں نہیں رہنا۔ تم مجھے صبح ایئر پورٹ پہنچا دو۔ میں واپس پاکستان جاؤں گی۔ یہاں میری جتنی بے عزتی ہوئی ہے، اب میں یہاں کبھی نہیں آؤں گی۔ البتہ تم دونوں اب اَسود کا قرضہ اُتارنے کی سوچو! وہاں میں تم لوگوں کے لیے اپنی بے عزتی نہیں کراؤں گی۔'' نائلہ جھٹکے سے اُٹھی اور چھوٹے سے دو کمروں کے فلیٹ کی بالکنی میں جا کھڑی ہوئی۔

سب ہی جانتے تھے، نائلہ کا غصہ وقتی اور ضد جھوٹی ہوتی ہے، بھائیوں کے معاملے میں۔ وہ ابھی نہیں جانے والی تھی۔ یہ سب ہی جانتے تھے۔

☆......☆

تابندہ کی سوچیں بار بار ردا پر آ ٹھہرتی تھیں۔ اس بپھرے ہوئے طوفان کو روکنے کا اسے کوئی رستہ مل رہا تھا اور نہ ہی کوئی طریقہ۔ اُس کے انداز و اطوار سے صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ جو ٹھان چکی ہے کر گزرے گی۔

''یا اللہ! کیا کروں۔ امی ابو تو اس کی ہٹ دھرمی پر ہی مر جائیں گے۔ اگر اُنہیں پتا چل گیا کہ میں ردا کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہی ہوں تو اُن پر تو قیامت گزر جائے گی۔ پھر میں کیا کروں؟'' تابندہ بستر سے اُتر کر کمرے سے باہر جانے لگی تو ردا کی سسکیوں کی آواز نے اُس کے پاؤں جکڑ لیے۔

وہ چادر سر تک تانے جاگ رہی تھی اور رو رہی تھی۔ تابندہ کے دل کو کچھ ہوا۔ کئی وہم، کئی وسوسے اُس کے ذہن میں سر اُبھارنے لگے۔ بے اختیار ہی وہ ردا کی طرف بڑھی مگر بولتے ہوئے آواز دھیمی رکھنے کی احتیاط اُس نے ضرور کی۔

''ردا...... ردا...... کیا ہوا ہے ردا۔ کیوں رو رہی ہو تم؟'' تابندہ نے چارپائی پر اُس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے چادر اُس کے چہرے سے ہٹائی تو ردا کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''اس طرح خود کو ہلکان کر کے تمہیں کچھ حاصل ہوگا؟'' تابندہ کے استفسار میں ہمدردی کے باوجود تلخی سی تھی۔

''اور کیا کروں۔ بتاؤ کیا کروں؟ ماں باپ کی عزت کا سوچتی ہوں تو مجھے اپنی زندگی ہر خوشی سے محروم نظر آتی ہے آپی اور اگر اپنی خوشی کی طرف جاتی ہوں تو سب ہی سے محروم ہو جاتی ہوں۔ میں کیا کروں آپی۔ بتاؤ نا کیا کروں؟'' ردا ایک بار پھر سسک اُٹھی۔

اس بار وہ چادر کے بجائے تابندہ کے کندھے پر سر رکھے ہچکیاں لے رہی تھی۔ تابندہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیسے سنبھالے، کیسے سمجھائے۔ خود کو اُس کی جگہ پر رکھتی تو اس وقت وہی حق بجانب نظر آ رہی تھی۔ کچھ لمحے تک تابندہ نے اُسے رونے دیا، پھر رسانیت سے اُسے سمجھانے لگی۔

''سنو ردا! تم غلط سوچ رہی ہو کہ امی ابو، تمہیں تمہاری خوشیوں سے محروم کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے تو ہمیشہ ہماری خوشیوں کا خیال کیا ہے نا۔''

''کیا خوشیاں دی ہیں اُنہوں نے ہمیں۔ نہ پیٹ بھر کھانا نہ تن بھر کپڑا۔ سسک سسک کر اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو بھی ہم نے مارا ہے اور آگے بھی ویسی ہی زندگی دے رہے ہیں۔ خود کو مار کر جیو۔'' ردا تلخی سے بولتے ہوئے اپنا رونا بھی بھول گئی تھی۔

تابندہ نے حیرت سے اُس کے چہرے پر پھیلے احساسات و تاثرات کو دیکھا۔ ''تمہیں یقین ہے کہ وہ شخص تمہیں زندگی کی ہر خوشی دے گا۔ تمہاری ہر خواہش پوری کرے گا۔'' تابندہ نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''ہاں...... آپی نوید نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے زندگی کی ہر خوشی دے گا۔ بڑا سا گھر۔ کپڑے، زیور...... اور......'' ردا کے چہرے پر یقین اور آنکھوں میں خوشی سی چمکنے لگی۔ ''خدا کے لیے آپی۔ تم ابو کو منا لو۔ امی سے کہو مجھے میری خوشیاں دے دیں۔ میں اُن سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گی۔''

''ٹھیک ہے ردا، اگر تم یہ چاہتی ہو تو اُس سے کہو، اپنے گھر والوں کو بھیجے۔ وہ لوگ آ کر تمہارا ہاتھ مانگیں۔ میں امی ابو کو کسی بھی طرح راضی کر لوں گی۔ بس اُسے کہو، عزت کے ساتھ آئے۔'' تابندہ کے ذہن میں نہ جانے کیا تھا۔

ردا کے البتہ اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ تابندہ وعدہ کر رہی ہے اور تابندہ کی بات امی ابو رد نہیں کرتے تھے۔ یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

''اب سو جاؤ ردا۔ رات بہت ہو گئی ہے۔'' تابندہ اُس کے قریب سے اُٹھ گئی۔

''آپی تم واقعی ابو کو منا لوں گی نا۔''

''ہاں میں ابو سے بات کروں گی اور امی کو بھی سمجھاؤں گی کہ تمہیں، تمہاری خوشی دے دیں۔'' تابندہ نے پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اپنا کہا دہرایا۔ اُس کے چہرے پر حزن و سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ ردا کو بہلانے کے سوا اُس کے پاس کوئی اور چارہ بھی تو نہیں تھا۔

☆.....☆

زرغام کے لیے نئی جگہ پر سونا مشکل نہیں تھا مگر آج باوجود کوشش کے اُسے نیند نہیں آرہی تھی۔ نادیہ سے بڑھتی ہوئی دُوری اُس کے دل کو بے کل بھی کر رہی تھی۔ نادیہ کی اُس میں عدم دلچسپی اُس کی مردانہ انا کو بار بار چوٹ لگانے لگی تھی۔ اسی لیے اُس کی نگاہ اور دل میں تابندہ سمانے لگی تھی۔ تابندہ کی توجہ، اُس کی محبت، اس کا کام سب ہی نے مل کر زرغام کے خوابیدہ جذبوں کو جگا دیا تھا۔ نادیہ کے ساتھ عام سی زندگی گزارتے گزارتے اب اُس کا بھی دل چاہنے لگا تھا کہ کوئی پھر اُسے اس قدر چاہے کہ اُسے دنیا میں کسی اور کی خبر رہے نہ ہوش۔ تابندہ کی چاہت کچھ ایسا ہی اثر دکھا رہی تھی۔ لاکھ خود کو روکنے پر بھی وہ اُسی کو سوچنے لگا تھا۔ اُسی کو پانے کی طلب اُس کی روح میں اُٹھنے لگی تھی۔

رات کے اس پہر برابر والے کمرے میں اپنی بیوی کی موجودگی کے باوجود ایک غیر عورت کی طلب اُس کے اپنے جسم و جاں کو جکڑتی محسوس ہو رہی تھی، تب ہی وہ بے کلی و بے قراری کے گہرے احساس کو لیے کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔ جذبوں کی زور آوری اُسے نئی راہ دکھا رہی تھی۔ جس پر وہ سرپٹ بھاگ جانا چاہتا تھا۔ اُسے اپنی منزل دسترس میں نظر تو آرہی تھی مگر منزل تک نہ جانے کی بے بسی ہی تو اُسے بے دم بھی کر رہی تھی۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا، اُسے خود بھی وقت کا پتا تھا نہ احساس..... اُس نے تسکین دل کے لیے تابندہ کا سیل نمبر ڈائل کر لیا۔ اُسے خود خبر نہیں تھی کہ وہ اپنے جذبوں کو پرکھ رہا ہے یا تابندہ کے..... پہلی ہی گھنٹی پر تابندہ نے اُس کی کال Receive کر لی۔ خوشگوار یت پل بھر میں اُس کے رگ و پے میں اُتر گئی۔

"Tabinda I need you really"۔

دوسری طرف بے یقینی تھی یا استفسار۔ کہنے والا بھی مبہم تھا اور سمجھنے والا بھی جیسے خوش گمان۔ Are you sure۔

"Yes"۔ تابندہ آج میں تم سے کھل کر کہتا ہوں۔ مجھے تمہاری محبت نے باندھ لیا ہے۔ تمہارا ساتھ چاہتا ہوں میں۔ کیا تم میرے ساتھ ہو۔ بنا کسی شرط کے، بنا کسی بندش کے۔" وہ پھر سے اُسے آزما رہا تھا یا خود کو۔ تابندہ تو بہت پہلے ہی اعتراف کر چکی تھی۔ اپنی بے بسی پر رونے کے بعد خود کو اُس کی محبت کے حوالے بھی کر چکی تھی۔ پھر سے اعتراف اُس کے لیے مشکل نہیں تھا۔

"ہاں زرغام میں آپ کے ساتھ ہوں۔ بنا کسی شرط، بنا کسی بندش کے۔ صرف آپ کی محبت کے سوا کچھ نہیں چاہیے مجھے....."

محبت کی نئی داستان چھڑ گئی تھی۔ دو دلوں کی سوداگری میں دونوں ہی اپنے اپنے طلب کے مول لگا چکے تھے۔ تب ہی دونوں بے حد سکون اطمینان سے نیند کی آغوش میں تھے۔

☆.....☆

زریں بیگم کا غصہ کم ضرور ہو گیا تھا مگر ختم نہیں ہوا تھا۔ عباد کے اصرار پر ظہیر اکبر اپنے کمرے میں سونے تو آگئے تھے مگر زریں بیگم کی کن ترانیاں انہیں چین نہیں لینے دے رہی تھیں۔

"سنو ظہیر اکبر۔ اب میری برداشت جواب دے گئی ہے۔ تمہاری اولاد کو جھیلنے کا عذاب مجھ سے نہیں سہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''زریں بیگم نے کروٹ لیے چادر تانے بے نیازی سے لیٹے ظہیر اکبر کے اوپر سے چادر زبردست انداز میں کھینچ کر اُتاری۔

ظہیر اکبر غصے و جھنجھلاہٹ سے اُٹھ بیٹھے۔ ''میری اولاد کو تم جھیل رہی ہو یا وہ تمہیں اور تمہارے خاندان کو جھیل رہا ہے۔'' اُن کے تلخ لہجے میں ہزاروں ملامتیں تھیں۔

''تو نہ جھیلے وہ ہمیں۔ اُس سے کہہ دو کہ کنارا کر لے ہم سے۔ یہ روز روز کا قضیہ ایک بار ہی ختم کر دے۔'' زریں بیگم طیش سے چیخ اُٹھیں۔

ظہیر اکبر کی کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ ''کنارا تو تم لوگوں کو کرنا ہے زریں بیگم! کہو اپنے بیٹوں سے کہ اپنا اپنا انتظام کر لیں۔ وہ آتا ہے تو میں اُس سے خود ہی کہہ دیتا ہوں کہ.....'' ظہیر اکبر کی سرد مہری زریں بیگم کے اندر مزید آگ بھر گئی۔

''کیا کہا؟ میرے بیٹے اپنا انتظام کر لیں؟ ساری زندگی میرے بیٹوں نے تمہارے ساتھ محنت کی۔ اپنی جان لڑا دی اور آج تم کہہ رہے ہو کہ وہ تم باپ ہو کہ..... دشمن.....'' وہ بھڑکیں۔

''دشمن ہوتا تو تم سب کو یہ عیش و آرام، یہ آسائشیں نہ ملتیں۔ تم خود ہی مطالبہ کرتی ہو اور خود ہی آگ بگولا بھی ہو جاتی ہو۔ آخر تم اُسود سے چاہتی کیا ہو۔ آج مجھے اپنے دل کی بات کھل کے بتا ہی دو۔'' ظہیر اکبر پوری طرح زریں بیگم کی طرف مڑ کر سنجیدگی سے پوچھنے لگے۔

زریں بیگم، کافی دیر تک شعلے برساتی نظروں سے اُنہیں گھورتی رہیں اور پھر اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوئیں۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو، میں کیا چاہتی ہوں۔ اپنے لاڈلے سے کہو کہ حماد اور عباد میں برابر کی تقسیم کر دے۔ اُس سے تو کسی اچھے کی اُمید نہیں ہے۔''

ظہیر اکبر قدرے حیرت سے اُنہیں دیکھ رہے تھے۔ زریں بیگم کی فطرت کو جان کر تو جیسے اُنہیں دھچکہ سا لگا تھا۔ کہنے کو تو بہت کچھ تھا۔ وہ اُنہیں بہت کچھ یاد دلا سکتے تھے مگر اس وقت اُنہیں سکون کی ضرورت تھی۔ مصلحت سے کام لیتے ہوئے سنجیدگی سے بولے۔ ''ویسے تو اُسود کے حوالے سے تمہاری بدگمانی بے جا ہے۔ پھر بھی وہ واپس آتا ہے تو میں اُس سے بات کرتا ہوں۔ مجھے اپنے خون پر پورا اعتماد ہے زریں بیگم۔ وہ کبھی بھی تم لوگوں کے ساتھ بُرا کرنے کا نہیں سوچے گا۔ ہاں البتہ نائلہ کے معاملے میں اُس پر دباؤ نہ ڈالو۔ یہ میرا تمہیں مشورہ ہے۔''

''نائلہ کے معاملے میں، میں کیوں نہ اُس پر دباؤ ڈالوں، میری بھتیجی کو اُس نے اپنی لونڈی سے بھی بدتر مقام دے رکھا ہے۔ شادی جیسے کوئی کھیل ہے اُس کے لیے۔''

''تمہاری زبردستی سے اگر تمہاری بھتیجی کو تمہارے معیار کا مقام مل سکتا ہے تو ٹھیک ہے جو جی میں آئے کرو مگر پھر مجھ سے کوئی شکایت مت کرنا، زریں بیگم۔'' ظہیر اکبر زچ ہو کر بولتے ہوئے کروٹ بدل کر لیٹ گئے۔

زریں بیگم اس بار کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ کچھ بھی تھا ظہیر اکبر، اُسود سے بات کرنے پر تیار تو ہوئے تھے۔

☆.....☆

''تابندہ اُٹھو، کب تک سوتی رہو گی۔ آج تمہیں اپنے دفتر نہیں جانا؟'' حمیدہ، تابندہ کے سر پر کھڑی چیخ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تابندہ نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں پھر یکدم اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں رتجگے کی سرخی صاف نظر آرہی تھی اوراب بھی محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی سہانے خواب سے زبردستی جگائی گئی ہے۔

”رات بھر سوئی نہیں ہو کیا؟ جو آنکھ نہیں کھل رہی۔ جلدی سے باہر آؤ، میں تمہارے لیے ناشتا بنا رہی ہوں۔“ حمیدہ بولتی بولتی کمرے سے نکل گئی۔

تابندہ وقت کا احساس کر کے جلدی سے اُٹھی۔ منہ ہاتھ دھو کر اُس نے آج اپنے لیے نیا سرخ سوٹ نکالا جو وہ کسی خاص موقع پر پہننے کے لیے لائی تھی۔ عموماً وہ شوخ اور گہرے رنگ پہن کر آفس نہیں جاتی تھی مگر آج اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ خوب سجے سنوارے۔ اُسے پہلی بار اپنے اردگرد بہت سکون اور خوشگواریت محسوس ہو رہی تھی۔

وہ تیار ہو کر باورچی خانے میں آئی تو بجھی بجھی سی ردا کے ساتھ حمیدہ نے بھی اُسے چونک کر دیکھا۔ حمیدہ نے تو اپنی حیرانی ظاہر کر بھی دی۔

”تابندہ...... تمہیں آج کہیں اور بھی جانا ہے جو اس طرح تیار ہو کر جا رہی ہو۔“

”نہ...... نہیں تو...... امی...... وہ بس یہی سوٹ استری کر کے رکھا تھا۔ دیر ہو رہی تھی تو......“ تابندہ یکدم گڑبڑا گئی، جیسے اُس کی چوری پکڑی گئی ہو۔

”تم اس طرح تیار ہو کر جاتی نہیں ہو، اس لیے میں نے پوچھ لیا اور اُس دن تم کہہ بھی رہی تھیں کہ تم یہ سوٹ ردا کو دے دو گی تو خیر تم جاؤ مگر شام کو جلدی آجانا۔ تمہارے ابو تمہارے تایا جی کے گھر کا کہہ رہے ہیں۔“ حمیدہ نے چائے کا کپ اُس کی طرف بڑھایا جسے تھامتے تھامتے اُس کی انگلیوں پر کچھ چائے چھلک گئی۔

”مجھے کہہ رہے ہیں؟ میرا مطلب ہے، میں وہاں جا کر کیا کروں گی۔ آپ دونوں چلے جائیں۔“ تابندہ نے کپ زمین پر رکھتے ہوئے انگلیوں پر پھونک مارتے ہوئے کہا اور کنکھیوں سے ردا کو بھی دیکھا۔

”یہ تم اپنے باپ سے پوچھنا کہ وہ تمہیں وہاں کیوں لے جانا چاہتا ہے۔“ حمیدہ کی بات سنتے ہی ردا باورچی خانے سے فوراً نکل گئی۔

”میں کوشش کروں گی جلدی آنے کی مگر آپ ذرا ردا کا تو خیال کریں۔ کہیں وہ جذبات میں آکر کچھ اُلٹا سیدھا نہ کر لے۔ بعد میں آپ ہی پچھتائیں گی۔“ تابندہ نے اپنے طور پر اسے خبردار کرنے کی کوشش کی۔

”اُس کا خیال ہی کر رہے ہیں ہم۔ ورنہ ایسی اولاد کو زندہ گاڑنے کو دل چاہتا ہے۔ تم جاؤ، دیر ہو رہی ہے تمہیں۔“ حمیدہ نے بات ہی ختم کر دی۔ تابندہ چائے کا مگ اُٹھا کر وہاں سے نکل کر کمرے میں آگئی۔

ردا وہاں گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی، آہٹ پر فوراً سر اُٹھا کر بولی۔

”آپی تم تو کہہ رہی تھیں کہ تم امی ابو سے بات کرو گی مگر تم تو مجھے امی ابو کی ہمنوا لگ رہی ہو۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں آپی، اگر میرے ساتھ زبردستی ہوئی تو یا تو میں اپنی جان دے دوں گی یا پھر گھر سے......“

”بکواس نہیں کرو۔ میں نے تم سے کہا ہے نا، ذرا صبر کرو۔ ابو تمہیں آج ہی تایا کے گھر رخصت نہیں کر رہے۔ ابھی وقت ہے۔ تم اُس کے گھر والوں سے آنے کے لیے کہو بلکہ پہلے تم مجھے اُس لڑکے سے ملواؤ۔“ تابندہ نے کچھ سوچ کر معاملہ سمیٹا۔

”میں کیسے ملواؤں؟ تمہیں تو پتا ہے۔ امی اور رمیز کی پوری نظر ہے مجھ پر، وہ تو سبزی لینے بھی جاتی ہیں تو تالا لگا کر جاتی ہیں۔“

”میں شام کو تایا جی کی طرف نہیں جاؤں گی۔ تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ کوئی بھی بہانہ کر کے۔ تم اُسے کہیں ملنے کے لیے بلاؤ مگر یہاں سے دُور۔“ تابندہ نے پروگرام بناتے ہوئے اپنا بیگ اور چیزیں بھی سمیٹیں۔

دوپٹہ اوڑھتے ہوئے اُس نے ردا کو اُمید بھری مسکراہٹ سے دیکھا اور گھر سے نکل گئی۔

☆......☆

”زرغام میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ بس کچھ عرصے تک تم کمپرومائز کر لو پلیز...... پیر شاہ صاحب کے بتائے ہوئے وظائف کرنے میں بہت سی پابندیاں، بہت احتیاطیں کرنا پڑتی ہیں۔ یہ ہماری آئندہ زندگی کے سکون کے لیے ضروری ہے کہ......“ نادیہ زرغام کے پیچھے کھڑی اپنے رات کے رویے کی وضاحت دے رہی تھی۔

زرغام ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ٹائی باندھنے کے بعد بالوں میں برش کرتا خود کو بے نیاز ظاہر کر رہا تھا۔

”میں نے تم سے اب کوئی وضاحت نہیں مانگی۔“ زرغام خود پر پرفیوم اسپرے کر کے واپس مڑا۔ ”تم اپنے ہر عمل میں آزاد ہو۔ بس آئندہ میرے سامنے یہ سب نہ کرو تو بہتر ہوگا۔ اتنا بڑا گھر ہے۔ تم بیڈروم کے علاوہ بھی کہیں اور اپنے عمل و وظائف پورے کر سکتی ہو۔ میری لائف ڈسٹرب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

زرغام نے بات مکمل کی اور میز سے اپنا سیل فون اور والٹ وغیرہ اُٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔

نادیہ کے چہرے پر تکلیف وحیرت کے آثار تھے۔ وہ فوراً اُس کے پیچھے لپکی مگر اس اثناء میں وہ پورچ تک پہنچ گیا تھا۔ ”زرغام پلیز میری بات سنیں۔ ناشتا تو کر کے جائیں۔“ نادیہ نے دور سے ہی آواز دی۔ پھر تیزی سے اُس کی طرف بڑھی۔

Sorry I am getting late. زرغام نے مختصر جواب دیا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

ڈرائیور نے اُس کے کہنے پر گاڑی اسٹارٹ کر دی اور نادیہ کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ چلا گیا۔ نادیہ اُس کے رویے پر الجھی کھڑی رہ گئی۔ بہت دیر بعد اُسے اندر جانے کا خیال آیا۔

☆......☆

علیشہ اپنے ساتھیوں سے پہلے ہی اُٹھ کر ناشتے کے لیے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں آ بیٹھی تھی۔ اپنی روٹین سے چلنا اُس کی عادت تھی۔ اپنا ناشتا آرڈر کر کے انتظار کی کوفت سے بچنے کے لیے اُس نے اطراف میں نظر دوڑائی۔ ہال میں زیادہ لوگ نہیں تھے۔ یقیناً ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد یہاں پر ٹھہرے لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہونے والا تھا۔ اُس نے شکر کیا کہ وہ وقت سے پہلے یہاں ناشتے کے لیے آگئی تھی۔

صبح صبح زیادہ شور اور ہنگامہ اُسے پسند بھی نہیں تھا۔ سو مختلف رنگ ونسل کے لوگوں کو دیکھتے ہوئے وہ اپنے آئندہ کے منصوبوں کو ذہنی طور پر تشکیل دے رہی تھی۔ اُسے مختلف ماحول اور مختلف جگہیں اسی طرح متاثر کیا کرتی تھیں، تب ہی اُسے اپنے پاس کھڑے کسی ذی روح کا احساس نہیں ہوا۔ اسود علی کافی انہماک سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی محویت دیکھ کر کچھ توقف کرتے ہوئے میز بجا کر اُسے متوجہ کیا تو وہ یکدم چونک اُٹھی۔ آنکھوں میں واضح حیرانی تھی اور ناپسندیدگی بھی تھی۔

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مکمل ناول

سلمیٰ یونس

چوتھا دروازہ

"پتا ہے ارسل، ہم مرد عورت کے جھوٹے کو اپنی جیت سمجھتے ہیں حالانکہ سوچا جائے تو ہم اُس عورت سے ایک تسلسل سے مات کھا رہے ہوتے ہیں۔" شجاع مسکرایا۔ "میں سمجھا نہیں" ارسل حیران تھا۔ "جو مرد عورت کو فتح کرلے اور اس کے دل میں جگہ نہ پاسکے، وہ مرد.....

حالات کی ستم ظریفی کے شکار معاشرے کی ایک تصویر، تیسری اور آخری قسط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارسل صاحب! میں آپ کی سوچ سے زیادہ حقیقت پسند ہوں۔ جانتی ہوں کہ اگر کوئی پرندہ ساری عمر بھی کسی اور کے بنائے ہوئے آشیانے میں رہے تو اسے اس آشیانے کو اپنا کہنے کا حق نہیں مل جاتا۔ ایک نا ایک دن اسے وہ آشیانہ چھوڑنا پڑتا ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

ارسل نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ اسے لگا تھا' وہ اس معاملے میں بہت جذباتی ہوگی' اسے ظالم اور خود کو مظلوم ظاہر کرے گی مگر اس کی سوچ اور اس کا انداز..... وہ حیران رہ گیا' اس لمحے اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ مزید کیا کہے اس لیے وہ چپ ہوگیا۔

☆.....☆

ندا بیگم نے بڑے طریقے سے مولوی شمس الدین کے متعلق پاکیزہ اور ارسل کو بتایا تھا۔ ارسل پریشان ہوگیا مگر پاکیزہ کا چہرہ تمام تاثرات سے عاری تھا۔

"میرا خیال ہے' تمہیں جانا چاہیے۔" وہ نرمی سے بولیں۔

"مجھے اگر جانا ہوگا تو میں بتا دوں گی۔" اس نے اتنا کہا اور اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ وہ کمرے کی چیزیں سمیٹ رہی تھی جب ارسل آ گیا۔

"کیا تم نہیں جانا چاہتی ہو؟"

"نہیں۔" پاکیزہ نے صاف گوئی سے کہا اور بیڈ شیٹ درست کرنے لگی۔

"کیوں؟" ارسل اس کے قریب آ کر کھڑا ہوگیا۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں اسے کسی سے ڈسکس نہیں کرنا چاہتی۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"اور تمہارے ہر ذاتی معاملے سے میرا بہت گہرا تعلق ہے۔" اس کا انداز جتانے والا تھا۔

"آپ کا تعلق میری ذات سے ہے' میری ذاتیات سے نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

ارسل نے بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کر لیا۔ "اس بات کا کیا مطلب ہے؟ تم یہ چاہتی ہو کہ ہمارا تعلق صرف اتنا ہے کہ بیڈ روم شیئر کر لیں' اس سے آگے کچھ نہیں؟" وہ غصہ آ رہا تھا۔

"آپ بھی جانتے ہیں کہ اس سے آگے کچھ نہیں ہے۔" اس مرتبہ اس کا انداز جتانے والا تھا۔

"میری نہیں' اپنی بات کرو۔ تم بھول رہی ہو' میری ملکیت ہو۔" وہی جتانے والا انداز تھا۔

"لیکن میرا دل اور میری سوچ آپ کی ملکیت نہیں ہے۔ ارسل صاحب! یہ جو دنیا کا بازار ہے یہاں انسانوں کی بولیاں ضرور لگتی ہیں اور وہ بکتے ہیں مگر یہ دل' جذبات' احساسات' ان کی بولی کسی لیے نہیں لگتی کیونکہ دنیا کے کسی انسان کے پاس دولت نہیں کہ انہیں خرید سکے۔" وہ بے حد سنجیدہ تھی ارسل نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

"کیا تمہارے اور میرے بیچ میں کوئی جذبہ نہیں؟" وہ سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"خریدار اور بک جانے والی چیز کے درمیان جذبہ نہیں' صرف ضرورت کا رشتہ ہوتا ہے اور ایسا رشتہ ہمارے درمیان بھی ہے۔" اس نے ارسل کے لمحوں میں آئینہ دکھا دیا۔

"سوری' مجھ سے ہی غلطی ہوگئی کہ تمہیں سمجھ کر پوچھنے چلا آیا ورنہ تم اس قابل ہرگز نہیں کہ تم سے بات بھی کی جائے۔" اس کے لہجے حقارت تھی۔

"میرے گھر والوں نے مجھے اتنا ارزاں ہے کہ اب میرے پاس یہ حق بھی نہیں رہا کہ

کی یا کسی اور کی بات کا برا مان کر دکھی ہو سکوں۔' دل ہی دل میں ارسل سے مخاطب تھی۔

☆.....☆

مولوی صاحب کی حالت آہستہ آہستہ سنبھل رہی تھی۔ اپنی بیماری کے دوران انہیں یہ احساس ہوا کہ موتیلے رشتوں میں بھی محبت و خلوص ہو سکتا ہے۔ اس سارے وقت میں ارسل بھی کئی مرتبہ گیا مگر پاکیزہ کو نہ تو کسی نے بلایا اور نہ ہی اس نے خود کوئی تاثر ظاہر کیا' سب ہی اس بات پر حیران تھے۔

ارسل کی اچانک آنکھ کھلی تو وہ بیڈ پر موجود نہیں تھی۔ ارسل نے ارد گرد نگاہ دوڑائی تو وہ اسے کھڑکی کے پاس چپ چاپ' گم صم ہی کھڑی دکھائی دی۔ وہ اٹھ کر قریب چلا آیا۔

"تم کیا کوئی بھٹکی ہوئی روح ہو جو ساری رات کمرے میں چاروں طرف چکر لگاتی رہتی ہو؟" اس کے لہجے میں ناگواری تھی۔ پاکیزہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اگر اپنے ابا کی اتنی یاد آتی ہے تو ان سے ملنے چلی جاؤ' خوامخواہ میں اپنا دل پتھر کیوں کر رکھا ہے؟" اس کے انداز میں بولا۔

"میں اپنا دل موم کر لیتی ہوں مگر اس کے لیے تم کو میری مدد کرنی ہوگی۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"کیسی مدد؟" وہ بے زاری سے بولا۔

"آپ کو مجھے طلاق دینی ہوگی۔" وہ اتنی سنجیدگی سے بولی کہ ارسل ایک لمحے کو بھی یہ نہیں سوچ سکا کہ وہ مذاق کر رہی ہے۔

"ہوش میں تو ہو؟ جانتی بھی ہو کیا کہہ رہی ہو؟"

"یقین نہیں آ رہا تھا۔

"رخصت کرتے وقت میرے ابا نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اُس وقت تک اُس گھر میں ان کی بیٹی کی حیثیت سے داخل نہیں ہو سکتی جب تک میرا آپ سے تعلق باقی رہے گا۔ اس وقت تک وہ میرا چہرہ بھی نہیں دیکھیں گے جس وقت تک آپ کا نام میرے ساتھ آتا رہے گا۔" اس نے آخر وہ بات کہہ دی جو اب تک سب سے چھپا کر رکھی تھی۔

"کوئی انسان اپنی بیٹی کا بسا بسایا گھر اجاڑ کر خوش کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ بے یقین سا تھا۔

"اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔" وہ دکھی تھی۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ اُن کی آڑ لے کر تم اپنی خواہش کا اظہار کر رہی ہو؟ کیا تم نے بھی مومنہ اور شاہد کی طرح کوئی چور دروازہ تلاش کر لیا ہے؟" وہ شاکی تھا۔

"اگر کوئی چور دروازہ تلاش کر رکھا ہوتا تو دوسروں کی عزت کا بھرم رکھنے کے لیے آج یہاں ہرگز نہیں ہوتی۔" اس کا انداز جتانے والا تھا۔

"تو تم کیا چاہتی ہو؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے پاکیزہ کو دیکھا۔

"کچھ چیزوں سے مجھے دستبردار کر دیا گیا ہے اور کچھ چیزوں سے میں خود دستبردار ہوگئی ہوں اس لیے فیصلے کا اختیار صرف آپ کے پاس ہے۔ میں وہی کروں گی جو آپ چاہیں گے۔" وہ سنجیدہ تھی۔

"اور جن سے تم دستبردار ہوئی ہو' اس میں' میں بھی شامل ہوں' ہے نا؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے پاکیزہ کو دیکھا۔

پاکیزہ نے نگاہیں جھکا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ارسل اُس کے قریب چلا آیا اور اُس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر بولا۔

"مگر میں تم سے کسی بھی وجہ سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔" وہ بولا۔

پاکیزہ نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ ارسل کے وجود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے تمام تقاضے اس کی آنکھوں سے جھانکنے اور لہجے میں بولنے لگے تھے۔

اس گھڑی ارسل کے اندر پاکیزہ پر اپنی ملکیت کا احساس پوری شدت سے جاگ اٹھا تھا۔ اس گھڑی پاکیزہ کو وہ شخص سزا ہائے آتش لگا جس کی قربت میں اس کا وجود موم کی مانند پگھلتا چلا جا رہا تھا۔ ارسل نے فیصلہ سنایا نہیں' جتایا تھا۔

☆......☆

کبھی کبھی انسان کی زندگی میں ایسا ہوتا ہے جیسا اس نے کبھی نہیں سوچا ہوتا۔ اریشہ کے سامنے اچانک جو حقیقت آئی تھی' وہ اس کی سوچ کے برعکس تھی۔

صبح صبح علیشہ کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی۔ اریشہ کو کچھ سمجھ نہیں آیا تو وہ اسے معیز چاچو کے ساتھ ہاسپٹل لے آئی اور تب اسے پتا چلا کہ وہ ڈرگز لیتی ہے۔

ڈاکٹر نے اپنے کیبن میں، جب اس پر یہ انکشاف کیا تو پہلے وہ چونکی پھر بے یقینی سے بولی۔

''ڈاکٹر صاحب' ایسا نہیں ہو سکتا۔ میری بہن تو بہت معصوم ہے' وہ یہ نہیں کر سکتی۔ آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ دوبارہ سے اس کے ٹیسٹس کیجیے۔'' وہ ملتجی تھی۔

معیز احمد بھی پریشان تھے۔

"I understand your feelings but, this is reality."

''آئی انڈر اسٹینڈ یور فیلنگز' بٹ دز از آ ریلیٹی۔''

ڈاکٹر نرمی سے بولے۔

''مگر وہ ایسا کرے گی کیوں؟'' اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''آپ کی بہن کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن زیادہ تر لوگ اپنی لائف میں موجود پرابلمز سے بھاگنے کے لیے یا پھر حقیقت کو فیس نہ کر سکنے کی وجہ سے فرار کی یہ راہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ زندگی سے اتنے خوف زدہ ہو جاتے ہیں کہ خود کو موت کے حوالے کرنے میں انہیں ذرا سی بھی دقت نہیں ہوتی۔'' وہ سمجھاتے ہوئے بولے۔

''وہ ٹھیک تو ہو جائے گی نا؟'' اریشہ کے اندر اب بھی امید زندہ تھی۔

''ہم آخری دم تک کوشش کریں گے مگر چانسز بہت کم ہیں۔'' ڈاکٹر صاف گوئی سے بولے۔

''ایسا مت کہیں' پلیز' ایسا مت کہیں۔'' وہ رو دی۔

معیز احمد نے اسے تسلی دی مگر جانے کیوں اسے بہت ڈر لگ رہا تھا۔

وہ کمرے میں آئی تو علیشہ ہوش میں تھی اور ایک سگریٹ کے لیے نرسوں سے التجا کر رہی تھی۔ اسے اس حال میں دیکھ کر اریشہ کو یوں لگا کہ اس کا دل پھٹ جائے گا۔ وہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی، اور اس کے ہاتھ تھام کر بولی۔

''میں لا دوں گی جو تمہیں چاہیے' لا دوں گی مگر پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں اس حال تک پہنچانے والا کون ہے؟'' وہ جاننے کو بے قرار تھی۔

''میں...... نہیں...... وہ مجھے مار دے گا اور سگریٹ بھی نہیں دے گا۔'' اس کے لہجے میں خوف تھا۔

''میں نے کہا نا' جو تم چاہو گی' وہ ہوگا' پر پہلے میری بات ماننی پڑے گی۔ مجھے بتانا پڑے گا کہ تمہاری اس حالت کا ذمہ دار کون ہے؟'' وہ بڑے ضبط سے بولی۔

''ش' ع' شعیب۔'' وہ بمشکل بولی۔ ایک لمحے کو اریشہ کو اپنی سماعت پر شک ہوا، اس لیے اس نے تصدیق کے لیے دوبارہ دہرایا۔ ''شعیب!''

''ہاں' اس نے کہا تھا کہ یہ پینے سے انسان سارے غم بھول جاتا ہے اور ایسی دنیا میں پہنچ جا

ہے جہاں سکون ہی سکون ہے۔''

''تمہیں کیا دکھ تھا، جس سے فرار کے لیے تم نے یہ راہ اختیار کی؟'' اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''میرا دکھ مما ہیں۔ پتا ہے' باہر کالج میں لڑکیاں اور گھر میں صالحہ آنٹی اُن کے متعلق ایسی باتیں کرتی تھیں جو پہلے مجھے تکلیف دیتی تھیں اور پھر دھیرے دھیرے میرے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی گئیں۔ میں خودکشی کرنا چاہتی تھی مگر شعیب نے مجھے کہا کہ ان سب چیزوں سے فرار کے اور بھی طریقے ہیں۔'' اس نے سب کچھ بتا دیا جسے سُن کر اریشہ تو سکتے میں آ گئی تھی۔

☆......☆

عبیرہ اور ماہین جلدی جلدی کام سمیٹ رہی تھیں، تب ہی زینل ملک آ گیا۔ آج وہ بہت دنوں بعد یہاں آیا تھا مگر انہیں اِس طرح دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا۔

''آپ لوگ کہاں جا رہی ہیں؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''وہ...... اریشہ کا فون آیا تھا' اس کی بہن ہاسپٹل میں ہے' اسے دیکھنے جا رہے ہیں۔'' عبیرہ نے جلدی سے بتایا۔

''خیریت' کیا ہوا اُن کی بہن کو؟'' اس نے تفصیل جاننا چاہی۔

''actually detail ہمیں بھی نہیں پتا مگر وہ جتنی پریشان تھی' میرا خیال ہے کہ گیس کہ کچھ سیریس پرابلم ہے۔'' عبیرہ نے وضاحت کی۔

''اگر آپ لوگ برا نہ مانیں تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟'' اس نے اجازت طلب کی۔

''ہمیں تو کوئی پرابلم نہیں' بٹ آئی ڈونٹ نو کہ اریشہ کیا فیل کرے۔'' ماہین نے انہیں ساتھ نہ لے جانے کے لیے ایک ٹھوس وجہ پیش کی۔

''بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔'' وہ اطمینان سے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''یار' اریشہ کہیں ناراض تو نہیں ہو جائے گی کہ ہم نے زینل ملک کو کیوں بتایا؟'' عبیرہ گھبرا رہی تھی۔

''اب یہ تو وہاں جا کر پتا چلے گا' فی الحال تو وہاں پہنچنا ضروری ہے۔'' ماہین نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی جانب بڑھی۔

☆......☆

انہیں ہاسپٹل پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ اریشہ ان کے ساتھ زینل ملک کو دیکھ کر چونکی۔ ''آپ یہاں؟'' وہ سوال زینل ملک سے کر رہی تھی مگر خفگی سے عبیرہ اور ماہین کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''ہاں' وہ میں یہاں اپنے دوست سے ملنے آ رہا تھا' پتا چلا کہ آپ کی بہن بھی ہاسپٹل میں ہیں تو سوچا کہ اُن کی بھی عیادت کر لوں۔'' وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ اریشہ کو اس کا یوں اچانک آنا اچھا نہیں لگا، اس لیے اس نے جھوٹ بول دیا۔

''اوہ' اچھا۔'' وہ مطمئن ہو گئی۔

''آپ کی بہن کو کیا ہوا ہے؟''

''وہ...... کچھ نہیں...... مطلب کچھ خاص نہیں' بس وہ بخار وغیرہ' کمزوری اور کچھ خاص نہیں۔'' وہ اُس کے اِس اچانک عام سے سوال سے حد درجہ بوکھلا گئی تھی اس لیے جو سمجھ آیا' کہہ دیا۔

''اِٹس او کے۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں ذرا اپنے دوست سے مل لوں۔'' وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

''مگر وہاں تو ڈاکٹر کا کیبن ہے۔'' اریشہ کو لگا کہ وہ پریشانی میں غلط سمت جا رہا ہے اس لیے جلدی سے اسے ٹوک دیا۔

''ایکچوئلی' ڈاکٹر ہی میرا دوست ہے۔'' زینل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملک نے مسکرا کر کہا اور سرعت سے اس طرف چلا گیا۔

''انہیں یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ میری بہن یہاں ہے؟'' اریشہ دونوں پر خفا ہونے لگی۔

''یار' وہ ہمارے کہنے پر نہیں' اپنے دوست سے ملنے آئے ہیں۔'' ماہین نے تسلی دی۔

''پھر بھی جس طرح سے وہ پوچھ رہے تھے' میں انہیں کیا بتاتی کہ میں یہاں کیوں ہوں اور کس وجہ سے میری بہن ہاسپٹلائز ہے؟'' وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

''اُفس او کے نا یار' تم ہر بات کو حواسوں پہ کیوں سوار کر لیتی ہو؟'' عبیرہ پیار سے بولی۔

اریشہ خاموش ہو گئی' تب ماہین بولی۔

''تم نے اپنے ماما' پاپا کو بتایا؟''

''پاپا تو لندن گئے ہوئے ہیں' گھر سے اطلاع ملی تھی اور ماما کہہ رہی تھیں کہ ابھی ذرا دیر میں وہ پہنچ جائیں گی۔''

''اور تمہاری صالحہ آنٹی اور چاچو؟'' ایک اور سوال عبیرہ کی طرف سے آیا تھا۔

''صالحہ آنٹی سے تو بات نہیں ہوئی البتہ چاچو' علیشہ کے علاج کے اخراجات کا جو سن کر گئے ہیں تو اب تک لوٹ کر نہیں آئے۔'' اریشہ کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''رشتہ دار ایسے ہی خبیث ہوتے ہیں۔ برا وقت پڑنے پر فوراً پیٹھ دکھا جاتے ہیں۔'' عبیرہ نے ناگواری سے کہا۔ اریشہ کچھ جواب دینے والی ہی تھیں تبھی شاہدہ بیگم چلی آئیں۔ وہ کافی گھبرائی ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا علیشہ کو؟ کہاں ہے میری بچی؟'' انہوں نے آتے ہی اریشہ سے سوال شروع کر دیے اور تب اریشہ نے انہیں علیشہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ وہ کاریڈور میں ہی کھڑی ہو کر چلانے لگیں۔

''یہ سب تمہاری ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے' اگر علیشہ کو کچھ ہو گیا تو اس کی موت کی ذمہ دار تم ہو گی۔'' انہوں نے بڑے آرام سے سارا الزام اس پر دھر دیا۔

زینل ملک شور کی آواز سن کر باہر چلا آیا اور فکرمندی سے اریشہ کا چہرہ دیکھا۔

''مس اریشہ آر یو او کے؟''

''اب پتا چلا کہ تم کہاں اتنی مصروف تھیں کہ تمہیں یہ خبر ہی نہیں ہوئی کہ تمہاری بہن کن راہوں پر نکل گئی ہے؟'' شاہدہ بیگم کے لہجے میں طنز تھا۔

''آپ پلیز' یا تو خاموش ہو جائیں یا چلی جائیں۔'' وہ ملتجی تھی۔

''تم سے مشورہ نہیں مانگا ہے' یوں بھی میں یہاں علیشہ سے ملنے آئی ہوں۔ تم جو بھی کرو' مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔'' شاہدہ بیگم نے اسے ناگواری سے دیکھا اور پھر عبیرہ سے مخاطب ہوئیں۔

''علیشہ کہاں ہے؟''

''میں لے چلتی ہوں۔'' عبیرہ جلدی کہے ہوئے انہیں ساتھ لے کر چلی گئی۔

''پلیز' آپ کسی بارے میں مت سوچیں' اکثر لوگ پریشانی میں اس طرح کی باتیں کر جاتے ہیں لیکن اچھی بات یہ ہے کہ بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے۔ وہ شاید آپ کی بہن کی وجہ سے زیادہ ہی پریشان ہیں۔'' زینل ملک نے اس کی شرمندگی کم کرنے کی کوشش کی۔

☆......☆

عبیرہ اور ماہین بہت زیادہ وقت ٹھہری تھیں مگر رات میں اُن کے لیے رکنا مشکل تھا' اس لیے وہ چلی گئیں۔ شاہدہ بیگم کو بھی سمیر نے فون کیا تھا۔ اس کا شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا' اس لیے وہ بولیں کہ سمیر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ میں جا رہی ہوں۔ پتا

نہیں' اس کا کیا حال ہو گا؟'' وہ فکرمند تھیں۔

''آپ کو اس دھوکے باز کی فکر ہے' اپنی بیٹی کی نہیں؟'' اریشہ حیران تھی۔

''اس کے لیے تم یہاں ہو مگر سمیر کی تو تم نے فیملی ہی چھین لی۔ اب ظاہر ہے' اس کا میرے علاوہ کوئی رشتہ نہیں ہے۔'' انہوں نے تڑ سے جواب دیا۔

''وہ سمیر نہیں' شاہد ہے۔'' اس کا انداز جتانے والا تھا۔

''میرے لیے وہ اہم ہے' اس کی شناخت نہیں۔'' وہ بھی اریشہ کے سے انداز میں بولیں اور چلی گئیں۔

اریشہ اکیلی رہ گئی تھی' تبھی زینل چلا آیا۔

''آپ تو چلے گئے تھے نا؟'' وہ اس کو دوبارہ دیکھ کر حیران ہوئی۔

''ہاں مگر پھر لگا کہ میرا یہاں رہنا زیادہ ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے' آپ کو میری مدد کی ضرورت ہو۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''نو' آئی ایم او کے۔ پلیز' آپ میری وجہ سے خود کو پریشان مت کریں۔'' اس نے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔

حقیقت تو یہ تھی کہ ڈاکٹر کے یہ کہنے کے بعد اگلے چوبیس گھنٹے علیشہ کے لیے بہت مشکل ہیں اور یوں اچانک سب کے تنہا چھوڑ جانے کے بعد یہ وقت اس کے لیے کاٹنا مشکل ہو رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ کوئی ہو جس کا ساتھ ان لمحوں کی اذیت کو کم کر دے۔

''میں آپ کے لیے کچھ نہیں کر رہا' جو کر رہا ہوں' اپنے لیے کر رہا ہوں۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' وہ الجھ گئی۔

''کچھ چیزوں کو سمجھنے میں وقت لگتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ ایک رائٹ ٹائم ہوتا ہے' جب کوئی بہت

غزل

چاہے اس کو ہی بچھڑنے کا سبب کر لیتا
مجھ سے اک بار وضاحت تو طلب کر لیتا

دوستی چھوڑ غلامی پہ بھی نازاں ہوتا
تُو جو معلوم مرا نام و نسب کر لیتا

دل تو کیا ایسا ہی لمحہ تھا نہ خالی جاتا
وہ مجھی کو بھی اگر مجھ سے طلب کر لیتا

رکھ لیا میں نے بھرم اس کا وگرنہ وہ شخص
ترکِ پیماں بہ یک جنبشِ لب کر لیتا

تیری آنکھوں کی نوازش جو نہ ہوتی مجھ پر
میں شریکِ شبِ غم بنتِ عنب کر لیتا

نوازش علی ندیم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے معنی سی بات بامعنی سی لگنے لگتی ہے۔ کسی الجھی ہوئی ڈور کا سرا ہاتھ آ جاتا ہے۔ کسی سوال کا جواب بہت اچانک سے مل جاتا ہے اور کوئی بہت غیر ضروری کوشش کرے، اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آتا۔'' وہ بات ختم کر کے مسکرایا۔

اریشہ اس وقت اتنی پریشان تھی کہ اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ سب کیا اور کیوں کہہ رہا ہے؟ اسے تو بس یہی فکر تھی کہ علیشہ ٹھیک ہو گی یا نہیں؟

''آپ فکر مت کریں، وہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''میں نے آپ سے جھوٹ بولا ہے۔'' اریشہ نگاہیں جھکائے ہوئے بولی۔

''میں جانتا ہوں۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ اریشہ نے چونک کر سوالیہ نگاہوں سے زینل ملک کو دیکھا۔

''کوئی بھی ہوش مند انسان اس بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہونے والی لڑکی صرف معمولی بخار میں مبتلا ہے۔'' وہ مسکرایا تو اریشہ چپ سی ہو گئی۔

ساری رات گزر گئی، اس دوران جانے کیسے اریشہ کی آنکھ لگ گئی جبکہ زینل ملک جاگتا رہا۔

صبح اُس کی آنکھ کھلی تو وہ کچھ نادم سی ہو گئی۔ تمام رات وہ زینل کے کندھے پر سر رکھ کر سوتی رہی تھی۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ اس سے نگاہیں ملائے بنا بولی۔

''اِٹس او کے۔ میرا خیال ہے، ہمیں ڈاکٹر سے مل لینا چاہیے۔ علیشہ کی کنڈیشن پتا چل جائے گی۔'' وہ سنگی بینچ پر سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''جی......'' اریشہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆......☆

''تم کچن میں کیوں چلی آئیں، کچھ چاہیے تھا؟'' ندا بیگم نے اسے صبح صبح کچن میں دیکھا تو پوچھ لیا۔ اس وقت وہ اپنی نگرانی میں ناشتا بنوا رہی تھیں۔ ملازمین بڑے مگن سے انداز میں کام کر رہے تھے۔

''میں نے سوچا، میں تھوڑی سی ہیلپ کر دوں۔'' پاکیزہ نرمی سے بولی۔

''نہیں، ابھی نہیں، جب تک تم کھیر نہیں بنا لیتیں۔ بھئی، لوگ کیا کہیں گے کہ دو دن میں بہو کو چولہے کے آگے کھڑا کر دیا؟ نہیں بھئی، مجھے ظالم ساس کا طعنہ نہیں سننا۔'' وہ اس انداز میں بولیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی پاکیزہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ ارسل اپنا فرمائشی ناشتا تیار کروانے آیا تھا۔ پاکیزہ کو اس طرح سے دیکھ کر چونکا تھا۔ شادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا، جب ارسل نے اسے مسکراتے دیکھا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے واپس پلٹ گیا۔

☆......☆

''دیکھیے، علیشہ کا ٹریٹمنٹ کرانے کے لیے، اسے اسلام آباد لے جانا ہو گا۔'' ڈاکٹر، اریشہ اور زینل ملک سے مخاطب تھے۔

''مگر ٹریٹمنٹ یہاں بھی تو ہو سکتا ہے۔'' اریشہ جلدی سے بولی۔

''علیشہ کی جو کنڈیشن ہے، اس میں اسے برابر ٹریٹمنٹ چاہیے۔ ہم تو یہاں صرف کوشش کر سکتے ہیں جو صرف رسک ہے۔ اسلام آباد میں ایسے ہی مریضوں کے علاج کے لیے Addiction treatment and Rehabilitation Center کے نام سے باقاعدہ ایک ادارہ موجود ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان کا علاج اور دیکھ بھال وہاں بہتر طریقے سے ہو سکتی ہے۔'' اریشہ کچھ کہنا چاہتی تھی تبھی زینل نے اسے روک دیا اور ڈاکٹر سے مخاطب ہو کر بولا۔

''تم وہاں بات کر لو، ہم ضرور جائیں گے۔''

''او کے۔'' ڈاکٹر نے جلدی سے کہا۔

''آپ کو ڈاکٹر کو ہاں نہیں کہنا چاہیے تھا۔ آپ نہیں جانتے کہ میرے لیے یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔ آخر وہ میری بہن ہے، بیٹی نہیں کہ اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا ہر اختیار میرے پاس ہو۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں سب کو کیا جواب دوں گی؟'' وہ پریشان تھی۔ وہ دونوں ڈاکٹر کے کیبن سے باہر آ چکے تھے۔

''کسے جواب دینا ضروری ہے، ان لوگوں کو جنہوں نے آپ کو اس وقت تنہا کر دیا جب آپ کو سب سے زیادہ ان کی ضرورت تھی؟'' زینل چیخ کر گویا ہوا تھا۔

''آپ نے میرا ساتھ دیا، اس کے لیے شکریہ مگر میں کسی کو یہ حق نہیں دیتی کہ وہ میرے اپنوں کے بارے میں اس طرح سے بات کرے۔'' اسے زینل ملک کی بات ناگوار گزری تھی۔

''آئی ایم سوری مگر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ جتنا میں سمجھ سکا ہوں، آپ کا ساتھ کوئی نہیں دے گا، البتہ اگر علیشہ کو کچھ ہو گیا تو وہ بڑی آسانی سے آپ کو ذمہ دار ٹھہرا دیں گے، تب آپ کیا کریں گی؟ اس guilt کے ساتھ آپ کے لیے جینا آسان ہو گا کہ آپ نے اپنی بہن کو اپنی غلطی سے گنوا دیا اور اس کے لیے وہ نہیں کیا جو کر سکتی تھیں۔'' زینل نے لمحوں میں مستقبل کا نقشہ کھینچ دیا۔

''آپ شاید ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر بتانا تو ضروری ہے نا۔'' وہ نرم پڑ گئی۔

''ٹھیک ہے مگر اس بات کا خیال رکھیے گا کہ آپ کو فیصلہ جلدی کرنا ہو گا۔'' زینل نے معاملے کی نزاکت کا احساس دلانے کی خاطر کہا۔ اریشہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆......☆

ثاقب کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، اسی لیے ارسل سمیت سارے دوست اسے گھیرے بیٹھے تھے۔

''یار، یہ تم لڑکی بیاہ کر لائے ہو یا خود رخصت ہو کر گئے ہو؟ اتنے دنوں بعد آج صورت دکھا رہے ہو؟'' شجاع نے اُسے چھیڑا۔ وہ سب شجاع کے گھر پر تھے۔

''کیا کریں یار، اب اس کے سوا کوئی چہرہ دیکھنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔'' ثاقب صاف گوئی سے بولا۔

''اگر لیڈی ڈیانا مر نہ گئی ہوتی تو تمہارے بنا کیسے ہم یقین کر لیتے کہ تمہاری شادی اُسی سے ہوئی ہے کیونکہ اس سے زیادہ خوبصورت عورت میں نے تو اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔'' ندیم بولا تو سب ہنسنے لگے۔

''ایسی بات نہیں کہ مجھے اس کے حسن نے اسیر کر لیا، اس کے علاوہ بھی میاں بیوی کے درمیان ایسی بہت سی باتیں ہوتی ہیں جو دو لوگوں کو ایک دوسرے کے حصار سے باہر نہیں نکلنے دیتیں۔''

''جیسے؟'' ارسل نے کشن گود میں رکھتے ہوئے سگریٹ سلگایا۔

''جیسے یہ کہ کسی کا ہنسنا، رونا، سوچنا سب آپ کے لیے ہے۔ کوئی اپنی نیند خراب کر کے صرف راتوں کو اس لیے جاگتا ہے کیونکہ اسے آپ کی بھوک کا احساس ہوتا ہے۔'' ثاقب خواب کے سے عالم میں سب سے مخاطب تھا۔

''یہ سب شروع کی باتیں ہیں، بعد میں سب بدل جاتا ہے جب بیویاں فرمائشیں کرتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہوتے ہیں۔'' ارسل نے مذاق اڑایا۔

''فرمائش تو اس سے کی جاتی ہے جس کے متعلق یقین ہو کہ وہ آپ کو مایوس نہیں کرے گا اور تمہیں پتا ہے جب میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوتا ہے تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شوہر ہی کیوں مناتا ہے؟'' ثاقب نے سوالیہ نگاہوں سے ارسل' شجاع اور وقار کو دیکھا۔

''میرا ایسا کوئی تجربہ نہیں اس لیے کہ میری بیوی روٹھتی نہیں ہے۔'' ارسل نے اطمینان سے کہا۔

''بھئی مجھے تو ضرور بتاؤ کیونکہ میری بہت جلد شادی ہونے والی ہے۔'' وقار جلدی سے بولا۔

''اس لیے کہ اگر مرد اپنے آپ کو برتر کہتا ہے تو اسے اپنے آپ کو اعلیٰ ظرف بھی ثابت کرنا ہوتا ہے اور دوسرا بیوی کا مان قائم رکھنا ہوتا ہے، جو اسے اپنے شوہر پر ہوتا ہے کہ وہ روئے گی تو وہ اس کے آنسو پونچھے گا' اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھے گا' اس کی پسند و ناپسند کو عزت دے گا۔'' ثاقب سنجیدگی سے بولا۔

''اور اگر کوئی پسند و ناپسند کی پوری لسٹ بتا دے تو کوئی کیسے یاد رکھے؟'' ارسل پھر بولا۔

''بھئی' پسند و ناپسند بتانے کی چیز تھوڑی ہوتی ہے' یہ تو انسان کو خود بخود پتا چل جاتا ہے۔'' اس مرتبہ شجاع بولا۔

''مگر پسند و ناپسند تو انسان کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔'' ارسل جلدی سے بولا۔

''میاں بیوی کی ذاتیات اگر ایک دوسرے سے الگ ہوں تو اس رشتے میں اور باقی رشتوں میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔'' شجاع ہنسا۔

اب جیسے ارسل کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

☆......☆

معیز احمد نے ایک فرمانبردار شوہر کی طرح صالحہ بیگم کو جا کر یہ بتا دیا تھا کہ علیشہ نے اپنے معاملے میں شعیب کا نام لیا ہے اور اس بات پر صالحہ کو بہت غصہ آیا تھا اس لیے اس سے پہلے کہ وہ گھر پہنچتی' انہوں نے اریشہ اور علیشہ کا سارا سامان پیک کر کے ڈرائیور کے ہاتھوں ہاسپٹل پہنچا دیا تھا۔

''یا اللہ! زینل ملک کے سامنے میری زندگی کے سارے راز آج ہی کھلنے ہیں۔'' وہ شرمندہ ہو رہی تھی۔ بروقت شرمندگی سے بچنے کے لیے اس نے جلدی سے کہا۔

''وہ...... میں ماما کے پاس جا رہی ہوں تو اس لیے سوچا کہ سامان منگوا کر یہیں سے چلی جاؤں۔'' وہ اس کی جانب دیکھے بنا بولی۔

''میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ دو دن سے آپ مسلسل جاگ رہی ہیں۔ گھر بھی نہیں گئیں۔ میرا خیال ہے' آپ کو آرام کرنا چاہیے ورنہ علیشہ تو ٹھیک ہو جائے گی' آپ بیمار ہو جائیں گی۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''اس سارے وقت میں آپ بھی تو میرے ساتھ رہے ہیں۔ کیا آپ کو تھکن محسوس نہیں ہو رہی؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''مجھے اُس وقت تک سکون نہیں آئے گا جب تک میں تمہیں پُرسکون نہیں دیکھ لیتا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''تمہیں؟'' اریشہ نے زینل ملک کی بے اختیاری کا احساس دلانے کے لیے اُس کا طرزِ تخاطب دہرایا۔

''میں آپ اُن لوگوں کو کہتا ہوں جو میرے لیے اہم نہیں ہوتے۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

اریشہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ اس کے لیے کیوں اور کیسے اہم ہو گئی ہے مگر اس سے پہلے ہی ڈاکٹر نے انہیں بلا لیا۔

☆......☆

''یار بڑی عجیب سچویشن ہے کہ جس لڑکی کے لیے تم پاگل ہو' اسی کی بہن تمہاری بیوی ہے اور حیرت انگیز طور پر وہ اس بارے میں سب جانتی ہے۔'' واپسی پر ارسل نے شجاع کو ڈراپ کرنا تھا اس لیے وہ اور ارسل اس وقت گاڑی میں ایک ساتھ تھے۔ وہ

ارسل کا قریبی دوست تھا، اس لیے ارسل اس سے کوئی بات نہیں چھپاتا تھا۔

''بس کبھی کبھی یوں بھی ہو جاتا ہے۔'' ارسل ڈرائیونگ کے دوران سنجیدگی سے بولا۔

''اب جو ہو گیا' سو ہو گیا۔ تم اپنی باتوں' اپنے رویے سے کبھی اُن پر یہ ظاہر مت کرنا کہ تمہارے دل میں مومنہ کے لیے اب بھی فیلنگز ہیں۔'' اس نے اپنے طور سے سمجھایا۔

''میں نے اسے پہلی رات ہی یہ کلیئر کر دیا تھا کہ میری زندگی میں وہ ہزار کوشش کے باوجود مومنہ کی جگہ نہیں لے سکتی۔'' وہ اسی انداز میں بولا۔

''تو پھر تو فاصلے اور زیادہ بڑھ گئے ہوں گے۔'' وہ پُریقین تھا۔

''Every thing is normal'' وہ عام سے لہجے میں بولا۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اپنے شوہر کے منہ سے پہلی رات اتنی بڑی بات سننے کے بعد کوئی عورت ایک نارمل زندگی کیسے گزار سکتی ہے I dont believe it.'' اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''جن حالات میں ہماری شادی ہوئی ہے' اس میں شاید اس کے پاس سمجھوتا کرنے کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہے۔'' اس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''پتا ہے ارسل' ہم مرد عورت کے سمجھوتے کو اپنی جیت سمجھتے ہیں حالانکہ سوچا جائے تو ہم اُس عورت سے ایک تسلسل سے مات کھا رہے ہوتے ہیں۔'' شجاع مسکرایا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' ارسل حیران تھا۔

''جو مرد' عورت کو فتح کر لے اور اس کے دل میں جگہ نہ پا سکے' وہ مرد شکست خوردہ ہوتا ہے۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''بے فکر رہو' پاکیزہ کے دل میں میرے علاوہ

صبر کی آگ

مجھے کچھ لوگ ہر دم صبر کی تلقین کرتے ہیں
مگر وہ ذائقے سے صبر کے واقف نہیں ہیں
صبر کی تلخی مرے احساس میں
سہمی ہوئی اک انتقامی آگ ہے
جس کو مقدس لفظ
ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں اب
معدوم ہوتے جا رہے ہیں
اِس فضا میں صبر کی تلقین
آنکھوں میں اُداسی گھولتی ہے
اور پیہم انتقامی آگ
سرکش ہو رہی ہے
المدد یا کاشفِ قلب و نظر!
اے قوتِ بے قوتاں
معبودِ برحق المدد!
اب صبر کا دامن مرے
ہاتھوں سے چھوٹا جا رہا ہے

خواجہ رضی حیدر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور کوئی نہیں۔ آخر میں اُس کا شوہر ہوں۔ اس کی ذات، جذبات اور احساسات پر میرے سوا کس کا حق ہوسکتا ہے؟'' وہ تکبر سے بولا۔

''یہ تم اُن کے کسی اعتراف محبت کی روشنی میں کہہ رہے ہو یا اپنے نظریے کی بنیاد پر؟'' شجاع اسے کریدرہا تھا۔

''میرے لیے لفظوں کی کبھی کوئی اہمیت نہیں رہی۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔

''لفظوں کی اہمیت ہو یا نہ ہو، اظہار کی تو ہونی چاہیے۔'' شجاع سنجیدگی سے بولا۔

اس مرتبہ ارسل خاموش ہوگیا۔ اب اسے یہ بات کھٹک رہی تھی کہ واقعی پاکیزہ نے اس سے کسی جذباتی لمحے کی گرفت میں آکر کبھی ایسا کوئی اظہار نہیں کیا تھا کہ جس کی بنیاد پر وہ کہہ سکتا کہ پاکیزہ کے دل میں وہ 'کہیں' ہے۔

☆.....☆

''میں تو ہمیشہ سے چاہتی تھی کہ تم یہاں رہو مگر تم ہی نے ضد پکڑی ہوئی تھی۔ اب دیکھا نا غیروں پر بھروسہ کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟'' شاہدہ بیگم اسے گویا اس کی کوتاہیاں یاد دلا رہی تھیں۔

''اس وقت ان باتوں کو دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں، آپ بس مجھے اتنا بتائیں کہ میں یہاں رہ سکتی ہوں یا نہیں؟'' اریشہ نے بے زاری سے کہا۔

''ظاہر ہے، تم لوگ جو بھی کرو، میں یہ کیسے بھول سکتی ہوں کہ تم میری اولاد ہو۔'' شاہدہ جلدی سے بولی۔

''یاد رکھنے کا شکریہ۔'' وہ اتنا کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ اسے بے حد تھکن محسوس ہورہی تھی۔

''نخرے ختم نہیں ہوتے، بالکل باپ پر گئی ہے۔'' شاہدہ بیگم اس کی پشت کو گھورتے ہوئے، خود سے ہی مخاطب تھیں۔

ارسل نے سارا دن دوستوں میں گزارا تھا، اس لیے رات بہت دیر سے لوٹا تھا۔ ارسل جب آیا تو پاکیزہ کو اپنا منتظر پایا۔ پتا نہیں کیوں اس احساس نے اسے خوشی دی تھی کہ کوئی اس کا منتظر تھا۔

''تم میرے لیے جاگ رہی تھیں؟'' وہ اسے لان میں ٹہلتے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''کافی دیر سے جاچی جاگ رہی تھیں، مجھے انہیں اس طرح سے دیکھ کر اچھا نہیں لگا، اس لیے میں نے کہا کہ آپ آرام کریں، میں آپ کا انتظار کرلوں گی۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''تو تم میرا انتظار نہیں کررہی تھیں، صرف ماما کی ہمدردی میں جاگ رہی تھیں؟'' جانے کیوں اس کی سچائی، ارسل کو پسند نہیں آئی۔

''آپ فریش ہوجائیں، میں کھانا لگا دیتی ہوں۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ اتنا کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔

وہ کمرے میں آئی تو وہ فریش ہوچکا تھا۔ وہ چینج کرکے سونا چاہتی تھی مگر جونہی واش روم کی جانب بڑھی، وہ اس کے سامنے آگیا۔

''تم نے مجھ سے پوچھا نہیں کہ میں اتنی دیر سے گھر کیوں لوٹا؟''

''یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔ میرا کیا حق بنتا ہے کہ میں آپ سے اس طرح کے سوالات پوچھوں؟'' وہ سادگی سے بولی۔

''تمہیں میرے اتنی دیر باہر رہنے پر فکر بھی نہیں ہوئی؟'' اس نے مزید کریدا۔

''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔'' وہ نگاہوں کا زاویہ بدل کر بولی۔

''تم میرے لیے ہمیشہ ایک راز بن کر کیوں رہنا چاہتی ہو؟'' وہ اس سے حد درجہ شاکی تھا۔

''ہر انسان ایک راز ہی ہوتا ہے۔ اب یہ تو جاننے والے کی جستجو پر منحصر ہے کہ وہ اسے کیسے اور کس قدر جاننا ہے۔'' اس کا لہجہ اب بھی سنجیدہ تھا۔

''ایک سوال پوچھوں، سچ کہو گی؟''

''میں نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا اور اس بات سے آپ بخوبی واقف ہیں۔'' اب اس کا انداز جتانے والا تھا۔

''ہمارے درمیان جتنا وقت بھی گزرا ہے، کیا کسی لمحے میں تمہارے دل میں میرے لیے کسی ایسے جذبے نے جنم لیا جو محبت نہ سہی مگر محبت جیسا ہو؟'' شاید یہ شجاع کی باتوں کا اثر تھا کہ اس نے بے اختیار یہ سوال کردیا۔

''جس رشتے کی بنیاد اس یقین کے ساتھ ہو کہ آخر کار اسے ٹوٹ جانا ہے، اس رشتے کی زمین بنجر ہوجاتی ہے اور بنجر زمین پر کچھ نہیں اگتا۔ نہ کوئی خواب اور نہ کوئی ایسی خوش فہمی کی فصل، جو جذبہ کہلا سکے۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''میرے پاس تم سے محبت نہ کرنے کی ایک وجہ ہے مگر تمہارے پاس مجھ سے محبت نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے یا پھر شاید ہے۔'' اس کا لہجہ پھر سے بات کرتے کرتے شاکی ہوگیا۔

''کیا یہ وجہ کافی نہیں کہ میرا یقین محبتوں اور رشتوں پر باقی نہیں رہا ہے؟ جو کچھ میرے ساتھ ہوا اور جو الفاظ پہلی رات آپ نے مجھ سے کہے، اس کے بعد آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں محبت جیسی کوئی حماقت کرسکتی ہوں یا بھی کرنا چاہوں گی؟'' اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ سے گئے، اس لیے اس نے رخ پھیر لیا۔

ارسل کچھ بے یقین سا تھا۔

☆.....☆

شاہدہ بیگم نے سوچا تھا کہ سمیر کو اریشہ کا آنا اچھا نہیں لگے گا۔ خود اریشہ کا بھی یہی خیال تھا مگر سمیر کا رویہ دونوں کی سوچ کے برعکس تھا۔ پتا نہیں کیوں اس بات کو شاہدہ بیگم نے بھی محسوس کیا تھا۔

صبح علیزہ کو اسلام آباد لے کر جانا تھا، ٹینشن کی وجہ سے اریشہ کو نیند ہی نہیں آرہی تھی۔ یہاں تک کہ تین بج گئے۔ وہ ابھی سونے کی تیاری ہی کررہی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ سمیر عرف شاہد اندر داخل ہوا تھا۔

''تم اس وقت یہاں کیا کررہے ہو؟'' وہ اسے اس وقت اپنے کمرے میں دیکھ کر بہت حیران ہوئی تھی۔

''حساب برابر کرنے آیا ہوں۔'' وہ خباثت سے مسکرایا۔

''کیسا حساب؟'' اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا مگر وہ بظاہر مضبوط لہجے میں بولی۔

''کہتے ہیں نا، آنکھ کا بدلہ آنکھ اور جان کا بدلہ جان تو میرے نزدیک عزت کا بدلہ عزت ہوتا ہے۔ جو ذلت تمہاری وجہ سے میں نے اٹھائی ہے، اسی ذلت کا احساس اب تمہیں بھی ہوگا۔'' وہ اس کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

وہ بستر سے نیچے اتر آئی۔

''اپنی حد میں رہو ورنہ میں چلا بھی سکتی ہوں۔ اس کے بعد تمہاری میری ماں کی زندگی میں کیا عزت اور اہمیت رہ جائے گی، وہ بھی تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' اریشہ نے اسے دھمکایا۔

''وہ بڑھیا میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی کیونکہ وہ تو نیند کی گولیوں کے زیر اثر سو رہی ہے۔'' وہ مطمئن تھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اریشہ کی عزت پر ہاتھ ڈالا۔ وہ پوری قوت سے چلائی۔

ایک 'دو' تین' چار' پانچ اور چھ' ساری کی ساری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گولیاں شاہد کے وجود کے آر پار ہو چکی تھیں۔

اریشہ نے دہشت زدہ ہو کر دروازے کی سمت دیکھا' شاہدہ بیگم ہاتھ میں پستول لیے کھڑی تھیں۔ شاہد زمین پر گر کر ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ وہ دوڑ کر شاہدہ بیگم کے قریب آئی۔

''ماما.....! یہ آپ نے کیا کیا؟'' اسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی ماں قتل بھی کر سکتی ہے۔

''وہی جو ایک ماں کو کرنا چاہیے تھا۔'' شاہدہ کے لہجے میں عجیب سی تھکن در آئی تھی۔

''مگر یہ شخص آپ کو بہت عزیز تھا؟'' اس نے گویا یاد دلایا۔

''ہاں اسی لیے تو آج تک جان بوجھ کر اس کی ہر غلطی نظر انداز کرتی رہی۔ اس نے میرے بزنس پر قبضہ کیا' مجھ سے اپنی شناخت چھپائی یہاں تک کہ میری دولت دوسری عورتوں پر لٹاتا رہا۔ میں نے سب کچھ برداشت کیا مگر جو وہ تمہارے ساتھ کرنے جا رہا تھا' وہ میری برداشت سے بہت زیادہ تھا۔ میں اُسے اِس گناہ کی اجازت نہیں دے سکتی تھی، اِس لیے میں نے اسے مار ڈالا۔'' اُن کی آواز لرز رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اریشہ نے انہیں گلے لگا لیا۔

''ماما.....! آپ فکر مت کریں' کوئی بھی نہیں جان پائے گا کہ آج اس کمرے میں کیا ہوا ہے؟'' اریشہ نے انہیں تسلی دی۔

''نہیں اریشہ.....! میں خود کو پولیس کے حوالے کرنا چاہتی ہوں۔ میں پہلے ہی تمہارے باپ سے رشتہ توڑ کر اور تم لوگوں کی حق تلفی کر کے احساسِ جرم کی آگ میں جلتی رہی ہوں۔ اب مزید کسی guilt کے ساتھ جینے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولیں اور ٹیلی فون کی جانب بڑھیں۔

''ماما.....! پلیز.....ایسا مت کریں.....'' وہ التجا تھی مگر اس کی التجا انہوں نے سنی ہی نہیں' یوں بھی اب وہ خود کو اریشہ اور علیشہ کے درمیان رہنے کے قابل نہیں سمجھ رہی تھیں۔

☆.....☆

صبح کے اخبارات کے ذریعے یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی کہ شاہدہ بیگم نے اپنے دوسرے شوہر کا قتل کر دیا ہے اور خود کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ مزید یہ کہ وہ اپنے بچاؤ کے لیے کوئی کیس نہیں لڑنا چاہتیں۔

زنیل ملک نے جیسے ہی یہ خبر پڑھی' اریشہ کے گھر چلا آیا۔

ملازم نے اسے اریشہ کے کمرے تک پہنچا دیا تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو اریشہ اجڑی ہوئی حالت میں بیٹھی زار و قطار رو رہی تھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''ایک ایک کر کے سب مجھے چھوڑ کر چلے گئے' میں پھر سے تنہا رہ گئی.....میں پھر سے تنہا رہ گئی.....'' جانے کیوں یہ دکھ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

زنیل ملک نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔ ''نہیں اریشہ.....جب تک میں زندہ ہوں' تمہیں تنہا نہیں ہونے دوں گا۔ زندگی کے ہر موڑ پر تمہارا ہر دکھ' سکھ بانٹنے کے لیے اور تمہارے آنسو پونچھنے کے لیے میں ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔'' وہ اپنی انگلیوں کی پوروں میں اس کے آنسو جذب کرتے ہوئے محبت اور سچائی سے بول رہا تھا۔

بہت گہرے اندھیرے میں اچانک ابھرنے والی روشنی کی ایک کرن کتنی اہمیت رکھتی ہے' اس کا احساس اریشہ کو آج ہوا تھا۔ اتنے غیر یقینی حالات سے گزرنے کے باوجود جانے کیوں اس شخص کی صداقت پر ایمان لانے کو جی چاہ رہا تھا مگر اس سے پہلے وہ کچھ کہتی' عبیرہ اور ماہین کمرے میں داخل

ہوئیں۔ زنیل نے اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور اٹھ کھڑا ہوا پھر عبیرہ اور ماہین سے مخاطب ہوا۔

''آپ لوگ پلیز' ان کا خیال رکھیے گا' میں ہاسپٹل جا رہا ہوں۔'' وہ اتنا کہہ کر چلا گیا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو ماہین اور عبیرہ اس لمحے کے حوالے سے اریشہ کو چھیڑتیں مگر اس وقت صورتِ حال ایسی تھی کہ وہ کچھ نہ کہہ سکیں۔

☆.....☆

ارسل آفس سے آیا تو آج اس کے ساتھ مولوی شمس الدین' حامد' خدیجہ بیگم اور مدیحہ موجود تھے۔ جب صبح وہ ان لوگوں کو یہ کہہ کر گیا تھا کہ رات ڈنر پر اس کے مہمان آ رہے ہیں تو کوئی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ ارسل کے ساتھ یہ سب لوگ ہوں گے اور سب سے زیادہ تو پاکیزہ حیران تھی' تب حامد اس کے قریب آیا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر نرمی سے بولا۔

''ابا کی بیماری کے دوران ارسل نے جتنا ابا کا خیال کیا ہے' اس کے بعد ان کے پاس تم سے اور ارسل سے ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں بچی۔ دلوں کے فاصلے مٹ چکے ہیں۔ اب سب ٹھیک ہے۔'' وہ بہت خوش تھا۔

پاکیزہ نے کچھ نہیں کہا البتہ وہ سب کے ساتھ نارمل رہی۔

نیچے چائے کا دور چل رہا تھا۔ وہ ٹیرس پر چلی آئی۔ حامد اس کے پیچھے آیا۔

''کیا بات ہے؟ تم اتنی خاموش کیوں ہو حالانکہ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ سب پہلے جیسا ہو گیا ہے؟'' حامد نے آخر اپنی حیرت کا اظہار کر دیا۔

''کیا پہلے جیسا ہو گیا۔ کیا مدیحہ آپا کا اجڑا گھر پھر سے بس گیا؟ کیا مومنہ اور شاہد بھائی واپس لوٹ آئے؟ کیا آپ کو آپ کی محبت واپس مل گئی؟'' وہ جذباتی ہو گئی۔

''امید زندہ رکھیں گے تو ایک دن یہ بھی ہو جائے گا۔'' حامد نگاہیں چرا کر بولا۔

''شاید ہو سکے مگر جو تکلیف دہ اور ذلت آمیز وقت میں نے کاٹا ہے' کیا وہ احساس کبھی مٹ سکے گا؟'' وہ دکھی تھی۔

''کیا تم ارسل کے ساتھ خوش نہیں ہو؟'' حامد نے فکرمندی سے پوچھا۔

'بھیک میں ملی روٹی سے پیٹ بھر جاتا ہے مگر اسے دینے والا آپ کو کبھی قابلِ عزت نہیں جانتا۔ میرے اور ارسل کے رشتے کی مثال ایسی ہی ہے۔ وہ یہ سب کہنا چاہتی تھی مگر اپنے بھائی سے اس طرح کی بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ کہا تو بس اتنا۔ ''زندگی جس مقام تک لے آئی ہے' وہاں خوشی اور غم میں فرق محسوس نہیں ہوتا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''پاکیزہ.....! میں تمہاری تکلیف سمجھ سکتا ہوں مگر جو ہونا تھا' وہ ہو گیا۔ ہم اسے نہیں بدل سکتے۔ بہتر ہے کہ تم اسے اپنی تقدیر مان لو اور ویسے بھی ابا نے وہ سب کچھ چاچا جان کو واپس لوٹا دیا ہے جو تمہارے نکاح کے وقت اُن سے لیا تھا۔'' حامد نے اطلاع دی۔

'زمین کی ملکیت جو انسان کی خواہش ہو' اس سے دستبردار ہونا کسی کے لیے بھی کتنا آسان ہوتا ہے لیکن عورت اگر مرد کی ملکیت بن جائے خواہ اس میں مرد کی خواہش نہ بھی شامل ہو تو بھی اس سے دستبردار ہونا، مرد کے لیے ناممکنات میں سے ہوتا ہے۔' وہ بس سوچ کر رہ گئی۔

حامد کچھ کہنا چاہتا تھا مگر تبھی اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے صرف ہیلو کہا اور اس کے بعد اس سے بات کرنا مشکل ہو گیا۔ دوسری طرف سے اس کا ایک دوست اسے شاہد کی موت کی خبر سنا رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حامد کسی کو بھی کچھ بتائے بنا ارسل کو ساتھ لے کر چلا گیا۔

☆.....☆

سب سے پہلے ارسل اور حامد نے شاہد کی لاش کو دفنایا اور پھر پولیس اسٹیشن گئے جہاں وہ انسان تھا جو شاہد کا قاتل تھا مگر وہاں جا کر اس کے سارے زخم تازہ ہو گئے۔ اریشہ اس وقت شاہدہ بیگم سے ملنے آئی ہوئی تھی۔ وہ بھی حامد کو دیکھ کر عجیب سی اذیت محسوس کر رہی تھی۔

''تمہیں تو میرے بھائی سے بڑی پرابلم تھی نا' اب خوش ہو جاؤ' تمہاری ماں نے ساری پرابلم سولو کر دی ہے۔''

''تمہیں اگر حقیقت کا علم ہو جائے تو تمہیں اپنے بھائی سے نفرت ہو جائے گی۔'' اریشہ سنجیدگی سے بولی۔ ارسل کو ان دونوں کی گفتگو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی مگر بہرحال وہ خاموش تھا۔

''فی الحال تو مجھے اس لمحے سے شدید نفرت محسوس ہو رہی ہے جس وقت میرے دل میں تمہارے لیے کوئی جذبہ پیدا ہوا تھا۔'' وہ سفاکی سے بولا۔

ارسل کی موجودگی میں ایسی بات اریشہ کو بڑی تکلیف دہ لگی تھی مگر وہ کچھ بھی ظاہر کیے بنا بڑے ضبط سے بولی۔

''میرے پاس بھی افسوس کرنے کے لیے بہت سی چیزیں اور نفرت کے لیے بہت سی وجوہات موجود ہیں مگر ان کے اظہار کے لیے کسی تعلق کا ہونا ضروری ہے اور ہمارا تو اب کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اور اس تعلق کے ختم ہونے پر میں خوش ہوں۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ اس مرتبہ اریشہ نے کچھ نہیں کہا اور چلی گئی۔

''یہ.....!!'' ارسل کچھ پوچھنا چاہتا تھا تبھی حامد تیزی سے اس کی بات قطع کر کے بولا۔

''میری زندگی کا وہ رشتہ، جس نے مجھے پچھتاووں کے سوا کچھ نہیں دیا۔'' حامد کے لہجے میں حقارت تھی۔

ارسل نے اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

☆.....☆

شاہد کے متعلق سب کو پتا چل چکا تھا مگر مولوی صاحب سے یہ بات چھپائی گئی تھی۔ اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ مولوی شمس الدین کی صحت پر کوئی رسک نہیں لینا چاہتے تھے۔ ہر کوئی چپکے چپکے اپنا دکھ ایک دوسرے سے بانٹ رہا تھا مگر پاکیزہ کسی کے گلے لگ کر نہیں روئی تھی، البتہ سب کو تسلیاں دے رہی تھی۔

''تمہارا بھائی مر گیا اور تمہاری آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں ہے؟ کیا تمہیں اس کے اس طرح چلے جانے کا دکھ نہیں ہے؟'' وہ میرس پر تنہا کھڑی چاند کو تک رہی تھی' تب ہی ارسل چلا آیا۔

''دکھ ظاہر کرنے کے لیے آنسو بہانا بہت ضروری ہوتا ہے کیا؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے ارسل کو دیکھا۔

''میں سمجھتا تھا کہ صرف میرے لیے تمہارے دل میں کوئی فیلنگز نہیں ہیں۔ اب پتا چلا کہ تمہارے دل میں کسی کے لیے بھی احساسات و جذبات موجود نہیں ہیں۔'' ارسل ناگواری سے بولا۔

''جن لوگوں کے دل روتے ہیں نا' ان کی آنکھیں بنجر ہو جاتی ہیں مگر یہ آپ نہیں سمجھ سکتے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

ارسل کو غصہ آ گیا۔ وہ اسے دونوں شانوں سے تھام کر بولا۔ ''کیوں' میں کیوں نہیں سمجھ سکتا؟ پتھر کا بنا ہوا ہوں۔ انسان نہیں ہوں کہ کسی کے احساسات کو سمجھوں گا۔''

''آپ پتھر نہیں ہو سکتے کیونکہ پتھروں سے تو پھر بھی لوگوں کو مرادیں مل جاتی ہیں مگر یہ تو انسان ہوتے ہیں جو کسی کو کچھ نہیں دے سکتے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اگر تمہارا اشارہ میری طرف ہے تو میں نے تمہیں سب کچھ دیا ہے۔'' اس نے خود کو بری الذمہ کیا۔

''ہاں' سب ہی کچھ تو دیا ہے' بدنامی' اپنوں کی نظروں میں حقیر ہونے کا احساس اور ایک بے یقین سا رشتہ..... آپ کو پتا ہے جب میں رات کو سوتی ہوں تو مجھے یہ یقین ہوتا کہ اگلی صبح ہمارا رشتہ قائم رہے گا یا نہیں؟''

''اگر میں نے تمہیں کچھ نہیں دیا تو تم نے مجھے کیا دیا ہے؟ تمہارے قریب رہ کر بھی ہر لمحہ میرے اندر تشنگی اور خالی پن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس اذیت سے بڑی کیا اذیت ہے کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں باوجود اس کے کہ تمہاری زندگی میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ آج تک تم نے اپنی مرضی سے میرا ہاتھ بھی پکڑا ہو؟ میری دل جوئی کے لیے کوئی لفظ کہا ہو؟ حقیقتاً نہیں' فقط دکھاوے کے لیے سہی' تم نے میری فکر کی ہو۔ کبھی بھی تو مجھے لگتا ہے کہ میں مر بھی جاؤں گا تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' اس کے پاس بھی بے پناہ شکوے تھے۔

اس نے جو بھی کہا تھا' سچ کہا تھا' شاید اسی لیے پاکیزہ مزید کچھ نہیں کہہ سکی۔

☆.....☆

علیشہ کو اسلام آباد لے کر جانا تھا۔ اریشہ اپنی ماں کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی مگر شاہدہ نے اسے زبردستی بھیج دیا۔

وہ لوگ علیشہ کو میڈیکلی ٹریٹمنٹ سینٹر میں چھوڑنے آئے تھے۔ اریشہ اس کے ساتھ رکنا چاہتی تھی مگر وہاں رکنے کی اجازت نہ تھی۔

''میں اس طرح علیشہ کو چھوڑ کر کیسے جاؤں؟'' اس نے بے بسی سے زنیل کی جانب دیکھا۔

''ہر جگہ کے اپنے رولز ہوتے ہیں اس لیے بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بٹ ڈونٹ وری' وہ پوری طرح سے علیشہ کا خیال رکھیں گے۔ اس وقت ہمیں ہوٹل چلنا چاہیے۔ ہم شام کو دوبارہ آئیں گے۔'' زنیل ملک نے نرمی سے کہا۔

''ہوٹل؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں' میں نے وہاں دو روم لیے ہیں کیونکہ ڈاکٹر نے مجھ سے کہا تھا کہ علیشہ کے ساتھ رکنے کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''مگر آپ نے تو مجھے اس بارے میں انفارم نہیں کیا پھر کمرہ.....'' وہ حیران تھی۔

''اس او کے' یہ سارے معاملات ہم بعد میں طے کر لیں گے۔ اس وقت ضروری چیز علیشہ کا علاج ہے۔'' زنیل ملک نے سمجھایا۔

''ہوں.....'' علیشہ نے اثبات میں سر ہلایا' زنیل ملک مسکرا دیا۔

☆.....☆

پاکیزہ کی صبح آنکھ کھلی تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ وال کلاک پونے دس رہے تھے۔ وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔

طیبہ بیگم اور ندا بیگم ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی نیوز دیکھ رہی تھیں۔ وہ بھی وہیں آ کر بیٹھ گئی' تبھی ندا بیگم بولیں۔

''آؤ پاکیزہ..... بیٹی! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' اُن کے لہجے میں فکرمندی تھی۔

''ہاں..... وہ..... بس..... سر میں درد تھا' سوری' میں اتنی دیر تک سوئی رہی۔'' وہ کچھ شرمندہ ہو گئی۔

''اچھا' اب ایک کام کرو' میں ناشتا بنواتی ہوں'

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم ناشتا کر کے دوا کھا لینا اور پھر بھی آرام نہیں آئے تو ڈاکٹر کو دکھا لینا۔" طیبہ بیگم نرمی سے بولیں اور ملازمہ شاداں کو آواز دی۔

"آپ رہنے دیں دادی! میں اسے خود ہی کہہ دیتی ہوں۔" وہ اتنا کہہ کر وہاں سے اٹھی اور کچن میں چلی آئی جہاں شاداں اور نذیراں برتن دھو رہی تھیں۔

"آپ اٹھ گئیں بی بی......؟ بس میں ابھی برتن ختم کر کے آپ کے لیے ناشتا بناتی ہوں۔ بتائیں' آپ کیا کھائیں گی؟"

"تمہارے صاحب آفس چلے گئے؟" اس نے ارسل کے بارے میں پوچھا۔

"پتا نہیں جی' آفس گئے ہیں یا کہیں اور......"

"مطلب؟" پاکیزہ کو اُس کی گول مول بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

"صاحب صبح جب گئے تو اُن کے پاس سوٹ کیس بھی تھا۔" شاداں کے انکشاف پر پاکیزہ حیران ہوئی۔ وہ پلٹنے لگی تبھی وہ دوبارہ بولی۔ "بی بی......! ناشتے میں کیا بناؤں؟"

"کچھ نہیں' بس ایک کپ چائے دے جانا۔" وہ اتنا کہہ کر سیدھی ہما کے کمرے میں آئی تھی۔ آج کل وہ زیادہ تر گھر پر ہوتی تھی اُس کے سسرال والے جلد از جلد شادی کی تاریخ طے کر دینا چاہتے تھے کیونکہ اس کے بعد ہما کے سسر کا باہر پاس ہونا تھا۔ ڈاکٹر نے زیادہ امید نہیں دلائی تھی۔ آج کل اُس کی شاپنگ چل رہی تھی۔ ہما' پاکیزہ کو اپنے کمرے میں دیکھ کر بولی۔

"بھئی' آج چاند ہمارے آنگن میں کیسے اتر آیا؟"

"میں تھوڑی دیر آپ کے ساتھ بیٹھ جاؤں؟" اس نے اجازت طلب کی۔

"یہ گھر اور اس گھر کے لوگ سب تمہارے ہیں۔ اس بات کا یقین کر لو گی تو تکلف کی تمام دیواریں گر جائیں گی۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"آپ کی تیاری کہاں تک پہنچی؟" اس نے یونہی بات شروع کرنے کے لیے پوچھا۔

"ابھی تو ڈھنگ سے شروع ہی نہیں ہوئی اور ہو بھی کیسے؟ میرے ساتھ جانے والا کوئی ہے ہی نہیں۔ دادی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی' ماما کو گھر میں اتنے کام ہیں کہ انہیں فرصت نکالنا مشکل ہے' نمرہ کے امتحانات ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے اور تم...... تمہارے پاس بھی ہمارے لیے وقت نہیں۔" نا چاہتے ہوئے بھی اس کے ہونٹوں پر شکوہ آ گیا۔ جانے کیوں پاکیزہ کو بہت شرمندگی ہوئی۔ وہ اپنی ذات میں اتنی مگن رہی کہ اپنے اردگرد کے لوگوں کو بالکل نظر انداز کر دیا۔

"آپ فکر مت کریں۔ اب سے میں تیاری میں آپ کی مدد کروں گی۔" وہ نرمی سے بولی۔

"تھینک یو اور تمہیں پتا ہے' پاپا نے کتنا اچھا ہال بک کروایا ہے مگر ابھی وہ بھی فائنل نہیں۔ پاپا کہہ رہے تھے' ارسل آ جائے تو وہی فائنل کرے گا۔"

"آ جائیں' مطلب؟" پاکیزہ نا سمجھنے والے انداز میں بولی۔

"اوہ ہاں' میں تمہیں بتانا بھول گئی۔ صبح ارسل کو اچانک سے اسلام آباد جانا پڑا۔ میں نے کہا کہ تمہیں بتا دے تو کہنے لگا کہ تم رات دیر سے سوئی ہو اس لیے تمہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔" ہما نرمی سے بولی۔

"کتنے دن کے لیے گئے ہیں؟" اس نے بے اختیار پوچھ لیا۔

"ایک ہفتہ۔" ہما نے عام سے لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کا موبائل بج اٹھا۔ وہ موبائل میں مصروف ہو گئی۔

"کیا میں اتنی غیر اہم ہوں کہ انہوں نے مجھے

اپنے جانے کی اطلاع بھی دینا ضروری نہیں سمجھا؟" جانے کیوں اسے دکھ ہوا تھا۔

☆......☆

"آپ اتنے چپ کیوں رہتے ہیں؟ کچھ تو بولا کریں۔" خدیجہ بیگم گرم گرم سوپ چھوٹی سی میز پر رکھتے ہوئے لکڑی کی کرسی پر ٹک گئیں۔ مولوی صاحب بستر پر لیٹے خلاؤں میں گھور رہے تھے۔ خدیجہ کی موجودگی کا احساس ہوا تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"میرے لفظوں نے مجھے سوائے پچھتاووں کے کچھ نہیں دیا اس لیے اب اپنے ہی لفظوں سے ڈر لگتا ہے۔" وہ خوفزدہ تھے۔

"مومنہ اور شاہد نے جو کیا یا پاکیزہ اور مدیحہ کے ساتھ جو ہوا اس میں آپ کا کیا قصور؟" وہ نرمی سے بولیں۔

"قصور یہ ہے کہ میں اپنی اولاد کو ان راستوں پر چلنے پر مجبور کرتا رہا جہاں میرے نقشِ پا نہیں تھے۔ میں نے ان سے وہ کرنے کی امید کی جس پر میں خود عمل پیرا نہیں تھا۔ لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ جب دیواریں ضرورت سے زیادہ اونچی ہو جائیں تو ان میں اپنے آپ چور دروازے بن جاتے ہیں۔ اگر میری اولاد غلط راستے پر نکل گئی تو اس کا ذمہ دار میں ہوں۔ میں نے انہیں کبھی اعتماد دیا نہ ان پر اعتبار کیا۔" خدیجہ بیگم خاموش تھیں جبکہ وہ بول رہے تھے۔

"ان پر بے جا پابندیاں لگا کر میں سمجھتا تھا کہ میں انہیں گناہوں سے بچا رہا ہوں مگر درحقیقت اپنے جبر سے، میں انہیں گناہ پر اکسا رہا تھا۔ میں اپنی عبادتوں پر اتنا مغرور ہو گیا کہ مجھے خبر ہی نہیں ہوئی کہ کب میں انسانی صفات سے محروم ہو گیا اور اپنی اولاد کے لیے فرعون بن گیا۔" وہ جیسے آج ہر اعتراف کر لینا چاہتے تھے۔

"ہر ماں باپ اولاد کا اچھا چاہتے ہیں۔ اگر اولاد ان کی نیک نیتی اور خلوص کو نہ سمجھ سکے تو یہ ان کا قصور ہے' ماں باپ کا نہیں۔" خدیجہ بیگم کو شوہر کا اتنا شرمندہ ہونا اچھا نہیں لگا۔

"اولاد تو نادان ہوتی ہے مگر ماں باپ تو تجربہ کار ہوتے ہیں نا' انہیں اولاد کو اتنا بھٹکنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔" وہ نرمی سے بولے۔

"اچھا' اب ان باتوں کو چھوڑیں' خوامخواہ دل و دماغ پر بوجھ نہ ڈالیں۔" خدیجہ بیگم جلدی سے بولیں۔

"خدیجہ بیگم' میں نے کبھی نہیں کہا مگر آج ایک اعتراف ضرور کرنا چاہتا ہوں۔ تم بہت اچھی بیوی اور بہت اچھی ماں ہو۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم میری زندگی کی ساتھی ہو۔" وہ خوشی سے بولے اور ان کے اس اعتراف نے خدیجہ بیگم کو جو خوشی دی تھی' اسے بیان کرنا ناقابلِ بیان تھا۔ اس لمحے یوں لگا کہ جیسے اب انہیں زندگی سے کچھ نہیں چاہیے۔ ان کے چہرے پر ایک دم سے اتنی خوشی دیکھ کر مولوی شمس الدین کو اپنے سابقہ رویے پر بہت شرمندگی ہوئی۔

"کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو؟" وہ بے حد شرمندہ تھے۔

"میں آپ کی زندگی میں اہم ہوں' یہ جاننے کے بعد مجھے اب زندگی سے کچھ نہیں چاہیے۔ آپ نے جو کہا' اس کے بعد تو آپ کو سو خون بھی معاف کر سکتی ہوں۔" اُن سے اپنی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ اس لمحے مولوی شمس الدین کو اپنے دل سے کوئی بوجھ اترتا محسوس ہوا تھا۔

☆......☆

علیشہ تیزی سے صحت یاب ہو رہی تھی جس کی وجہ سے اریشہ بہت خوش تھی۔ زینل کی خواہش پر وہ بہت اچھی جگہ ڈنر کے لیے آئے تھے۔

"جب سے تم سے ملا ہوں' آج پہلی مرتبہ تمہیں مسکراتے ہوئے دیکھا ہے۔ مسکراتی رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دُ اچھی لگتی ہو۔'' زینل نے کھل کر تعریف کی۔

''پہلے مسکرانے کی وجہ نہیں تھی' اب ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''اب کیا وجہ ہے؟'' زینل ملک نے اسے شرارت سے دیکھا۔

''آپ جانتے ہیں۔'' اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''مگر ایک بات تم نہیں جانتیں۔'' وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا؟'' اریشہ نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''یہ کہ جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو' مجھے اپنے زندہ ہونے کا احساس ہونے لگا ہے۔'' وہ سچے دل سے بولا اور اریشہ کو اس کی آنکھوں میں دکھائی دینے والے جذبوں کے سمندر میں اپنا وجود گم ہوتا محسوس ہوا۔

☆......☆

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جب ہمارے قریب ہوتے ہیں تو ہمیں ان کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا مگر جب وہ ہم سے دور چلے جاتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے انہیں سوچنے سے زیادہ ضروری کوئی کام نہ ہو۔ پاکیزہ کی کیفیت بھی ایسی تھی۔ وہ سب کے لیے سب کچھ کررہی تھی مگر ایک پل بھی ایسا نہیں گزرا تھا کہ جس میں ارسل اس کی سوچ سے علیحدہ ہوا تھا۔ اسے ایک ایک پل گزارنا کٹھن لگ رہا تھا۔ نگاہیں صرف دروازے پر لگی تھیں اور دل اس کے لوٹنے کے لیے دُعا گو تھا۔

اور پھر اچانک ایک شام وہ آگیا۔ پاکیزہ کو یوں لگا کہ جیسے کسی مرتے ہوئے مریض کو فقط آخری لمحات میں زندگی کی نوید مل گئی ہو مگر اس وقت اس کا دل بجھ سا گیا جب وہ سب سے بہت خوش دلی سے ملا اور پاکیزہ سے بات کرنا تو دور' اس کی جانب دیکھا تک نہیں۔

کتنی رات ہوگئی تھی' پاکیزہ اس کا انتظار کررہی تھی لیکن وہ تو جیسے آنا ہی بھول گیا تھا یا تو اسے احساس نہیں تھا یا اِس بات کی امید نہ تھی کہ وہ اُس کی منتظر ہو سکتی ہے۔ وہ خود کو سمجھا رہی تھی۔

کافی دیر بعد وہ کمرے میں آیا تو پاکیزہ پنک کلر کے سادہ سے سوٹ میں ملبوس کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ وہ اسے نظر انداز کرکے آگے بڑھنے لگا تبھی وہ بولی۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' ارسل نے پلٹ کر اسے دیکھا اور نہایت سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیا میں نے ایسا کچھ کہا؟''

''کہا نہیں مگر اپنے رویے سے ظاہر تو کیا ہے نا' اس طرح سے مجھے بتائے بنا چلے گئے۔ اتنے دنوں مجھ سے بات تک نہیں کی۔'' وہ شکوہ کرگئی۔

''بتایا اس لیے نہیں کہ تمہیں میرے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور جہاں تک بات کرنے کا سوال ہے تو میرے پاس تم سے کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''مگر میرے پاس آپ سے کہنے کو بہت کچھ ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسے چونکا گئی۔

''مثلاً؟'' ارسل نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔

''مثلاً یہ کہ میں نے آپ کو بہت زیادہ مس کیا۔'' وہ نگاہ جھکا کر بولی۔

''ظاہر ہے' کوئی اس شخص کو بھول بھی کیسے سکتا ہے جو انسان کے آنسوؤں کی وجہ ہو۔'' اس کا لہجہ شاکی تھا۔

''مگر اس شخص کا ہر سانس کے ساتھ یاد آنا عجیب بات ہے نا۔'' وہ مسکرائی۔

''مجھے خوش فہمیوں میں دھکیلنا چاہتی ہو؟'' وہ سنجیدہ تھا۔

''نہیں بلکہ اپنی زندگی کا پہلا اور آخری اعتراف آپ کے سامنے کرنا چاہتی ہوں۔ چاہے آپ اس پر یقین کریں یا نہ کریں۔'' وہ بول رہی تھی بلکہ ارسل بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔

''باوجود اس کے کہ میں جانتی ہوں کہ آپ صرف مومنہ کے ہیں اور میرے کبھی نہیں ہوسکتے' باوجود اس کے کہ ہمارا رشتہ سمجھوتے سے شروع ہوا ہے' باوجود اس کے کہ ہمارا رشتہ کبھی بھی ٹوٹ سکتا ہے اور دائمی نہیں ہے۔ میں آپ سے محبت کرنے لگی ہوں' مجھے آپ سے محبت ہوگئی ہے۔'' اس کے لفظوں میں اس کے جذبے بول رہے تھے۔

ارسل بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور اس اعتراف کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو بھی مجھ سے محبت کرنی چاہیے۔ آپ ہر شرط سے آزاد ہیں۔ اتنی ساری حقیقتوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ میں نہ تو آپ کے سوا کسی کو سوچ سکتی ہوں' کسی کو چاہ سکتی ہوں اور نہ ہی آپ کے بنا رہ سکتی ہوں۔ کل جو ہوگا' وہ کل دیکھیں گے مگر میں اس وقت کو جو تقدیر سے ہمیں ملا ہے' نہیں گنوانا چاہتی۔'' ارسل نے نرمی سے اس کے شانوں کو تھاما اور اسے اپنے قریب کرلیا۔

''اس ایک ہفتے میں تم سے دور رہ کر یہ احساس مجھے بھی ہوا کہ تمہارا میری زندگی میں ہونا کتنا ضروری ہے۔'' اس کے اندر بھی کسی جذبے نے کروٹ لی تھی۔ پاکیزہ نے بے اختیار اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔

☆......☆

علیشہ کے صحت یاب ہونے کے بعد اریشہ اسے لوٹی خوشی اپنے شہر واپس لائی تھی مگر یہاں ان کے لیے پہلے سے ایک بری خبر منتظر تھی۔ شاہدہ بیگم کو اچانک دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ بچ نہ سکی تھیں۔ شاہدہ بیگم نے یہ خبر اپنی بیٹیوں کو دینے سے سختی سے منع کیا تھا اور ان کی اس آخری خواہش کا احترام کیا گیا تھا۔

اریشہ کا آخری سہارا بھی چھن گیا تھا۔ باسط صاحب اسے تسلی دینے آئے تھے اور ساتھ چلنے کو بھی کہا تھا مگر اریشہ نے انکار کردیا۔ اسے معلوم تھا کہ ان کی بیوی کو سوتیلی بیٹیوں کا وجود زیادہ عرصے تک برداشت نہیں ہوگا اور خوانخواہ کے ہنگامے ہوں گے۔ ڈاکٹر نے علیشہ کو پرسکون ماحول میں رکھنے کی تاکید کی تھی۔ وہ اب مزید کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔

☆......☆

حامد نے بڑے طریقے سے مولوی شمس الدین کو شاہد کی موت کے متعلق بتا دیا تھا۔ وقت لگا تھا مگر انہوں نے اِس حقیقت کو قبول کرلیا تھا۔

☆......☆

''میں واپس پاکستان جانا چاہتی ہوں۔'' مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں' امریکہ سے بور ہوگئی ہو؟'' اعتصام نے اسے بغور دیکھا۔

''سچ کہوں تو میں اِس لائف سے بور ہوگئی ہوں جہاں سب کچھ ہے مگر کوئی محبت کرنے والا' کوئی فکر کرنے والا نہیں۔''

''تمہاری لائف میں کبھی ایسا کوئی رہا ہے؟'' اعتصام نے دلچسپی سے پوچھا تب مومنہ نے سگریٹ کیس میں سے سگریٹ نکالا اور اسے سلگا کر ایک گہرا کش لیا۔

''ارسل......'' وہ مسکرا کر بولی۔

کیا وہ اب تک تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوگا؟''

وہ حیران ہوا۔

''اگر شادی کر بھی لی ہوگی تو کوئی عورت مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے دل سے نہیں نکال سکتی۔'' وہ پُریقین لہجے میں بولی۔

''تم مردوں کو نہیں جانتیں۔ انہیں گہری سے گہری محبت بھی لمحوں میں بھول جاتی ہے۔'' اعتصام ہنسا۔ اس کے لہجے میں طنز بھی تھا۔

''وہ اور طرح کے مرد ہوتے ہیں۔ ارسل کی بات کچھ اور ہے۔'' وہ اسی یقین کے ساتھ بولی۔

اعتصام سب کچھ بھلا کر شراب پینے میں مصروف ہوگیا۔ وہ سگریٹ کے گہرے گہرے کش لے رہی تھی۔

☆.....☆

مومنہ اس رات گھر سے اپنی سہیلی کے بھائی کے ساتھ گئی تھی۔ یہ اس کی وہی سہیلی تھی جس کے والد اعتصام نے اسے انٹرویوز کروایا تھا۔ اسے اس وقت ان سے زیادہ قابل بھروسہ اور کوئی نہیں لگا۔

وہ یہاں وقتی طور پر پناہ لینے آئی تھی۔ ارادہ تھا کہ کچھ وقت میں وہ ایک کامیاب ماڈل بن جائے گی اور پھر سب کچھ حاصل کرلے گی مگر اپنی سہیلی کا محل جیسا گھر دیکھ کر اس کی نیت ہی بدل گئی۔ اس نے سوچا کہ کیا ضرورت ہے اسے سب کچھ حاصل کرنے کے لیے ماڈلنگ جیسا محنت طلب کام کرنے کی' کیوں نا وہ شارٹ کٹ استعمال کرے اور پھر اس نے وہ راستہ تلاش کرنا شروع کردیا جو اسے اس کی منزل تک پہنچادے اور آخر اسے وہ راستہ مل گیا۔

اعتصام صاحب اور ان کی بیوی کے درمیان سوچ کا فرق اس پر اور اعتصام صاحب کی رنگین مزاجی اس کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ مومنہ نے ان کی دلجوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جس کی وجہ سے اسے بہت کچھ حاصل ہوگیا اور ان دونوں کے رشتے کا اثر ان کی بیٹی کے مستقبل پر نہ پڑے اس لیے وہ مومنہ کو لے کر امریکہ چلے آئے۔ وہ چند دن

اس کے ساتھ رہتے اور پھر واپس پاکستان چلے جاتے۔

مومنہ کے پاس اب سب کچھ تھا مگر سکون اور اپنائیت کا احساس نہیں تھا۔ کل جس محبت کو غیر ضروری سمجھتی تھی' آج وہ ضروری لگنے لگی تھی۔ لوگوں سے اس نے فرار اختیار کی تھی' آج وہ شدت سے یاد آنے لگے تھے۔ آج اسے لگ رہا تھا کہ شریفانہ زندگی بھی ایک نعمت ہوتی ہے اس لیے اس نے واپس لوٹنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اب اسے صرف محبت' رشتوں اور چاردیواری کی آرزو تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے واپس لوٹنے فیصلے کی راہ میں اعتصام رکاوٹ نہیں بنیں گے کیونکہ دونوں کے درمیان یہ معاہدہ تھا کہ دونوں میں سے کوئی بھی جب چاہے' راستہ بدل سکتا ہے' یوں بھی دونوں ایک دوسرے سے جو بھی اور جس قدر حاصل کرنا چاہتے تھے' کرچکے تھے۔ آج کل یوں بھی اعتصام صاحب اپنی نئی سیکریٹری میں انوالو تھے اور اسے معلوم تھا کہ بہت جلد اس فلیٹ میں وہ مومنہ کی جگہ موجود ہوگی۔

☆.....☆

زینل کا گھر مکمل ڈیکوریٹ ہوگیا تھا اور آج خاص طور سے اریشہ کو یہاں لایا تھا۔

''میں تو کئی بار یہاں آچکی ہوں پھر آج خاص بات ہے جو آپ چاہتے تھے میں یہ آؤں؟'' اریشہ نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''تمہیں پتا ہے کہ میں نے یہ گھر کیوں بنوایا؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے اریشہ کو دیکھا۔

''یہ بات تو میں بھی آپ سے پوچھنا چاہتی تھی کہ آپ نے اپنی اتنی شاندار کوٹھی کے ہوتے ہوئے یہ مکان کیوں بنوایا؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے زینل ملک کو دیکھا۔

''کیونکہ اُس گھر میں موجود ایمن کی یاد

آپ بھی لکھاری بن سکتے ہیں!!

آیئے! دوشیزہ کے قلم قبیلے میں شامل ہوجایئے۔

یہ کارواں آپ کو خوش آمدید کہتا ہے.....خود کو منوایئے، اپنے قلم سے.....!

- اگر آپ کا مشاہدہ اچھا ہے۔
- اگر آپ کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔
- سفر کرتے ہوئے آس پاس کے مناظر آپ کو یاد رہتے ہیں۔
- شاعری آپ کو اچھی لگتی ہے

تو پھر قلم اٹھایئے اور کسی عنوان کو کہانی یا افسانے میں ڈھالنے کی صلاحیت کو آزمایئے۔

ماہنامہ دوشیزہ آپ کی تحریروں کو، آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔

ہوسکتا ہے اس سال دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کی تقریب میں آپ بھی ایوارڈ حاصل کریں۔

(نوٹ: تحریر فوٹو اسٹیٹ ضرور کرالیں۔ ادارہ واپسی کا ذمہ دار نہیں!)

تحریر بھیجنے کے لیے ہمارا پتا:

110، آدم آرکیڈ، شہید ملت روڈ، بہادر شاہ ظفر روڈ۔ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے لیے بے حد تکلیف دہ ہیں۔ وہاں رہ کر ہر پل مجھے اپنے تہی داماں ہونے کا احساس ہوتا ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''ایمن آپ کی بیوی تھی نا؟'' اس نے تصدیق چاہی۔

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا ہوا تھا انہیں؟'' وہ جاننے کو بے قرار تھی۔

''ایکسیڈنٹ..... اور اس ایکسیڈنٹ میں ایمن کے ساتھ ساتھ اس کی بھی موت ہوئی جو اس دنیا میں آنے والا تھا۔ جو میرے بعد میرا اور میرے خاندان کا نام لیوا ہوتا۔'' اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

''کب اور کیسے ہوا تھا یہ سب؟'' اس کے دل میں کوئی خوف سا تھا۔

''پانچ سال پہلے۔ میں اسے ہاسپٹل لے کر جا رہا تھا تو کچھ لڑکے لڑکیاں اپنی دھن میں مگن جا رہے تھے' ان ہی کی گاڑی سے ہوا تھا۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

اتنی سردی میں بھی اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے دکھائی دے رہے تھے مگر زینل ملک نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ اریشہ کی جانب اس کی پشت تھی۔

''بتا چلا وہ لوگ کون تھے؟''

''نہیں' میں نے صرف ڈرائیونگ سیٹ پر ایک لڑکی کو دیکھا تھا۔ اس کے بجائے اگر گاڑی کا نمبر دیکھ لیتا تو اچھا ہوتا۔ انہیں ایسی سزا دلواتا' وہ لوگ یاد رکھتے۔''

''آپ نے انہیں معاف نہیں کیا؟ مطلب اب تو اتنا وقت گزر چکا ہے؟'' وہ ڈرتے ڈرتے بولی تب وہ غصے سے پلٹا۔

''میں انہیں تا قیامت معاف نہیں کروں گا۔ بس ایک مرتبہ پتا چل جائے کہ وہ لڑکی اور اس کے دوست کون ہیں اور کہاں ہیں تو انہیں اپنے ہاتھوں سے مار ڈالوں گا۔ چاہے اس کے بعد میں خود پھانسی چڑھ جاؤں.....'' وہ جذباتی ہو گیا۔

''ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوں اور یہ جو ہوا ہو' ان سے انجانے میں ہوا ہو اور وہ سب ان کے لیے بھی غیر متوقع ہو۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''ان کی شرمندگی ہو یا کچھ اور' اس سے میری ایمن اور ہمارا بچہ تو واپس نہیں آ سکتا نا اور میرا دل بڑا نہیں کہ میں انہیں معاف کر سکوں۔ انہیں سزا دے بنا مجھے چین نہیں آئے گا۔''

''تو پھر سزا سنا دیجیے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی

''میں سمجھا نہیں۔'' زینل نے اسے ناسمجھنے والے انداز میں دیکھا۔

''اس رات ڈرائیونگ سیٹ پر جو لڑکی آپ نے دیکھی تھی وہ میں تھی۔''

اس کے انکشاف پر زینل ملک چونک گیا۔ ''ہوش میں تو ہو؟ تم جانتی بھی ہو' کیا کہہ رہی ہو؟'' اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''آپ کی بیوی اور بچے کے ساتھ جو حادثہ ہوا اس کی ذمہ دار میں ہی ہوں۔ ایک عرصے سے احساسِ جرم کی آگ میں جل رہی ہوں۔ اب اس سے نجات چاہتی ہوں۔ آپ جو سزا مجھے دیں گے' مجھے قبول ہو گی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

''اس وقت میری نظروں کے سامنے سے چلی جاؤ ورنہ مجھے نہیں پتا کہ میں کیا کر جاؤں گا۔''

''زینل' میں.....'' اور اس سے قبل وہ کچھ کہہ پاتی۔

وہ چیخ اٹھا۔ ''پلیز..... لیو می الون.....''

وہ تھکے تھکے قدموں سے دروازے کی سمت بڑھ گئی۔ ایک آس تھی کہ وہ اسے پکارے گا مگر ایسا شاید ہوتی ہی ٹوٹنے کے لیے ہے۔ کم از کم اس کی زندگی میں تو اب تک یہی ہوا تھا۔

☆.....☆

''تم پاگل تو نہیں ہو؟ کس غلط فہمی نے کہا تھا کہ اسے ساری بات بتا دو؟'' عمیرہ سن کر صدمے میں آ گئی۔ عمیرہ صوفے پر روتی اریشہ کے قریب بیٹھی تھی۔

''اس سے پہلے کہ یہ بات انہیں کوئی اور بتاتا' میں نے بتا دی۔ یوں بھی میں ہرگز نہیں چاہتی کہ کسی احساسِ جرم یا جھوٹ کے ساتھ اس رشتے کو آگے بڑھاؤں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''اور یہ سب کہہ کر تمہیں کیا ملا؟ یہ کہ اس نے تم سے کہا کہ تم اس کی نظروں سے دور ہو جاؤ؟'' عمیرہ کو دکھ ہو رہا تھا۔

''میں نے جو ان کے ساتھ کیا ہے' اس کے بعد اگر وہ میرے ساتھ اس سے بھی بری طرح پیش آتے تو میں برا نہیں مانتی۔ عمیرہ' سچ تو یہ ہے کہ میں نے انہیں بہت تکلیف دی ہے۔'' وہ سابقہ انداز میں بولی۔

''تم ان سے بے حد محبت کرتی ہو' اس لیے ہر الزام اپنے اوپر لینا چاہتی ہو حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے جو کیا' وہ انجانے میں ہوا اور انہوں نے تمہیں آنسو دانستہ دیے ہیں۔'' عمیرہ کو اس پر ترس آ رہا تھا۔

''عمیرہ' جہاں محبت ہوتی ہے' وہاں خود بخود گنجائش نکل آتی ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ تھوڑی دیر سے سہی' وہ مجھے معاف کر دیں گے اور ہمارے درمیان سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا۔'' اس کے لہجے میں اٹوٹ یقین تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' عمیرہ نے دل سے دعا دی۔ اریشہ کی آنکھوں میں اب بھی آنسو تھے۔

☆.....☆

''زینل' جو ہوا' وہ ہو گیا۔ اب سب بھول جاؤ اور بس یہ یاد رکھو کہ تم اریشہ سے محبت کرتے ہو۔'' عمران اس سے ملنے گھر آیا تھا اور اسے زینل اور اریشہ کے معاملے کا پتا چلا تو وہ سمجھانے لگا۔

''ختم ہو گئی محبت۔ اب مجھے اس سے صرف نفرت ہے.....'' وہ ڈبل صوفے پر نکتے ہوئے بولا۔ عمران نے بھی سنگل صوفہ سنبھال لیا۔

''بکواس مت کرو۔ محبت کوئی سودا نہیں ہوتی جو شرائط پر طے کیا جائے اور ذرا سی بات پر ختم کر دیا جائے اور جس سے ایک مرتبہ محبت ہو جائے' اس سے نفرت نہیں ہو سکتی۔'' عمران نے اسے بری طرح ٹوکا۔

''اور مجھے محبت صرف ایمن سے ہے۔'' وہ نگاہوں کا زاویہ بدل کر بولا۔

''ہم مرد بھی کتنے خود غرض ہوتے ہیں نا' اپنی خواہش اور مفاد کے لیے اپنے اصول اور نظریات تک بدل لیتے ہیں مگر جب دوسروں کے جذبات کا سوال اٹھتا ہے تو ہم پتھر بن جاتے ہیں اور حیرت انگیز طور پر' ایسا ہم ان ہی لوگوں کے معاملے میں کرتے ہیں جو ہمارے مسیحا ہوتے ہیں۔ ہمارے رستے زخموں پر اپنی محبت کا مرہم لگاتے ہیں۔ کیا اتنا آسان ہوتا ہے کسی کو بھی اپنا لینا اور پھر چھوڑ دینا؟'' عمران کو جانے کیوں بہت دکھ ہو رہا تھا۔

''میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ سفاکی سے بولا۔

''ٹھیک ہے' جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ اتنا کہہ کر چلا گیا۔

☆.....☆

''تم پارٹی میں میرے ساتھ کیوں نہیں جا سکتیں؟'' ارسل نے قدرے ناراضگی سے ٹائی باندھتی پاکیزہ کو دیکھا۔

''اس لیے کہ آج ہما آپی کے سسرال والے ڈنر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر آ رہے ہیں۔ ایک دم سے ہم دونوں غائب ہو جائیں گے تو انہیں برا لگے گا۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''پر یار' میں تمہارے بغیر بور ہو جاؤں گا۔'' ارسل بے زاری سے بولا۔

''وہاں اچھی اچھی لڑکیوں کو دیکھیے گا' ہرگز بور نہیں ہوں گے۔'' وہ مسکرائی۔

''سوچ لو' اگر میرا کسی لڑکی سے افیئر ہو گیا تو؟'' وہ شرارت سے بولا۔

''راستے ہزار ہوتے ہیں مگر منزل ایک ہوتی ہے اور اگر میں آپ کی منزل ہوں تو آپ ہر راستے سے گزر کر میرے پاس ہی آئیں گے۔'' وہ پُریقین تھی۔

''اتنا یقین باوجود اس کے کہ میں نے تم سے کبھی اظہارِ محبت نہیں کیا؟'' وہ حیران تھا۔

''ہمارے درمیان محبت نہ سہی مگر محبت جیسا کچھ تو ہے جس نے ہمارے دلوں کو ایک دوسرے سے باندھ دیا ہے۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''تمہیں پتا ہے' تم بہت الگ ہو' شاید اسی لیے میری زندگی میں' مجھ سے زیادہ اہم تم ہو۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''میں کیا ہوں' میں جانتی ہوں۔ آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں۔'' اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی تھی مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ارسل آج بھی وہ پاکیزہ کا کرب نہیں جان سکا۔

☆......☆

وہ پارٹی میں آیا تو اسے اندازہ بھی نہ تھا کہ اس کی ملاقات مومنہ سے ہو جائے گی، اس لیے وہ مومنہ کو دیکھ کر چونکا تھا جبکہ وہ بالکل حیران نہیں ہوئی تھی، جیسے اسے ارسل کے ملنے کا یقین ہو۔

''میرا خیال تھا کہ اور کوئی نہ سہی' تم مجھے دیکھ کر خوش ہو گے۔'' اس کی شخصیت کی طرح اس کا طرزِ گفتگو بھی بدل گیا۔

''سب کچھ چھوڑ کر' مجھے چھوڑ کر' تم کہاں چلی گئی تھیں اور اتنے عرصے تم کہاں تھیں؟'' ارسل نے وہی کہا جس کی مومنہ کو توقع تھی۔

''جینے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ تمہیں بھلانے کی لاحاصل کوششیں کر رہی تھی۔'' وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں؟'' ارسل سنجیدہ تھا۔

''اس رات میں اپنی دوست کے گھر چلی گئی تھی۔ کچھ روز وہاں رہی تو پتا چلا کہ وہ لوگ امریکہ شفٹ ہو رہے ہیں۔ میرے پاس ان کے ساتھ جانے کے علاوہ اور کوئی آپشن نہیں تھا اس لیے نا چاہتے ہوئے بھی میں ان کے ساتھ چلی گئی۔ وہاں ان لوگوں نے اپنا بزنس سیٹ کیا تو مجھے بھی جاب مل گئی۔ وہ لوگ میرا بہت خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی طرح میری بھی شادی کرنا چاہی مگر میں ان کی خواہش کا احترام نہیں کر سکی۔''

''کیوں؟'' ارسل نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''کیونکہ میں اپنی زندگی میں ہر مقام پر تمہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ تمہارے سوا محبت کسی سے نہ ہو سکی تو شادی کیسے کر لیتی؟'' وہ چاہت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں تو اس کا جھوٹ بھی ہمیں سچ لگتا ہے۔ ہم بنا کوئی دلیل یا ثبوت طلب کیے' اس کی ہر بات پر ایمان لے آتے ہیں۔ ارسل کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی' اس نے ایک بار بھی یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ مومنہ اس سے جھوٹ بھی بول سکتی ہے۔ پارٹی اپنے عروج پر تھی جبکہ ارسل اور مومنہ ایک بالکل الگ میز پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

''تم نے لوٹنے میں بہت دیر کر دی۔'' ارسل

نے شکوہ کیا۔

''جانتی ہوں' تم نے شادی کر لی ہے مگر مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہاری دوسری بیوی بن کر بھی خود کو خوش قسمت ہی تصور کروں گی۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''اتنا چاہتی ہو مجھے؟'' وہ حیران تھا۔

''تمہاری سوچ سے بھی زیادہ اور درحقیقت اس چاہت کا احساس مجھے تم سے دور رہ کر بڑی شدت سے ہوا ہے۔'' وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم جانتی ہو' میری بیوی کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟''

''نہیں' یہ مجھے نہیں پتا' تم بتا دو۔'' اس نے دلچسپی سے ارسل کو دیکھا۔

''میری شادی پاکیزہ سے ہوئی ہے۔'' اس نے انکشاف کیا تو وہ اچھل پڑی۔

''تم اور پاکیزہ......! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم نے میری جگہ میری ہی بہن کو دے دی۔'' وہ بے حد حیران تھی۔

''نہ میں نے اسے تمہاری جگہ دی اور نہ اس نے تمہاری جگہ لی۔ یہ سب تو وقت اور حالات کا کھیل تھا۔''

''تو میں غلط سوچ کر یہاں آئی کہ تم ابھی بھی مجھ سے محبت کرتے ہو اور میرے منتظر ہو گے؟''

''نہیں' تم صحیح سوچ کر آئی ہو۔ تمہارا یقین غلط نہیں ہے۔ اِن فیکٹ' ہمارے درمیان پہلی رات ہی یہ طے ہو گیا تھا کہ پاکیزہ صرف اُس وقت تک میری زندگی میں رہے گی جب تک تم آ کر اپنی جگہ نہیں لے لیتیں۔''

''تو اس کا مطلب ہے' تم پاکیزہ کو طلاق دے دو گے؟'' اسے افسوس کے بجائے خوشی ہو رہی تھی۔

وقت نے اسے اتنا خودغرض بنا دیا تھا کہ اسے اس وقت یہ احساس بھی نہ ہوا کہ وہ اپنی بہن کا گھر اجاڑنے کی بات کر رہی ہے۔

''ہاں۔'' وہ بڑی سہولت سے بولا۔ اس لمحے اس کے اندر دور دور تک پاکیزہ کی اپنی زندگی میں موجودگی کا احساس نہیں تھا۔

☆......☆

پاکیزہ بہت پریشان ہو رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ آج سے قبل ارسل پارٹیز میں نہیں گیا تھا بلکہ بات یہ تھی کہ اسے پارٹیز میں انٹرسٹ نہیں تھا اس لیے وہ فارمیلٹی کے لیے جاتا اور بہت جلد واپس آ جاتا تھا بلکہ اکثر تو پاکیزہ بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی۔

وہ لان میں ٹہل رہی تھی تبھی ندا بیگم اس کے پاس چلی آئیں۔

''کیا ہوا' ارسل اب تک نہیں آیا؟'' انہوں نے پاکیزہ کا پریشان چہرہ دیکھ کر سوال کیا۔

''نہیں' پتا نہیں کیسے آج اتنی دیر ہو گئی؟''

''سارا دن کام کرتی رہی ہو' تھک گئی ہو گی۔ یوں کرو' تم جا کر سو جاؤ۔ میں یہاں ہوں۔'' وہ محبت سے بولیں۔

''نہیں چاچی جان' وہ آ جائیں تو میں آرام کر لوں گی' ویسے بھی جب تک وہ نہیں آئیں گے' فکر سے مجھے نیند نہیں آئے گی اور آپ بھی تو صبح سے میرے ساتھ ساتھ کام کر رہی ہیں۔ آپ کو بھی آرام کرنا چاہیے۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''میرے ارسل کا نصیب بہت اچھا ہے کہ تم اس کی زندگی میں روشنی کرنے چلی آئیں۔ سچ کہوں تو جب ارسل کو خوش دیکھتی ہوں تو اپنے فیصلے پر غرور سا ہونے لگتا ہے اور تمہارے لیے دل کی گہرائیوں سے دُعا نکلتی ہے کہ تم سدا شاد و آباد رہو اور زندگی کے ہر قدم پر ارسل کے ساتھ رہو۔'' وہ اس کے سر پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ رکھ کر بولیں تب پاکیزہ نے ان کا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''مجھے بس یہی دُعائیں چاہئیں۔ آپ نہیں جانتیں' یہ دُعائیں میرے لیے کتنی قیمتی ہیں۔'' اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ندا بیگم مسکرا دیں۔

ارسل پارٹی سے لوٹا تو بے حد خوش تھا۔

''کیا بات ہے' آپ بہت خوش لگ رہے ہیں؟'' پاکیزہ اس کا کوٹ ہینگ کرتے ہوئے بولی۔

''جب زندگی کی کوئی خوشی اچانک سے' بن مانگی مراد کی طرح مل جائے تو کیسا لگتا ہے' یہ آج مجھے معلوم ہوا ہے۔'' وہ واقعی خوش تھا۔

''میں سمجھی نہیں؟'' وہ الجھ گئی۔

''مومنہ لوٹ آئی ہے۔'' وہ بے حد خوشی سے بولا۔ اس لمحے اسے یہ احساس نہیں تھا کہ سامنے کھڑی لڑکی سے اس کا کیا رشتہ ہے اور یہ خبر سن کر اسے کیسا لگے گا اور حقیقتاً تو پاکیزہ کو بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے اپنی بہن کے آنے پر خوش ہونی چاہیے یا اس عورت کے زندگی میں آنے پر دکھ کہ جس کا ہونا ان کے رشتے کی موت تھا۔

''کل میں اسے اس گھر میں اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی میں لے آؤں گا۔ اب مجھ میں اسے کھونے کا حوصلہ نہیں ہے۔'' وہ اس کے احساسات سے عاری صرف اپنے دل کی بات کہے جا رہا تھا اور وہ پتھر کے بت کی مانند کھڑی سب کچھ سن رہی تھی۔

☆.....☆

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' اریشہ کو اچانک اپنے آفس میں پا کر زینل ملک کا موڈ بگڑ گیا۔

''آپ میرا فون نہیں اٹھا رہے تھے، اس لیے میں نے سوچا کہ میں آپ سے خود یہاں آ کر بات کر لوں۔'' وہ نرمی سے بولی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اور تمہیں لگتا ہے کہ اب بھی ہمارے درمیان بات کرنے کے لیے کچھ ہے؟'' وہ طنز سے بولا۔

''میں اپنی غلطی مان چکی ہوں۔ اس کے لیے شرمندہ بھی ہوں۔ اب اور کیا کروں کہ آپ مجھے معاف کر دیں؟'' وہ بے بسی سے بولی۔

''میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔'' وہ سختی سے بولا۔

''اتنا گڑگڑانے پر تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے۔'' اس نے گویا زینل کو اس کی سنگ دلی کا احساس دلایا۔

''مگر میں خدا نہیں ہوں' انسان ہوں' صرف انسان۔'' وہ چیخ اٹھا۔

''آپ نے زندگی کے ہر موڑ پر ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا؟'' اس نے یاد دلایا۔

''وہ میری بھول تھی۔'' وہ سفاکی سے بولا۔

''آپ کو مجھے جو سزا دینی ہے' دے لیں مگر آپ کی یہ بے رخی میری جان لے لے گی۔'' وہ جانے کیوں خود کو اس کے سامنے بہت بے بس محسوس کر رہی تھی' شاید بے بسی محبت کرنے والوں کی تقدیر ہوتی ہے۔

''جان لینا آسان ہے' دینا بہت مشکل۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

''جان دینا میرے لیے مشکل نہیں ہے۔ مشکل یہ ہے کہ آپ کے اِس سلوک کے باوجود مجھے آپ سے نفرت نہیں ہوئی۔ مشکل یہ ہے کہ آپ کو بددعائیں نہیں دے سکتی اور مشکل یہ ہے کہ مجھے آپ کے بنا جینا پڑے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

''اگر یہ جذباتی ڈائیلاگز ختم ہو گئے ہوں تو تم جا سکتی ہو۔'' وہ سفاکی سے بولا۔ اریشہ نے ایک لمحے کو رک کر یوں زینل ملک کی جانب دیکھا جیسے کوئی بہت پیاسا انسان سمندر کو دیکھتا ہے اور اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد وہ نہیں رکی۔
اس کی آخری نظر زینل ملک کو بری طرح سے مضطرب کر گئی تھی۔
☆......☆
''تم ارسل کے آفس جانے کے بعد مجھے یہ بتا رہی ہو کہ وہ مومنہ کو اس گھر میں لا رہا ہے؟'' طیبہ بیگم تو سناٹے میں آ گئیں، سب ہی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔
''ہمیں بتانا تو بعد کی بات تھی، تمہیں پہلے ہی اسے روک دینا چاہیے تھا۔ آخر تم اس کی بیوی ہو۔'' ندا بیگم جلدی سے بولیں۔
''میں انہیں روکتی یا احتجاج تب کرتی جب غیر متوقع طور پر میرے ساتھ کچھ ہو رہا ہوتا مگر حالات آپ لوگوں کی سوچ کے برعکس ہیں۔ انہوں نے مجھے پہلے دن ہی یہ بات بتا دی تھی کہ ان کی زندگی میں مومنہ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ میں بھی نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔
''تب کی بات اور تھی، اب بات مختلف ہے۔ تم دونوں کے درمیان اتنا وقت گزر چکا ہے۔ اب اس کے دل میں مومنہ کے لیے پہلے جیسی فیلنگز ہو سکتی ہیں کیا؟'' ہما نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔
''میں اوروں کے متعلق نہیں کہہ سکتی، البتہ ارسل کے لیے وقت اب تک وہیں ٹھہرا ہوا ہے جہاں مومنہ انہیں چھوڑ کر گئی تھی۔'' پاکیزہ سنجیدگی سے بولی۔
''آنے دو میں اُس سے بات کرتی ہوں۔'' طیبہ بیگم نے کمر کس لی۔
''کوئی فائدہ نہیں، اس وقت انہیں ہماری کوئی بات سمجھ میں نہیں آئے گی اور ہو سکتا ہے جذباتی ہو کر وہ گھر ہی چھوڑ دیں جو میں نہیں چاہتی۔'' پاکیزہ بہت خوفزدہ تھی۔

''ٹھیک ہے، میں اس سے کچھ نہیں کہوں گی مگر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بھی نہیں بیٹھوں گی۔'' ندا بیگم نے مضبوط لہجے میں کہا۔
سب ہی خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھ کر رہ گئے۔
کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کس سوچ میں گم ہیں۔
☆......☆
''تمہیں اچانک علیشہ کی شادی کی فکر کیوں ہونے لگی؟'' باسط صاحب حیران تھے۔
''پاپا! میں چاہتی ہوں کہ ہم اس کی شادی بہت ہی اچھی جگہ کر دیں جہاں وہ ہمیشہ خوش رہے۔'' اریشہ نرمی سے بولی۔
''مگر بڑی تو تم ہو، اصولاً شادی پہلے تمہاری ہونی چاہیے۔'' وہ نرمی سے بولے۔
''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ خوشی تو خوشی ہے۔ میرے توسط سے آپ کو ملے یا اس کے توسط سے۔ پلیز پاپا! جتنی جلدی ہو سکے ایک اچھا سا لڑکا تلاش کر کے، اس کی شادی کر دیں۔ یوں بھی جب سے اسے ماما کی موت کے بارے میں پتا چلا ہے، وہ بہت دکھی رہتی ہے۔ اس کی زندگی میں نئے لوگ، نئی ذمہ داریاں آئیں گی تو سب کچھ بھول جائے گی۔'' وہ پُرامید تھی۔
''چلو ٹھیک ہے جیسا تم چاہو گی، میں ویسا ہی کروں گا۔'' وہ مسکرائے اور اریشہ مطمئن ہو گئی۔
☆......☆
سب کے نا چاہنے کے باوجود مومنہ اس گھر میں آ گئی۔ سب کے موڈ خراب تھے۔ وہ سیدھا ماں کے پاس چلا آیا۔
''ماما آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر آج میں آپ کی عزت رکھوں گا تو کل آپ میری خواہش کا احترام کریں گی؟'' ارسل نے گویا یاد دلایا۔
''ہاں مگر اس وقت مجھے لگا کہ پاکیزہ جیسی لڑکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو پا کر تم سب کچھ بھول جاؤ گے۔ اندازہ نہیں تھا کہ تم اس موڑ سے آگے نہیں بڑھو گے۔'' وہ تاسف سے بولیں۔

''اب جو ہے' اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ مجھے اگر مومنہ سے شادی کرنی ہے تو بس کرنی ہے۔'' وہ ضدی لہجے میں بولا۔

''مت بھولو' یہ وہی مومنہ ہے جو تمہیں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔'' وہ طنز سے بولیں۔

''اسے گھر چھوڑنے پر تایا جان نے مجبور کیا تھا لیکن آج وہ لوٹی ہے تو صرف میری خاطر اور اگر آپ نے اس رشتے کو قبول نہیں کیا تو میں یہ گھر چھوڑ دوں گا۔ آگے آپ لوگوں کی مرضی۔'' وہ اتنا کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

''تم مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئیں؟'' مومنہ' پاکیزہ کے پیچھے ہی اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ پاکیزہ کھڑکی میں کھڑی تھی۔

''تم میری بہن ہو۔ میں خوش کیوں نہیں ہوں گی؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اور خوش تو تمہیں ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے' تم ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزار رہی ہو جس کا ساتھ کبھی تمہاری خواہش نہیں رہا۔ ایک ایسا رشتہ نبھا رہی ہو جو تم پر مسلط کیا گیا ہے اور اب میرے آنے کے بعد تمہیں اس سے نجات مل جائے گی۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔

''یہ جان کر اچھا لگا کہ تم اپنے علاوہ دوسروں کے بارے میں بھی سوچنے لگی ہو۔'' وہ مسکرائی۔

''حقیقت تو یہ ہے کہ سب سے دور رہ کر میں سمجھ پائی ہوں کہ رشتے انسان کے لیے کتنے ضروری ہوتے ہیں اور محبت ہر شے سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اب ان سارے احساسات کی قدر ہونے لگی ہے۔'' وہ سچائی سے بولی۔

''تمہیں قدر ہونی بھی چاہیے کیونکہ دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر تقدیر اس قدر مہربان ہوتی ہے کہ ان کے لیے ہر ناممکن کو ممکن کر دیتی ہے ورنہ تو اس دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جن کے لیے ہر احساس ایک خوش فہمی اور ہر رشتہ سراب ہی رہتا ہے۔'' اس کے اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا تب مومنہ محبت سے بولی۔

''میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہوں' بٹ ڈونٹ وری' اب تم بہت جلد اس رشتے کے بوجھ سے آزاد ہو جاؤ گی۔'' پاکیزہ نے اس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

☆......☆

''اس نے کل اپنی خوشیوں اور خواہشات کی خاطر ہماری عزت کی بھی پروا نہیں کی تو آج وہ کیوں لوٹی ہے؟ اب ہمارے پاس ایسا کیا بچا ہے جسے وہ برباد کر سکے؟'' ارسل نے جونہی مومنہ کی واپسی کی خبر دی' مولوی شمس الدین بپھر گئے۔ حامد' خدیجہ بیگم اور مدیحہ بھی حیران تھیں۔

''وہ اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہے۔ پلیز' آپ اسے معاف کر دیں۔ آخر وہ آپ کی اولاد ہے اور پھر غلطی تو انسانوں سے ہی ہوتی ہے۔'' ارسل نے اس کی وکالت کی۔

''جو اس نے کیا' وہ کرنے سے پہلے اس نے ایک مرتبہ بھی سوچا تھا کہ ہم اس کے ماں باپ ہیں؟ اس کے چلے جانے سے ہم پر کیا بیتے گی' ہم لوگوں کا سامنا کیسے کریں گے؟'' وہ خفگی سے بولے۔

''معافی چاہتا ہوں تایا جان' مگر اس سے زیادہ قصور آپ کا ہے۔ اگر جسم کا کوئی حصہ ناکارہ ہونے لگے تو اس کا واحد حل اسے جسم سے الگ کر دینا نہیں ہوتا۔ وہ گھر سے اس لیے گئی کیونکہ آپ نے اسے نکل جانے کو کہا تھا۔'' وہ قدرے صاف گوئی سے بولا۔

''کیا ہوا اور کیا نہیں ہونا چاہیے تھا' میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ اس بحث سے مجھے کوئی دلچسپی ہے مگر اس تک میری یہ بات ضرور پہنچا دینا کہ میں اسے معاف نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی صورت دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ اتنا کہہ کر گھر سے باہر چلے گئے۔

''پلیز تائی جان' حامد' آپ لوگ تایا جان کو سمجھائیں۔'' ارسل ان دونوں سے مخاطب تھا۔

''اس معاملے میں ہم ان کے ساتھ ہیں۔'' حامد سخت لہجے میں بولا۔

''اور تائی جان!!! آپ ماں ہو کر اپنی بیٹی کو رد کر دیں گی؟'' آخری امید اس کی خدیجہ بیگم ہی تھیں۔

''ماں بن کر سوچوں تو یہ میرے لیے ممکن نہیں مگر میں اس وقت بیوی بن کر صرف اپنے شوہر کا ساتھ دینا چاہتی ہوں۔'' خدیجہ بیگم مضبوط لہجے میں بولیں۔

ارسل کے پاس اب کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

☆......☆

''میں نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ جیسے میری ہر بات سمجھتے ہوئے بھی نہیں سمجھنا چاہتا مگر ڈونٹ وری' اریشہ' میں اس سے پھر بات کروں گا کہ وہ تمہیں چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کر رہا ہے۔'' عمران اس سے ملنے اس کے گھر آیا تھا۔ جانے کیوں اسے بہت دکھ ہو رہا تھا۔

''بات کریں گے یا ان سے میرے لیے ہمدردی و محبت کی خیرات مانگیں گے۔'' وہ طنز سے بولی۔

''اس بات کو انا کا مسئلہ مت بناؤ۔ تم دیکھنا' انشاء اللہ' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ تمہاری جانب لوٹ آئے گا۔'' وہ پُریقین تھا۔

''ان سے کہیے گا' اب مت لوٹیں کیونکہ جب تک وہ میری جانب لوٹیں گے' تب تک ان کا انتظار کرنے کے لیے شاید میں نہیں ہوں گی۔'' وہ کھوئے سے انداز میں بولی۔

''میں سمجھا نہیں' تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟'' عمران الجھ گیا۔

''کچھ دن بعد علیشہ کی شادی ہے۔ آپ ضرور آیئے گا۔'' اس نے وضاحت دینے کے بجائے بات ہی بدل دی۔

''علیشہ کی شادی!!! اتنی جلدی؟'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں' میں اپنے رہتے ہوئے یہ کام کر لینا چاہتی تھی۔'' وہ اپنی دُھن میں بولی۔

''تم کہیں جا رہی ہو؟'' عمران نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''ہاں' ایک ایسی جگہ جہاں زینل کی بے رخی کا دکھ اور کوئی پچھتاوا میرے ساتھ نہ ہو لیکن جب میں یہاں سے چلی جاؤں نا تو اپنے دوست کو بتایئے گا کہ میں نے زندگی میں ان سے زیادہ محبت کسی سے نہیں کی اور ان کی یہ بے پناہ نفرت بھی ان کی محبت کو میرے دل سے نہیں نکال سکی۔ ان سے یہ بھی کہیے گا کہ اگر ممکن ہوتا تو میں اپنی جان دے کر بھی ان کی ایمن اور بچے کو اس دنیا میں واپس لے آتی مگر میں اس معاملے میں بہت بے بس ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''میں نے کہا نا' سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''میں جانتی ہوں' سب ٹھیک ہو جائے گا مگر شاید سب ٹھیک ہوتا دیکھنے کے لیے میں نہ رہوں۔''

''تم جہاں بھی ہوگی' میں تمہیں بلا لوں گا۔'' وہ مسکرایا۔

''ایک بار چلی گئی تو لوٹ کر آنا میرے اختیار میں نہیں رہے گا۔'' وہ نگاہوں کا زاویہ بدل کر بولی۔

عمران الجھ کر رہ گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

☆.....☆

''اگر میں اور ارسل شادی کرنا چاہتے ہیں تو آپ لوگ ناراض کیوں ہیں؟'' سب ہی لوگ لان میں بیٹھے تھے۔ پاکیزہ سب کو چائے سرو کر رہی تھی جبکہ ارسل ابھی آفس سے نہیں لوٹا تھا۔ مومنہ نے بات شروع کی تھی۔

''تم اپنی بہن کا گھر اجاڑنے جا رہی ہو اور چاہتی ہو ہم سب خوش ہوں؟'' نعما بیگم نے اسے ناگواری سے دیکھا۔

''جب میرے اور ارسل کے رشتے پر پاکیزہ کو اعتراض نہیں تو آپ لوگوں کو کیوں برا لگ رہا ہے؟ حالانکہ جتنی پاکیزہ آپ کی اپنی ہے اتنی میں بھی ہوں اور پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ ارسل کی زندگی میں ہم میں سے کون ہے؟ اصل چیز تو ارسل کی خوشی ہے نا۔'' وہ بے زاری سے بولی۔

''ارسل کی خوشی کے ساتھ اس گھر کے ہر فرد کی خوشی' امید اور مستقبل وابستہ ہے۔'' طیبہ بیگم سنجیدگی سے بولیں۔

''میں سمجھی نہیں۔'' وہ الجھ گئی۔

''مطلب یہ کہ ایک لڑکی جب شادی کرتی ہے تو اسے بیوی کے علاوہ اور بہت سارے رشتے نبھانے پڑتے ہیں۔ تم ارسل سے محبت کرتی ہو تو یقیناً اسے خوش رکھو گی مگر ہم یہ کیسے یقین کر لیں کہ تم ہمیں خوش رکھنے کے ساتھ ساتھ اس خاندان کی عزت اور روایتوں کو برقرار رکھنے کے لیے ہر قربانی دے سکتی ہو۔ اپنے آپ کو اگر تم مخلص اور ذمہ دار ثابت کر پائیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' طیبہ بیگم سنجیدگی سے بولیں۔

وہ اس شرط پر حیران سی تھی۔

☆.....☆

''دادی' مجھے تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ایک طرف تو آپ مومنہ کو ذمہ داریاں سنبھالنے کے کو کہہ رہی ہیں اور دوسری طرف مجھے ذمہ داریوں سے ہاتھ اٹھانے کو کہہ رہی ہیں؟ کیا آپ بھی یہ چاہتی ہیں کہ میں اس گھر سے چلی جاؤں؟'' پاکیزہ نے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔

وہ اس وقت ان کے کمرے میں بیٹھی تھی۔

''سب سمجھ میں آ جائے گا۔ فی الحال ایک کام کرو کہ آج رات میرے کمرے میں رہو۔'' طیبہ بیگم سنجیدگی سے بولیں۔

''کیوں؟'' وہ حیران تھی۔

''کیونکہ جو غور سے' مرد کو بن مانگی مراد کی طرح مل جائے' وہ اس کی قدر نہیں کرتا بلکہ اسے اپنا حق سمجھتا ہے۔ ہر رشتے میں کبھی نہ کبھی تھوڑا فاصلہ آنا ضروری ہوتا ہے تاکہ انسان اپنی زندگی میں دوسرے کی اہمیت کو سمجھ سکے۔'' طیبہ بیگم اپنے تجربے و مشاہدے کو سمجھا کر کے اس کا نچوڑ بیان کر رہی تھیں۔

''اور جب وہ اس بارے میں پوچھیں گے تو میں کیا بتاؤں گی؟'' وہ سہم کر بولی کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ اسے کمرے میں نہ پا کر ارسل کا موڈ کتنا بگڑ سکتا ہے۔

''جو تمہارا دل چاہے' کہہ دینا۔'' طیبہ بیگم سہولت سے بولیں۔ پاکیزہ خاموش ہو گئی مگر حقیقتاً اسے یہ سب کرنا بڑا عجیب لگ رہا تھا۔

☆.....☆

رات وہ ٹیرس پر گیا تو مومنہ کو کافی غصے میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔

''خیریت' اتنے غصے میں کیوں ہو؟'' ارسل نے پوچھا تو وہ رک گئی۔

''ارسل' کیا تمہیں بھی میرے مخلص اور ذمہ دار ہونے پر شک ہے؟'' اس نے ارسل کو سوالیہ نگاہوں سے پوچھا۔

''نہیں مگر تم ایسا کیوں پوچھ رہی ہو؟'' ارسل نا سمجھنے والے انداز میں بولا اور جواباً اس نے طیبہ بیگم کی ساری باتیں اسے بتا دیں۔

''دیکھو' پرابلم یہ ہے کہ پاکیزہ بہت اچھی بہو ہے۔ اب ظاہر ہے' اگر تمہیں اس کی جگہ لینی ہے تو خود کو اس سے بہتر ثابت کرنا ہوگا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''تم بولنے میں غلطی کر رہے ہو۔ یہ جگہ ہمیشہ سے میری تھی جہاں اب پاکیزہ ہے۔''

''جو بھی ہے مگر مجھے وادی کی ڈیمانڈز میں کوئی برائی نظر نہیں آتی بلکہ یوں سمجھو' میری بھی یہی خواہش ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم اس گھر کی ضرورت اور فرد کے لیے ضروری بن جاؤ۔''

''ٹھیک ہے' اگر تم چاہتے ہو تو میں یہ بھی کر گزروں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ کسی بھی وجہ سے تم میرے خلوص اور محبت پر شک کرو۔''

''تھینکس۔'' وہ مسکرایا مگر مومنہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ تھی۔

''وہ اپنے کمرے میں آیا تو اسے یقین تھا کہ پاکیزہ اس کی منتظر ہوگی مگر وہاں پاکیزہ کو نہ پا کر اسے عجیب لگا۔ اس وقت تک تو وہ سارے کام ختم کر کے کمرے میں ہوتی تھی۔

اس نے چند گھنٹے انتظار کیا پھر باہر آ کر دیکھا۔ سب جگہ دیکھنے کے بعد بھی اسے وہ نہیں ملی۔ وہ پریشان ہو گیا اور سرونٹ کوارٹرز میں آ کر شاہوں سے پوچھا۔

''کیا بات ہے' پاکیزہ بی بی نظر نہیں آ رہی ہیں۔ کہاں ہیں؟'' اُس کے لہجے میں فکرمندی تھی۔

''جی' وہ تو بڑی بیگم صاحبہ کے پاس ہیں اور کہہ رہی تھیں کہ وہیں سو ئیں گی۔'' اس نے نیند میں ڈوبی آواز میں اطلاع دی۔

''ہوں.....'' وہ سر ہلا کر کمرے میں لوٹ آیا۔ ''پوچھنا تو دور' بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا؟'' اسے بہت برا لگا تھا۔

☆.....☆

ارسل رات بہت دیر سے سویا تھا۔ صبح اٹھا تو ملازم بیڈ ٹی لیے اس کے سرہانے کھڑا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہاری بی بی کہاں ہیں؟'' وہ بے زاری سے بولا۔

''جی' وہ ذرا مصروف ہیں اس لیے انہوں نے کہا کہ میں آپ کو بیڈ ٹی دے آؤں۔''

''اچھا۔'' اس نے چائے لے کر ایک گھونٹ بھرا اور کپ اٹھا کر پٹخ دیا۔ ''اتنی بکواس چائے کس نے بنائی ہے؟'' اس کا موڈ ایک دم سے بگڑ گیا۔

''وہ..... جی..... مومنہ بی بی نے بنائی ہے۔'' وہ ڈرتے ڈرتے بولا۔

''کیوں' پاکیزہ بی بی کے ہاتھ میں مہندی لگی ہے؟'' وہ غصے سے بولا۔

''جی' میں ابھی انہیں بھیجتا ہوں۔'' وہ اپنی جان چھڑانے کو بولا اور چلا گیا۔

وہ کمرے میں آئی تو وہ غصے سے یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔ اسے دیکھا تو اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''اب تمہارے پاس اتنی بھی فرصت نہیں کہ میرے لیے صبح ایک کپ چائے بنا دو؟''

''دادی نے کہا ہے کہ آپ کے تمام کام اسے کرنے چاہئیں جس نے مستقبل میں آپ کے لیے اور اس گھر کے لیے ہر ذمہ داری نبھانی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''صبح صبح مجھے نہ تو کوئی فالتو بات کرنی ہے اور نہ سننی ہے۔ جاؤ اور میرے لیے ناشتا بنا دو اور پلیز' مومنہ سے کہنا کہ وہ میرے لیے زحمت نہ کرے۔'' وہ خفگی سے بولا۔

پاکیزہ نیچے آئی تو طیبہ بیگم نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ ''کہاں جا رہی ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ..... دادی ..... ناشتا بنانے۔ مومنہ سے چائے ٹھیک نہیں بنی تو بہت غصہ کررہے تھے۔" پاکیزہ بہت پریشان تھی۔

"مومنہ سے کہو کہ وہ ناشتا بنائے۔" دادی اخبار پر نظریں جماتے ہوئے بولیں۔

"دادی..... اگر اس سے صحیح نہیں بنتا تو آپ کو پتا ہے وہ بھوکے آفس چلے جائیں گے۔" وہ فکرمند تھی۔

"ایک تو تم جیسی لڑکیاں شوہروں کو اتنا سر پر چڑھا لیتی ہیں کہ پھر وہ انہیں ہی کچھ نہیں سمجھتے۔ اب ایک بات کان کھول کر سن لو۔ خبردار، تم نے ارسل کو کوئی فیور دینے کی کوشش کی۔"

"دادی..... آپ کو پتا ہے، کچھ بھی ہو، میں ان کے معاملے میں پتھر نہیں بن سکتی۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"خبردار جو تم اس کے سامنے گڑگڑ پڑیں۔ یاد رکھنا، اگر آج تم گڑگڑ پڑ گئیں نا تو تم اپنے ہاتھ سے سب کچھ گنوا دو گی اور ویسے بھی جو اپنی مدد آپ نہیں کرتے، خدا بھی اُن کی مدد نہیں کرتا۔" وہ سنجیدہ تھیں۔

☆.....☆

"کیا بات ہے، جب سے آفس آئے ہو، خاموش ہو اور اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہو؟" زینل نے بغور میز کی دوسری جانب بیٹھے عمران کو دیکھا۔

"ہاں..... وہ ..... اریشہ....." وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا بات ہے، تم کچھ کہتے کہتے رک گئے؟" زینل نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"سوری، میں بھول گیا تھا کہ جب اریشہ سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں تو اس سے وابستہ کسی بات کا ذکر تمہارے لیے کیوں اہم ہوگا؟ بہرحال میں وہ فائل لے آیا ہوں جو تم نے منگوائی تھی۔" اس نے فائل زینل کے سامنے کردی۔

"اریشہ کو کیا ہوا ہے؟" زینل کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" عمران نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"پلیز، تم مجھے بتاؤ گے کہ اسے کیا ہوا ہے؟" زینل ملک فکرمند تھا۔

"کیا ہوا ہے، یہ تو نہیں پتا مگر کچھ ہونے والا ضرور ہے۔ کل جب میں اریشہ سے ملا تو مجھے اس میں پہلی سی کوئی بات نہیں لگی، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے اندر جینے کی خواہش باقی نہیں رہی اور پتا ہے اس نے باسط صاحب پر دباؤ ڈال کر انہیں مجبور کیا کہ علیشہ کی جلد از جلد شادی کردیں۔ اپنی ماں کا بزنس بھی اس نے علیشہ کے ہونے والے شوہر کے نام ٹرانسفر کردیا ہے۔" عمران نے اسے تفصیل بتائی۔

"وہ تو کہتی تھی کہ علیشہ کو جب تک ڈاکٹر نہیں بنائے گی، اس کی شادی نہیں کرے گی اور بزنس تو وہ خود سنبھالنا چاہتی تھی۔ ان فیکٹ، وہ اسے کسی اونچے مقام پر پہنچانا چاہتی تھی پھر اچانک سے ایسا کیا ہو گیا؟" زینل کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"پتا نہیں لیکن اس کی باتوں سے لگا کہ جیسے وہ ملک سے باہر جارہی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا تو کہنے لگی کہ اسے دور جانا ہے اور یہ بھی کہہ رہی تھی کہ جب میں یہاں سے چلی جاؤں تا تو اپنے دوست کو بتائیے گا کہ میں نے ان سے زیادہ محبت کسی سے نہیں کی اور یہ کہ تمہاری بے پناہ نفرت بھی اس کے دل سے تمہیں نہیں نکال پائی اور اس نے یہ بھی کہا کہ اگر اس کے اختیار میں ہوتا، وہ اپنی جان دے کر بھی تمہاری بیوی اور بچے کو اس دنیا میں واپس لے آتی۔" عمران نے اس کا کہا ہر حرف دہرایا۔

زینل ملک جانے کہاں کھو گیا، اس بارے میں اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا مگر وہ بے چین ہو گیا تھا۔

☆.....☆

"تم مجھ سے اتنی لاتعلقی کیوں ہوتی جارہی ہو؟" پاکیزہ کچن سمیٹنے میں مصروف تھی تبھی ارسل وہاں چلا آیا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ اس کی جانب دیکھے بنا بولی۔

"میں آفس بھوکا چلا جاؤں، آکر کھانا نہ کھاؤں، تمہیں کوئی پروا نہیں۔ گھر میں تو دو گھڑی بیٹھ کر بات کرنے کی فرصت نہیں، آفس سے تم سے بات کرنے کے لیے فون کرتا ہوں تو تم مومنہ کو فون تھما دیتی ہو اور تو اور، تین راتوں سے تم دادی کے کمرے میں سو رہی ہو؟" اس کے لہجے میں ناراضگی تھی۔

"کیوں، میں دادی کے کمرے میں نہیں رہ سکتی؟" اس نے موبائل نگاہوں سے ارسل کو دیکھا۔

"سارا دن گھر پر ہی تو ہوتی ہو نا، جتنا جی چاہے سب کے ساتھ وقت گزارو۔ میں نے کب روکا ہے مگر رات کو تو تمہیں اپنے کمرے میں، میرے ساتھ، میرے پاس ہونا چاہیے۔" وہ نرمی سے بولا۔

"آپ کوئی بیچ تو نہیں کرا لیے میں خوف محسوس کریں؟" اس نے پیشیں ایک طرف رکھتے ہوئے کہا، تب ارسل نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کرلیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"پرابلم تو یہی ہے کہ میں بچہ نہیں ہوں بلکہ ایک جیتا جاگتا مرد ہوں۔ ایک بچہ اکیلے پن کے معنی نہیں سمجھتا جبکہ ایک مرد تنہائی کو محسوس بھی کرتا ہے اور..... اور اسے بانٹنے کے لیے ایک ساتھی بھی چاہتا ہے۔"

"ساتھی کا انتخاب تو آپ کر چکے ہیں۔" پاکیزہ کا انداز جتانے والا تھا اور اس سے قبل کہ وہ کوئی جواب دیتا، مومنہ وہاں چلی آئی۔ جانے کیوں انہیں اتنا قریب دیکھ کر اسے جلن محسوس ہوئی تھی۔

چار اشعار

کہاں کسی کی حمایت میں مارا جاؤں گا
میں کم شناس، مروت میں مارا جاؤں گا
.....
میں مارا جاؤں گا پہلے کسی فسانے میں
پھر اس کے بعد حقیقت میں مارا جاؤں گا
.....
میں ورغلایا ہوا لڑ رہا ہوں اپنے خلاف
میں اپنے شوقِ شہادت میں مارا جاؤں گا
.....
میں چپ رہا تو مجھے مار دے گا میرا ضمیر
گواہی دی تو عدالت میں مارا جاؤں گا

رانا سعید دوشی

☆.....☆

"تم میرے آفس میں؟" ارسل مومنہ کو اپنے آفس میں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

"ایک ضروری بات کرنی تھی؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"ایسی کون سی بات ہے جو گھر پر نہیں ہو سکتی تھی؟" وہ حیران ہوا۔

"بیٹھ جاؤں؟" اس نے اجازت طلب کی۔

"بیٹھو۔" اُس نے مومنہ کو اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔

"بولو؟" وہ متوجہ تھا۔

"جب تم جانتے ہو کہ تمہیں پاکیزہ کو طلاق دینی ہے تو اب اس سے اتنی قربت کا مطلب کیا ہے؟ رات کو بھی کچن میں تم نے جو کچھ اسے کہا، وہ میں نے سنا۔" وہ مطلب کی بات پر آگئی۔

"ویسے میاں بیوی کے درمیان کی باتیں سننا اچھی بات نہیں ہوتی۔" ارسل نے ناراضگی سے اسے دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ارسل' تم جو کررہے ہو' تمہیں احساس نہیں کہ ہماری منزل جو بس دو گام پر ہے' دس قدم دور بھی ہوسکتی ہے؟''

''دیکھو مومنہ' سب نے ہماری شادی کے لیے رضامندی دے دی ہے پھر تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟'' اسے اُس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

''اگر پاکیزہ پریگنٹ ہوگئی تو؟'' اسے یہی خوف ستا رہا تھا۔

''تو کیا ہوا' وہ شادی شدہ عورت ہے اور ماں بننا تو ہر عورت کا حق ہے اور نئی ذمہ داری سے تو مجھے گھبرانا چاہیے' تم کیوں پریشان ہو؟'' وہ مسکرایا۔

''یہ مذاق کی بات نہیں ہے۔ اگر ایسا کچھ ہوا تو تم اسے طلاق نہیں دے سکو گے اور جب تک اسے طلاق نہیں ہوگی' میری اور تمہاری شادی ناممکن ہے۔''

''دیکھو مومنہ' جس طرح یہ حقیقت ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے' اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک پاکیزہ میرے نکاح میں ہے' میں یہ نہیں بھول سکتا کہ ہم دونوں کا ایک دوسرے پر حق ہے۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا تو مومنہ خاموش ہوگئی۔

☆......☆

''امی......! آپ......'' خدیجہ بیگم' طیبہ بیگم کی طبیعت معلوم کرنے آئیں تو مومنہ کو انہیں دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی۔ وہ دوڑ کر اُن سے لپٹ جانا چاہتی تھی مگر وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔

''امی......! کیا آپ اپنی بیٹی کو گلے نہیں لگائیں گی؟'' اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

''تم کسی کی کچھ نہیں ہو' اگر تم رشتوں کو یاد رکھتیں تو کل نہ ماں باپ کی عزت کا جنازہ نکالتیں اور نہ ہی آج اپنی بہن کا گھر اجاڑنے یہاں بیٹھی ہوتیں۔ میں تو اس وقت کو کوستی ہوں کہ جب میں نے تم جیسی ناگن کو جنم دیا۔'' وہ نفرت سے بولیں۔

''آپ کو جو کہنا ہے' کہیں مگر اس سے میرا فیصلہ نہیں بدلے گا۔'' وہ گویا پھنکاری تھی۔

''اور اگر میرا ہی فیصلہ بدل جائے تو؟'' ارسل اچانک آیا تھا۔ وہاں کھڑے تمام لوگ چونکے تھے۔ ارسل عین مومنہ کے سامنے آکر رکا تھا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ حیران ہوئی۔

''میں نے کچھ نہیں کہا جو کہا' وہ اعتصام صاحب نے کہا ہے۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''دیکھو' وہ آدمی ایک نمبر کا جھوٹا ہے' اس نے جھوٹ بولا ہے کہ میں اس کے ساتھ امریکہ میں اس کے اپارٹمنٹ میں رہی ہوں۔'' وہ بوکھلاہٹ میں سچ اگل گئی۔ سب ہی سناٹے میں آگئے۔

''میں نے تو ابھی بتایا بھی نہیں کہ اس شخص نے مجھ سے کیا کہا؟'' وہ طنز سے بولا۔

''دراصل......وہ......وہ......ہاں......وہ......آدمی مجھے بہت عرصے سے پریشان کررہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اگر میں نے اس سے دوستی نہ کی تو وہ تمہیں بدظن کردے گا۔'' مومنہ کی بروقت جھوٹ کی عادت آج اس کے سامنے دیوار بن کر کھڑی تھی۔ یاد آیا اور اس کے ساتھ ہی ارسل کا ہاتھ اٹھ گیا۔ پاکیزہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

''اور کتنا جھوٹ بولوگی؟ تم نے تو رشتوں اور جذبوں کو مذاق بنا دیا۔ تم اتنی خودغرض ہو کہ تم نے اپنے غرض کی آگ میں ہم سب کو جھونکنے سے پہلے یہ نہیں سوچا کہ ہم تم سے حقیقتاً محبت کرتے تھے۔ میری نظروں سے دور ہوجاؤ اور ہوسکے تو کبھی لوٹ کر مت آنا۔'' وہ اس گھڑی مومنہ کو نفرت کی آگ میں دہکتا ہوا لگا۔ اس نے ایک نظر سب پر ڈالی اور خاموشی سے چلی گئی۔

مومنہ نے کیا سوچا تھا اور کیا ہوگیا تھا۔ سب کچھ ایک ہی پل میں اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اس

کے ساتھ ہی اس کے پاس جینے کی کوئی وجہ نہیں بچی تھی، اس لیے اس نے بڑے آرام سے موت کو گلے لگالیا تھا۔

پاکیزہ اور خدیجہ بیگم بہت روئی تھیں۔ دکھ تو ارسل کو بھی تھا مگر اتنا نہیں' جتنا اپنے اور پاکیزہ کے رشتے کے قائم رہنے کی خوشی تھی۔

☆......☆

ہاسپٹل میں اریشہ کی آنکھ کھلی تو اس کے سامنے زینل ملک موجود تھا۔

''اپنی جان لینے کی کوشش کیوں کی؟'' وہ فکرمند تھا۔

''میں حساب برابر کرنا چاہتی تھی۔ میں نے آپ سے آپ کی سب سے قیمتی چیز چھین لی تھی، تو اس حساب سے میری سزا یہ بنتی تھی کہ میں بھی اس انسان کو چھوڑ کر اس دنیا سے چلی جاؤں جو میری زندگی کا اثاثہ ہے۔'' وہ اسے چاہت سے دیکھتے ہوئے بولی۔ زینل نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''اور یہ حساب برابر کرتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ میں دوبارہ محبت کو گنوا کر کیسے جیوں گا؟'' اس کی آنکھوں اور لہجے میں جذبے پوری شدت سے بول رہے تھے۔

''سوری۔'' وہ محبت سے بولی پھر جیسے اچانک اسے کچھ یاد آیا۔ ''میں نے تو نیند کی گولیاں اپنے کمرے میں کھائی تھیں تو میں ہاسپٹل کیسے آگئی؟''

''عمران نے اس دن تم سے ہونے والی ملاقات کے متعلق مجھے بتایا تھا۔ تب سے مجھے یقین تھا کہ تم کچھ نہ کچھ کروگی اس لیے تمہارے ملازمین کو تاکید کردی کہ جب بھی تم کوئی الٹی سیدھی حرکت کرو تو وہ فوراً مجھے بتائیں۔ آج تم اُن ہی کی بدولت زندہ ہو۔'' وہ مسکرایا۔

''آپ نے مجھے معاف کردیا؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے زینل کو دیکھا۔ تب اس نے بے اختیار اریشہ کو گلے سے لگالیا۔

''تم سے دور رہنا میرے لیے ناممکن ہے۔ اگر آج تمہیں کھو دیتا تو یہ نقصان اس نقصان سے بھی بڑا ہوتا جو ہوچکا ہے۔'' اریشہ کے ہونٹوں پر بڑی اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔

☆......☆

ارسل بیڈ پر بیٹھا تھا۔ وہ اس کے قریب آکر بیٹھ گئی اور اس کے کاندھے پر سر رکھ دیا۔

''ہما آپی کی شادی کے بعد لگتا ہے کہ اس سے بڑی خوشی کوئی ہو نہیں سکتی۔'' ارسل خوش تھا۔

''ہوسکتی ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''جیسے؟'' ارسل متوجہ تھا۔

''جیسے یہ کہ اچانک سے آپ کو یہ پتا چلے کہ آپ پاپا بننے والے ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

''واقعی!!'' اس نے جھک کر بے یقینی سے پاکیزہ کا چہرہ دیکھا جس کے چہرے پر دھنک رنگ بکھل رہے تھے۔ ارسل نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

''تم واقعی چاہے جانے کے لائق ہو، اسی لیے تو میں خود کو تمہیں چاہنے سے روک نہیں پایا۔'' ارسل نے کھل کر اعتراف کیا۔

اس اعتراف نے پاکیزہ کو خود اپنی نظروں میں معتبر کردیا تھا۔ زندگی پوری شدت سے اس سے روئے زمین پر اس لمحے اُن دونوں کو اپنے حصار میں لیے مسکرانے لگی تھی۔

چور دروازوں کے دوسری طرف خوشیوں کے بھیس میں غم ہوتے ہیں۔ اپنے حق کے لیے لڑنا اچھی بات ہے مگر چور دروازے تلاش کرنا کمزوری ہے اور کمزوری انسان کے اندر پیدا ہوجائے تو شکست انسان کا مقدر بن جاتی ہے۔

(......ختم شد......)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناولٹ

رِفاقت جاوید

راہ تکت ہیں نین

تجربے سے یہ گُر اُس نے اپنے پلے باندھ لیا تھا کہ مرد کبھی دھمکیوں اور ناراضگیوں سے قابو نہیں آتا، یہی وجہ تھی کہ ضد، ہٹ دھرمی اور کٹھور پن، اُس کے کسی انداز سے ظاہر نہ ہوتا تھا اور یہی اُس کی جیت تھی، جس کی ترنگ اور بے خودی میں وہ......

گئے وقت کو ڈھونڈتی ایک دوشیزہ کی روداد، ناولٹ کی صورت

اللہ کا شکر ادا کرو میری جان، کیوں رو رو کر ہلکان ہو رہی ہو۔ تم صبر و تحمل سے اپنی تمام تر ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اپنوں اور غیروں کے سامنے سرخرو ہوگئی ہو اور کیا چاہیے تمہیں۔ اب ایسی کون سی پریشانی لاحق ہوگئی ہے۔"

دوسری جانب سوائے رونے دھونے کے کوئی دوسرا ردِعمل نہ تھا۔

بینا ویب کیم کو درست کرتے ہوئے بولی۔

"ویسے تم روتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتیں۔ ذرا مسکراؤ اور پھر بتاؤ کیا ہوا ہے؟ بہو سے جھگڑا تو نہیں ہو گیا؟" بینا نے پوچھا۔

"میری حمایت کبھی نہ کرنا اور بس اپنی تمہید باندھتی چلی جاؤ۔" ربیعہ کوفت آمیز لہجے میں بولی۔

بینا نے اپنی تمام تر توجہ اُس کی جانب مرکوز کردی۔ "آئی ایم سوری، میں ہوں نا تمہاری ناز برداریاں اُٹھانے کو، اپنا سارا غصہ میری سماعتوں میں منتقل کر کے مطمئن ہو جاؤ۔ بندی حاضر ہے۔" وہ نہایت پیار سے بولی۔

"تنہائی، شب و روز کی تنہائی، جان لیوا اور روح فرسا تنہائی۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

"خدا کے لیے ربیعہ تم تو کم از کم ایسی باتیں نہ کرو۔" وہ مُدعا سمجھ چکی تھی۔ "تم حقیقت پسند ہو، ہوش و خرد کی دنیا کو آباد رکھنا میں نے تم سے سیکھا ہے۔ اپنے مشتعل اعصاب اور ذہنی پریشانیوں سے باہر نکل آؤ۔ پھر مل کر مسئلے کا حل ڈھونڈ نکالتے ہیں۔" وہ رسان سے بولی۔

"وقت کے ساتھ اُس ماحول کی عادی ہو جاؤ گی اگر عورت میں لچک نہیں تو وہ عورت کہلانے کی حقدار نہیں۔"

"عادی ہو جاؤں گی، اونہہ۔" اُس نے ناگواری سے سر جھٹکا۔ "یہ احساس میرے خون میں سرائیت کر گیا ہے کہ شاید میں ہی مجرم ہوں اور میری بے بسی و لاچاری کا خاتمہ موت پر ہے۔ خودکشی حرام نہ ہوتی تو کب سے اِس سے چھٹکارا حاصل کر چکی ہوتی۔"

"کیسی احمقانہ باتیں کرتی ہو۔ توبہ استغفار کا ورد کیا کرو۔ اللہ اور اُس کا نبیؐ ناشکری کرنے والوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔" بینا دھمکی آمیز لہجے میں اُسے سمجھانے لگی۔

"اللہ مجھ سے راضی کب تھا؟ ہر کوئی منہ اُٹھائے نصیحتیں کرنے چلا آتا ہے۔ تمہارے علاوہ آج تک کبھی کسی نے میرے جذبات و احساسات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ ہر جگہ اور ہر طرح کے لوگوں کے ساتھ ایڈجسٹ ہونے کی توقع صرف مجھ ہی سے کی جاتی ہے۔ آج تک میری خاطر کوئی نہ بدلا۔ تم بھی مجھ جیسی ناقابلِ فہم عورت کو جی بھر کر نصیحتیں کر کے احساسِ بڑائی میں سرشار ہو جاؤ۔"

"اِس کے لہجے کی تختی سے بینا تذبذب میں پڑ گئی۔

"یار! یوں خفا تو نہیں ہوتے۔ اپنے گھر کی چاہ میں، تم نے اپنی امیدوں کے دیپ کبھی بجھنے نہیں دیے۔ ایک ایک تنکا جمع کر کے تم نے اپنے آشیانے کو نہایت عمدہ اور نفیس بنا لیا ہے۔ اپنا گھر تو جنت اور راحتوں کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ اِسی کے حصول میں تم نے اپنی جوانی کی تپتی دوپہر کے ماہ و سال گزار دیے۔ تمہاری دیرینہ خواہش معجزانہ طریقے سے پوری ہو چکی ہے۔ اب تم امریکہ جیسی جگہ پر ہو، تمہارا گھر کسی محل سے کم نہیں ہے۔ اب تو اپنے دامن کو خوشیوں سے بھر کر، ماضی کی تمام تر تلخیوں کو فراموش کر دو۔" بینا کا لہجہ التجائیہ تھا۔

"میں تمہارے ہر لفظ کی تائید کرتی ہوں، لیکن صرف ایک بار، چند لمحوں کے لیے میری جگہ پر آ کر سوچو، بہو بیٹا صبح ہی کام کو نکلتے ہیں تو شام ڈھلے تھکے

ہارے واپس آ کر کھانا نیم غنودگی کے عالم میں زہر مار کرتے ہیں اور مجھے شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ یعنی چوبیس گھنٹوں میں سے صرف آدھ گھنٹہ صبح اور آدھ گھنٹہ شام کا میرے نصیب میں ہوتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ میں کتنی کتابیں پڑھوں۔ کتنی عبادت کروں۔ طویل اور بے مقصد فون کر کے کسی کو تنگ نہیں کرنا چاہتی، ہر شوق کی اور ہر کام کی ایک حد ہوتی ہے۔ مجھے تو اب اپنا ماضی بہتر لگنے لگا ہے۔ کم اَز کم میں اپنوں میں تو تھی۔ وہی دن بھلے تھے۔" اُس کے لہجے میں حسرت و یاس سمٹ آئی تھی۔

"مجھے لگتا ہے، تمہاری یادداشت کے ساتھ کوئی چکر چل گیا ہے۔ بھول گئی ہو بھابی کے طعنے، تمہیں کتنے سالوں بعد ایک خودمختار زندگی گزارنے کا موقع ملا ہے۔ انجوائے کرو۔" بینا مسلسل اُسے یاد کرانے پر تلی ہوئی تھی۔

"ایسی خودمختاری مجھے ہرگز نہیں چاہیے۔ یہاں میری کوئی کمپنی نہیں، کوئی بات سُننے والا ہے، نہ کرنے والا موجود ہے۔ ایسی تنہا زندگی تو موت کا انتظار ہے۔ میں اب سوچتی ہوں کہ بھابی اور بھائی نے تو مجھے سینے سے لگا کر رکھا ہوا تھا۔ میں خود ہی مضطرب رہا کرتی تھی۔ فراز کی گمشدگی اور پھر دیدہ دلیری، ناانصافی سے گھر چھن جانے کا صدمہ بڑھتا ہی چلا گیا تھا۔ اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو چلا ہے کہ جو لوگ حال کی نوازشات کو فراموش کر کے مستقبل کے سہانے سپنوں میں کھو کر زندگی گزارتے ہیں، وہ میری طرح مستقبل کو پا کر بھی تڑپتے رہ جاتے ہیں مگر حال ماضی میں جا چھپتا ہے اور پھر پلٹ کر نہیں دیکھتا۔ حال ہی تو زندگی ہے۔ مستقبل کس نے دیکھا......!" وہ لمبی گہری سانس لے کر بولی۔

"بینا! میں نے اپنی ناسمجھی میں حال سے راہِ فرار حاصل کرنے کے لیے ماضی پر کُڑھنا، پچھتانا اور آہ و فغاں کرنا سیکھا ہے۔ ہر دم دل میں اُٹھنے والی سرگوشی کو یہ کہہ کر دباتی رہی کہ مستقبل آج سے خوش آئند ہو گا۔ میں نے اُمیدوں کے محل تعمیر کر لیے جو یہاں آ کر چکنا چور ہو گئے ہیں۔ اِک سراب کی منتظر رہ کر اپنی جوانی گزار دی۔ میرا سسرال مجھے ہمیشہ کہتا تھا کہ اِس نگوڑی کی عقل گدی میں ہے۔"

وہ سچ ہی تو کہتے تھے۔ وہ جس گھر کو اپنا سمجھ کر خوشی خوشی آئی تھی، وہ گھر تو بیٹے اور بہو کا تھا اور یہی خیال اُس کا دکھ بڑھا دیتا کہ میرا کون سا گھر ہے۔ آج بھی وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔

"ارے پگلی، ایسے دل بُرا مت کرو۔ ہر معاشرے میں ہر عورت کی اپنے باپ کے گھر قیام کی مدت بہت کم اور عارضی ہوتی ہے۔ جس گھر میں تمہاری ولادت ہوئی، جب وہ گھر ہی تمہارا سائبان نہ بن سکا تو پھر اور رشتوں سے کیا گِلہ......"

"لیکچر نہیں چاہیے، بس میرے مسئلے کا حل بتاؤ بینا، میں تنہا یہاں گُھٹ گُھٹ کر مرنا نہیں چاہتی۔ میری اداسی و تنہائی کا ذکر میرا بیٹا سننے کو تیار نہیں۔ بدقسمتی سے میرا بیٹا اور بے پناہ توجہ دینے والی بہو اِس دیارِ غیر میں کہیں کھو گئے ہیں۔ ماں کے بے لوث رشتے کی محبت سے ناآشنا ہو گئے ہیں۔ میرے ایثار سے انجان اور میرے مسائل سے بے خبر رہنے لگے ہیں اور اب تو اکثر اولڈ پیپلز ہوم کے سسٹم کی مدح سرائی کرتے نہیں تھکتے۔ وہ مجھے ذو معنی الفاظ میں کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں۔ میں نے اپنے بیٹے کے مستقبل کا جو روشن اور حسین خواب دیکھا تھا وہ تو پورا ہو گیا لیکن اَب بچوں کی بے توجہی اور لاپروائی دیکھ کر یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے میری حیثیت اِس گھر میں ملازمہ سے بڑھ کر نہیں۔ شادی کے بعد تو جیسے ایک مفت کی ملازمہ کی مُہر میرے ماتھے پر ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔ سسرال جاتی تو مجھے وہاں اُس کیٹگری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ڈال دیا جاتا تھا۔ بھائی کے پاس آیا گیری، خانساماں اور جمعدار کی ملازمت مِل گئی۔ بیٹے کے گھر میں مالکن کا درجہ بھی دھرے کا دھرا ہی رہ گیا۔ کیونکہ مُہر میری شناخت اور پہچان بن چکی تھی۔ کسی کو موردِ الزام کیوں ٹھہراؤں؟ اِسے تقدیر کہتے ہیں بیٹا۔ دُعا تو تقدیر کو بدل دیتی ہے۔ میں ابھی بھی اُس ذات سے نااُمید نہیں ہوں۔" اب اُس کے آنسو تھم گئے تھے۔ وہ اپنی بکھری ہوئی ہمت کو یکجا کر کے بولی۔ "پاکستان آ کر اپنے گھر جا کر بیٹھ جاتی ہوں۔ شاید میرے سسرال کو مجھ پر رحم آ جائے۔ بیٹا کس سوچ میں پڑ گئی ہو، جواب تو دو۔" وہ اُس کی خاموشی پر بے چینی سے بولی۔

"میں اپنا ویزہ ری نیو کرانے اسلام آباد جانے کا پروگرام بنا رہی ہوں۔ تمہارے گھر پر قبضہ کرنے والوں سے مل کر اُن کے حالات و واقعات کی خبر گیری کا سوچ رہی ہوں۔ ہوسکتا ہے اُن کے مرے ہوئے ضمیر زندہ ہو چکے ہوں۔ تمہیں گھر میں آنے کی اجازت مِل جائے۔"

وہ اِک اَنہونی بات کر کے اُسے تسلی و تشفی دے رہی تھی۔ اِس سے پہلے کہ ربیعہ اپنے خیالات کا مزید اظہار کرتی، انٹرنیٹ کا کنکشن بجلی فیل ہونے کی وجہ سے کٹ گیا۔

☆......☆

"فراز، میں تمہارے جانے پر کیسے صبر کرلوں۔ جب اللہ تعالیٰ اپنی امانت واپس لے لیتا ہے تو لواحقین کو رو دھو کر صبر آ ہی جاتا ہے۔ مجھ سے تو اُس کے بندوں نے تمہیں چھین لیا۔

کس قصور میں؟؟

کس گناہ کی پاداش میں؟

میں نے تمہاری یادوں کے سہارے زندگی گزار دی۔ ہر آہٹ پر چونکی۔ دروازہ کھول کر دیکھا کہ شاید تم آ گئے، اپنی ربیعہ کے دُکھوں اور غموں کو دور کرنے مگر یہ دنیا والے تو بہت ظالم اور سنگدل نکلے۔

وہ آنسو بہاتی رہی......!

☆......☆

ربیعہ ہوم اکنامکس کالج میں زیرِ تعلیم تھی۔ والدین کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے کئی سال بیت گئے تھے۔ ایک ہی نہایت شریف النفس اور کم گو بھائی بینک میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ جس نے اپنی ہی کولیگ سے شادی کرنا مناسب سمجھا تھا۔ بھابی معمولی صورت اور متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی لڑکی تھی۔

بھابی نے ربیعہ کی تعلیم کی پروا کیے بغیر اِس کا رشتہ اپنے ہی دور پار کے رشتے داروں میں طے کر دیا جو محلوں کی تہذیب و تمدن کے ساتھ نہایت سادگی سے زندگی بسر کر رہا تھا۔

فراز ماسٹرز مکمل کرنے کے بعد یونیورسٹی میں لیکچرار کی جاب پر فائز تھا۔ بڑے تین شادی شدہ بھائیوں نے پڑھائی کے میدان میں کوئی خاص معرکہ سرانجام نہ دیا تھا۔ اِدھر اُدھر چھوٹے موٹے بزنس سے اچھی گزر اوقات کر رہے تھے۔ ان سب کو فراز پر بے پناہ فخر تھا۔ سب سے چھوٹی بہنیں قریبی اسکول میں زیرِ تعلیم تھیں۔ گھر کی فضا میں یکجہتی تھی لیکن تعلیم و تربیت پر زیادہ توجہ نہ دی جاتی تھی۔

ربیعہ نے گھونگھٹ میں ہی اپنے کمرے کا جائزہ لیا، جسے سجانے پر کوئی خاص توجہ نہ دی گئی تھی۔ جہیز میں ملنے والا ڈبل بیڈ، موزائیک کے ننگے فرش پر بغیر کسی ترتیب و تزئین سے رکھا ہوا تھا۔ کمرے کی کھڑکی کے پردے گھر کی عورتوں کے پھوہڑ پن کی گواہی پیش کر رہے تھے۔ اِس گھر کی عورتوں کا پہناوا دیکھ کر کسی کو بھی اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ انہوں نے زندگی گزارنے کے دو گُر پلّو سے باندھ لیے تھے،

خوش لباسی اور خوش خوراکی...... تمام آمدنی صرف اس شوق کو پورا کرنے پر صرف ہو جاتی۔ محلے کے باقی گھر بھی اِسی روش و اصول کے پابند تھے۔ اس لیے انہیں گھر کو سلیقے اور ہنرمندی سے سجانے کی بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی۔

فراز فطرتاً اُس کے دل کو بھا گیا تھا۔ صبح گھر کے غسل خانے کا تفصیل سے جائزہ لینے کا موقع مل گیا۔ پلاسٹک کے میل سے اَٹے ہوئے ٹب اور بالٹی، مگوں سمیت چکنے فرش پر اُلٹے سیدھے پڑے ہوئے تھے۔ دیوار پر ایک ہی پانی کا نل لگا ہوا تھا۔ ساتھ ہی تھوڑے فاصلے پر انڈین W.C جو کہ گھر میں مہمانوں کی موجودگی کی عبرت ناک داستان پیش کر رہا تھا۔ اُف ظاہر اور باطن میں اتنا تضاد......

کیا بھابی کو علم نہ تھا۔ مجھے اپنے سر سے اُتار پھینکنے کا جو ظلم انہوں نے کیا ہے۔ اس کے لیے میں کبھی انہیں معاف نہیں کروں گی۔ کیا بھیا کو بھی نظر نہ آیا کہ بہن کے لیے کس ماحول کا انتخاب کر رہا ہوں۔ اُن کے منہ میں تو زبان ہی نہیں ہے اور عقل کا خانہ بھی خالی ہے جو بیوی نے کہہ دیا سب درست ہے۔ وہ یہ سوچتی ہوئی چہرے پر پانی کے چھپاکے مارتی روئے چلی جا رہی تھی۔ جب باہر نکلی تو آنکھیں خاصی سُرخ ہو چکی تھیں۔

اب اس گھر کی تمام خواتین سے گھنٹوں ملاقاتیں کرنی تھیں، جس ظاہری پہناوے کے دھوکے میں بھابی آ گئی تھیں۔ مٹھائی اور فروٹ کے بڑے بڑے ٹوکروں پر ہی دور بجھ گئی تھیں اور وہ بس اُن کی زبان کی چاشنی میں ہی گھل کر رہ گئی۔ یہ سب کچھ ابھی بھی موجود تھا۔ اُس میں رتی بھر کمی نہ تھی لیکن......

اس نے بھی اپنے طور پر فیصلہ کر لیا کہ وہ فراز کو لے کر یہاں سے چلی جائے گی۔ اپنا گھر بنائے گی

غزل

مشورہ سمندر سے بار بار کرنا کیا
کون ہے اُدھر اپنا، جا کے پار کرنا کیا

کینوس پہ اشکوں کے پھول کیوں کھلاتے ہو
جو نظر نہ آئے وہ شاہکار کرنا کیا

کس لیے ڈراتے ہیں سب مجھے خسارے سے
عشق سے بھی مشکل ہے کاروبار کرنا کیا

تتلیاں بناتا ہوں، پھول بھی پرندے بھی
کس لیے بناتا ہوں آشکار کرنا کیا

آج کل مقدر میں ہجر بھی ہے، ہجرت بھی
نعمتیں فراواں ہیں دن شمار کرنا کیا

چار گز کا ٹکڑا ہے، آسماں کی چادر بھی
چار سُو کی عریانی، چھوڑ یار کرنا کیا

فیصل عجمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اپنی مرضی اور پسند سے اُس کو سجائے گی اور اپنی زندگی کو اپنی مرضی کے مطابق گزارے گی۔

کافی دیر گزر جانے کے بعد کمرے کا دروازہ کوئی بیدردی سے پیٹنے لگا۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے دروازہ کھولا۔ بڑی جٹھانی ویسے کا ڈریس اور جیولری لیے کھڑی تھیں۔ حسبِ توقع ڈیزائنر کا قیمتی زرق برق لباس اور جیولری دیکھ کر وہ طنزیہ مسکرادی۔

''پسند آیا ہوگا۔ ہم سب کی محنت اور پسند کا نچوڑ ہے یہ......'' وہ فخر سے بتارہی تھیں۔

''اُس کا دل چاہا، انہیں سمجھائے کہ لباس، خوراک اور رہن سہن میں بیلنس رکھنا بھی محنت اور سلیقے کے آداب ہیں۔ تعلیم کے باوجود تم نے عورتوں کو تمدن اور طرزِ معاشرت کے تمام قانون اور اصولوں سے بے بہرہ رکھا ہے۔ ممکن ہے یہ خود بھی ایسی ہی نسل سے تعلق و ربط رکھنے والی خواتین ہوں مگر وہ کچھ نہ کہہ سکی بس سوچ کر ہی رہ گئی......

☆......☆

فراز کے ساتھ میکے آئی تو اُس نے بھیا کو تمام حالات بتائے اور اس مسئلے کا ایک حل بھی سامنے آ گیا کہ جائیداد کے حصے سے اسے ایک گھر خرید کر دے دیا جائے لیکن یہ آفر فراز کو پسند نہ آئی۔ وہ اپنوں کو کسی قیمت پر چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ وہ جوائنٹ فیملی سسٹم کا پروردہ تنہائی اور اکیلے پن میں رہنے کا تصور بھی نہ کرسکتا تھا۔ بھابی بھی خاصی تلملائیں۔ یوں یہ بات آئی گئی ہوگئی۔

☆......☆

بھیا نے دانشمندی اور دور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے، ربیعہ کے لیے تین بیڈ روم کا گھر خرید کر اُس کے نام کر دیا۔ فراز کی آمادگی کی ذمہ داری ربیعہ نے اُٹھالی۔

شب و روز کی انتھک محنت، عاجزی اور خوشامد سے وہ فراز کو رضامند کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ سسرال، اُس کی اس خوداعتمادی اور فیصلے کو بھلا کیسے درگزر کرسکتا تھا، ساس نے اُس کے جہیز کی کسی چیز کو چھونے تک نہ دیا۔

وہ دونوں بے سروسامان خالی گھر میں آبسے۔

بھابی پہلے ہی خفا ہوچکی تھیں۔ بھیا سے مزید رابطہ رکھنا تقریباً ناممکن ہی ہوگیا تھا۔ وہ نہ ہی اُس کی کال اٹینڈ کرتے، نہ ہی ملنے کی ضرورت محسوس کرتے۔ اُنہوں نے جس کام کو پایہء تکمیل تک پہنچانے کا سوچا تھا، وہ مکمل ہوچکا تھا۔

نئے گھر کی پہلی رات ننگے فرش پر کس قدر کرب انگیز تھی۔ اُس کا اندازہ صرف ربیعہ لگا سکتی تھی۔ دوسرے دن ربیعہ نے سلائی کی رقم سے گھر کا ضروری اور مختصر سا سامان خریدا اور زندگی رواں دواں ہوگئی۔

فراز اپنے رشتے داروں کے بغیر اداس اور چڑ چڑا رہنے لگا تھا مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ بیوی کی خوشی بھی تو اہمیت کی حامل تھی پھر بھی وہ بات بات پر بگڑ کر اُسے بیسیوں باتیں سناتا۔ وہ ایک کان سے سُنتی اور دوسرے کان سے نکال کر ہمیشہ مسکراہٹیں بکھیرتی ہوئی نظر آتی۔

چند مہینوں بعد رمضان ہزار ہا برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ نازل ہوا۔ سحری کی رونقیں اور افطاری کی گہما گہمی فراز کو یادوں کے دنیا میں لے جاتی۔ کئی دفعہ تو اُس نے بغیر کھائے پیے روزہ رکھ لیا۔ اپنے کولیگز کے ہمراہ روزہ افطار کرلیا اور آخر ایک دن وہ ماضی کی عرضداشت لے کر اپنی ماں اور بڑے بھائیوں کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ خونی رشتوں میں ناراضگی چند گلے شکوؤں کے بعد ہی رفو چکر ہو جاتی ہے۔ فراز کو بھی زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ وہ سر جھکائے مودبانہ انداز میں ہر لفظ اپنی

ساعتوں میں محفوظ کرتا گیا اور سعادت مندی سے کبھی کبھی سر کو جنبش دے کر اُن کی باتوں کی تائید کا اظہار کر کے سب کو شاداں و فرحاں کرتا رہا۔

ہر افطار اُن سب کے ساتھ کرنا اب اس کا روز کا معمول بن چکا تھا۔ ربیعہ کو بے خبر رکھ کر، وہ سسرال میں اُس کی عزت و اہمیت کو حقارت و نفرت کا درجہ دے دیا گیا تھا۔

ربیعہ نے فقط الگ رہنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ سسرال کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہنے کا تو اُس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ فراز کی اِس کمزوری کا فائدہ اب اُس گھر کا بچہ بچہ اُٹھانے لگا اور ربیعہ جس گھر کو جنت کا گہوارہ بنانا چاہتی تھی وہ آہستہ آہستہ جہنم کی منہ بولتی تصویر بن گیا۔ وہ اپنے طور پر فراز کی تنخواہ کو بے حد سلیقے اور طریقے سے مصرف میں لاتی۔ ہر مہینے کے بجٹ سے کفایت شعاری سے گھر کی ایک آدھ چیز خرید لیتی تھی۔ پہلے فراز اِس کی اِس خوبی کو دِل کھول کر سراہا کرتا تھا۔ اَب مخالفت پر اُتر آیا تھا۔

وہ اِس گھر کے سیٹ اَپ کو بدل کر اپنوں سے کنارہ کشی کے ڈر سے دہل جاتا اور قہر و غضب ربیعہ پر نازل ہونے لگتا۔ فراز نے اپنے گھر کے ہر کمرے میں سُوت کی چار پائیاں اور اُوپر شوخ پرنٹ کی بچھی ہوئی چادریں دیکھی تھیں۔ چار پائیوں کے نیچے پیڑیاں جھانکتی ہوئی اپنی موجودگی کا اظہار کرتی نظر آتی تھیں۔ باورچی خانے کے درمیان چولہا تھا، جس پر نیچے بیٹھ کر کھانا پکتا اور وہیں پر گرم گرم سرو کیا جاتا تھا۔ ربیعہ اُس کے برعکس اُن کے گھر کی تبدیلی میں اہم کردار ادا کر رہی تھی جو کہ سسرال کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ اِس گھر کی غیر مانوس اور پُرتکلف فضا میں وہ پاؤں تک رکھنے کے روادار نہ تھے۔ اِس لیے تنقید اور اعتراض کرنا بھی اپنا حق سمجھتے تھے۔

وہ خاموش رہتی اور ایک ایک پائی جوڑ کر اپنے گھر کے لیے اپنی بساط اور ضرورت کے مطابق خریداری کرتی، دس بار اُس کو سیٹ کرنے کی جگہیں بدلی جاتیں۔ فراز کی ڈانٹ ڈپٹ کو بھی وہ ہنس کر سہہ جاتی۔ اپنی ہُنرمندی سے وہ حسبِ توفیق گھر کو خوب صورت سامان سے سجا کر اپنے جذبہء شوق کی سرخروئی پر نازاں بھی ہوتی تھی اور کبھی کبھی فراز کو سمجھانے کی بھی کوشش کرتی۔

☆......☆

''ابھی تک بدبخت کی گود ہری نہیں ہوئی۔'' یہ خبریں جب اِس تک پہنچیں، تو وہ تلملا اُٹھی۔

فراز پہلے ہی ہر وقت پژمردگی اور مایوسی میں گھرا رہتا تھا۔ اولاد کی محرومی کا احساس بھی اب سر چڑھ کر بولنے لگا تھا۔

ربیعہ کو بھی اب تو اپنے تمام شوق اور جذبے بے مصرف، بے جا اور نامناسب لگنے لگے تھے۔ پوری رغبت اور توجہ سے وہ ہر وقت دُعائیں مانگنے لگی۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اُس کی دلی مراد بر آئی۔ اُن کی زندگی کو خوشیاں دینے کو آیان آ گیا۔ پہلی بار اِس کا سسرال اُس کے گھر نئے وارث کی مبارک باد دینے آ رہا تھا۔ خوش خوراک لوگوں کے لیے ضیافت کا ایسا انتظام کیا گیا کہ انہیں بھی مزا آ گیا۔ سب نے ہر کھانے کی دل کھول کر تعریف کی، جب کہ پذیرائی سے محروم، گھر اور ربیعہ رہی۔ جب کہ فراز طمانیت اور تسکین سے بھرپور تھا۔ امید کو اپنا ہمسفر بنائے، روشن ضمیری کی مثال قائم کیے، سب کا دل جیتنے کے تمام حربے استعمال کرتے ہوئے سب کو بیٹے کی پیدائش کی خوشی میں اُن سب کی پسند کے قیمتی جوڑے بھی تحفے میں دے کر رخصت کیا گیا۔

اُن کی خوشی اور لگاوٹ کا عارضی پن اُن کے ہر انداز اور رویئے سے نمایاں ہو رہا تھا لیکن وہ اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مہمان نوازی اور خوش مزاجی سے اُن کے ساتھ پیش آنے پر خود بھی خاصی خوش اور مطمئن تھی۔

اُن دونوں کے درمیان جو فاصلے اور اختلافات بڑھ گئے تھے، اب دھیرے دھیرے کم ہونے لگے۔ وہ فخر و مسرت سے اپنے رشتے داروں، احباب کو گھر پر بھی مدعو کرنے لگا تھا۔ دِل پر کدورت کی چھائی ہوئی دُھول اور گرد و غبار ربیعہ کے ربط و ضبط، وفا اور پیار سے ختم ہونے لگا۔ مقصدِ حیات کی خاطر اپنی توجہ مرکوز کر کے کامیاب ہو جانا، پسندیدگی اور محبت پر اختیارات رکھنا، خود اعتمادی، مستقل مزاجی پر قائم دائم رہ کر دنیا کی بھاگ دوڑ میں پھرتی اور چستی سے شامل رہنا اُس کا حق تھا۔ کسی پر زیادتی یا ناانصافی ہرگز نہ تھی۔

مقدر میں ماحول کا تضاد لکھ دیا گیا تھا تو کیا ہوا؟ تدبیر سے اپنی زندگی کو اپنی ڈگر پر لانے کی وہ سزاوار ضرور تھی۔ جس کا اظہار فراز بار ہا اپنے مخصوص رویے سے کر چکا تھا، لیکن سسرال میں جو مقام اس کی جٹھانیوں کا تھا۔ وہاں تک اس کی سوچ کی رسائی تک نہ تھی۔

☆......☆

آیان کے اسکول جانے کا وقت بھی آچکا تھا۔ بھائیوں کے تمام بچے ماڈل اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، ربیعہ اپنے بیٹے کو بھی انگلش میڈیم اسکول میں ایڈمیشن دلوانا چاہتی تھی۔ گھر کی فضا ایک بار پھر تناؤ کا شکار ہوگئی۔ بڑے بھیا کے حکم کی تعمیل نہ کرنا معمولی غلطی تو نہ تھی، لہٰذا اسے بھائیوں کے بچوں کے ساتھ ماڈل اسکول میں داخلہ دلوانا اس لیے بھی ضروری سمجھا جا رہا تھا کہ اُن کے درمیان اسٹیٹس کی ناقابلِ عبور دیواریں حائل ہو کر آیان کو تنہا اور غیر محفوظ نہ کریں۔ اس خدشے نے فراز کو ایک بار پھر پٹری سے اُتار دیا۔ وہ اسے قہر آلود لفظوں میں سمجھانے لگا۔

”ہماری محبتیں نہایت سچی اور ہماری باتیں اور گپ شپ بے حد کھری ہوتی ہے۔ بتاؤ یہ کلچر میں کیسے چھوڑ دوں؟ میں نہیں چاہتا کہ میرا بیٹا اس اپنائیت سے سبکدوش ہو کر اِس بھری دنیا میں تنہائی کا شکار ہو کر کسی موذی بیماری میں گرفتار ہو جائے اگر تم اُس ماحول میں ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کرتیں تو تمہاری زندگی میں یہ مسائل تو نہ کھڑے ہوتے، تمہاری غذا لاجواب ہوتی اور خاندان کی سوشل لائف کا تم بھی ایک حصہ ہوتیں۔“

وہ اب اکثر اسے یہ بتانے کی بھی کوشش کرتا کہ مل جل کر نہ رہنے سے میرے ہی نہیں، تمہارے مسائل میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

محل میں تمہارا بھائی تنہا اور تم یہاں اکیلی...... خونی رشتے اجنبیت کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے دم توڑ چکے ہیں۔ خود غرض، نفسا نفسی، بے رخی اور بے رحمی تم جیسے شو آف لوگوں کی گھٹی میں ہوتا ہے۔ خدا کے لیے تم میری نسل کو تباہی سے دور ہی رکھو۔“ وہ طنزیہ انداز میں کہتا۔

ربیعہ حیرت سے اُسے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ میری خواہشوں اور تمناؤں کے سمندر کو تم نے دلدل تصور کر لیا، تم نہ بدلو گے۔

”میں تمہاری خواہش کا احترام کرتے ہوئے یہاں آبسا، لیکن تم میری باتوں کی گہرائی کو سمجھ لو تو یہ دوریاں یہ، فاصلے ختم ہو سکتے ہیں۔“ کبھی کبھی وہ اسے رسان سے بھی سمجھاتا۔

ربیعہ نے نہایت ٹھوس دلائل دے کر سمجھانا شروع کر دیا۔ لہجہ نہایت دھیما لیکن دوسری طرف طویل خاموشی چھا چکی تھی۔ ربیعہ نے فراز سے جو بھی بات منوائی، اُس میں دلیل اور حقیقت نمایاں ہوتی تھی۔ زندگی کی اس روش کو اپنا کر اس نے فراز پر غالب ہونا سیکھ لیا تھا۔ تجربے سے یہ گُر اُس نے اپنے پلے باندھ لیا تھا کہ مرد کبھی دھمکیوں اور ناراضگیوں سے قابو میں نہیں آتا۔ یہی وجہ تھی کہ ضد، ہٹ دھری اور کٹھور پن اُس کے کسی انداز سے ظاہر نہ ہوتا تھا اور یہی اُس کی جیت تھی۔ جس کی ترنگ اور بے خودی میں وہ اُس کے اعصاب پر چھا جایا کرتی تھی۔

ربیعہ کے اس رویے سے اُسے نہ تو اہانت کا احساس ہوتا، نہ ہی عزتِ نفس اور وقار مجروح ہوتا تھا۔ آتے جاتے لطیفے سُنا کر ہنسانا اور پہیلیاں بجھوا کر تنگ کرنا اور اپنی توجہ اور محبت سے وہ اِس کی وضع و قطع کو بھی مزید نکھار دیتی تھی اور جب باہمی مفاہمت میں پیش رفت مشکل نظر آ رہی ہو تو وہ نہایت نرمی و پیار سے اُسے اپنا آخری اور حتمی فیصلہ سُنا کر ایسی چپ سادھ لیتی، جیسے گونگے کا گڑ تو اسی نے ہی کھایا ہے۔ اس کے بعد اُس کے قدم فتح یابی کی جانب خود بخود اُٹھنے لگتے تھے۔

فراز ایسا مرنجان مرنج تو ہرگز نہ تھا مگر اِس کے سحر میں کھو جاتا۔

سسرال والے ہمیشہ جادو ٹونے کی پیشگوئیاں کر کے اُسے برا کہتے رہتے حالانکہ فسوں تو اُس کی دور اندیشی اور دانشمندی کا تھا۔

☆......☆

”تاؤ جی! پاپا جمعہ کی نماز پڑھنے گئے تھے۔ ابھی تک گھر واپس نہیں پہنچے۔“ آیان نے سسکتے ہوئے تایا سے فون پر بات کی۔

ربیعہ فون اُس کے ہاتھ سے لے کر اُس کا سر اپنے سینے سے لگا کر جیٹھ سے بات کرنے لگی۔ تمام تفصیل بتانے کے بعد آنسو اُس کے رخساروں کو بھی بھگونے لگے۔

”فراز صبح سے لاپتا ہے اور تم ہمیں اب یہ مژدہ

معروف لکھاری
نسرین اختر نینا
کے خوب صورت افسانوں اور ناولٹ کا مجموعہ
”سراب“

جس میں معاشرے کی برائیوں کو قلم کے نشتر سے بے نقاب کیا گیا ہے

کتاب ملنے کا پتا
حُسن قلم پبلیکیشنز
4، گل پلازہ۔ مین مارکیٹ گلبرگ III۔ لاہور
رابطہ: 042-35758333
042-35756555
موبائل نمبر: 0300-4717801

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُنا رہی ہو، شام چھ بجے۔'' اِن کا لہجہ زہر آلود تھا۔

''میں اِسی انتظار میں رہی کہ ابھی آتے ہی ہوں گے۔ شاید آپ کی طرف رُک گئے ہوں یا کسی دوست کے ہاں چلے گئے ہوں۔ میرا ماتھا اِس بات پر ٹھنکا کہ وہ جہاں بھی ہوں، مجھے فون کر کے اپنی خیریت کی اطلاع ضرور دیتے رہتے ہیں۔ بھائی صاحب! آج کچھ معمول سے ہٹ کر ہے۔'' وہ گلو گیر لہجے میں بولی۔

''تمہیں خوامخواہ ہی وہم ہو رہا ہے۔ آتا ہی ہو گا۔ اُس کے لیے اچھے سے کھانے کا انتظام کرو، اِسی بہانے بے چارے مسکین کو اچھا کھانا کھانے کو مل جائے گا۔'' اُن کا لہجہ طنزیہ تھا۔

وہ کلس کر رہ گئی۔ اپنے دُکھ اور غصے کو اپنے اندر سموتے ہوئے بولی۔ ''محلے میں آس پاس آپ بھی پتا کروالیں۔ ضرور کسی کی بیٹھک میں بیٹھے تاش کی بازیاں لگا رہے ہوں گے۔ اِدھر ہم ماں بیٹا یہاں سولی پر لٹکے ہوئے ہیں۔''

دوسری جانب سے کوئی جواب نہ ملا۔ فون بند ہو چکا تھا۔ وہ حیران و پریشان ریسیور کو دیکھتے ہوئے، اپنی قسمت کو کوسنے لگی۔

انتظار اور اِدھر اُدھر کی تلاش و جستجو میں دن گزرتے گئے۔ محلے میں بسنے والے تمام رشتے داروں نے اُس کے گھر کو ماتمی اور بھوت پریت کا اکھاڑہ بنا دیا تھا۔ یہ اُن کے کرب اور متفکر ہونے کا جان لیوا اظہار تھا۔ ڈرائنگ روم سے لے کر باتھ روم تک ہر شے اپنی جگہ اور وقعت کھو چکی تھی۔ سب کو اپنا غیظ و غضب، حسد و عناد کو اپنے اعصاب سے اُتارنے کا موقع ملا تھا۔ جس کا وہ مکمل طور پر فائدہ اُٹھا رہے تھے۔

ربیعہ حسرت و یاس سے اپنے بکھرے اور اُجڑے گھر کو دیکھ کر شوہر کی سلامتی اور واپسی کی امید وبیم میں گھر جاتی۔ سب کی نصیحتیں اور فضیحتیں سننے کے بعد سر جھکا لیتی۔ تین بیڈ روم کے گھر میں لاتعداد لوگوں کا سما جانا بڑا مشکل تھا۔ اس کو تو کوریڈور میں لیٹنے کی جگہ نصیب ہوتی تھی۔ آیان اپنے تایا کی بغل میں سر کر کے اطمینان میں رہتا کیونکہ تایا جان اُس کے پاپا جیسے جو تھے۔

جٹھانی اور بڑے جیٹھ کی حتی الامکان کوشش اُسے ماں سے دور کرنے کی تھی۔ ربیعہ کا بھائی حسب توقع لاہور سے ابھی تک بہن کے دُکھوں میں شریک ہونے پہنچ نہ پایا تھا اور یہ طعنے و تشنے ہر ایک کی زبان پر ہر بات کے ساتھ اُسے مزید بے چین کیے ہوئے تھے۔

اُسے فراز کی کچھ باتیں یاد آنے لگی تھیں کہ خود غرضی، نفسا نفسی، بے رُخی اور بے رحمی، تم جیسے شو آف لوگوں کی گھٹی میں ہے۔ فون کر کے ملاقات کے وقت کی بھیک مانگو۔ پھر تکلف سے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر تلوّن مزاجی کی ایکٹنگ کرو۔ اتنی دیر میں دوسری طرف سے نظریں بار بار گھڑیال کی جانب اُٹھ کر آپ کو دفع ہونے کا سندیسہ دینے لگتی ہیں۔ جب کہ ہم میں اپنا پن ہے۔ اِن پانچ انگلیوں کی مانند۔ کوئی چھوٹی، تو کوئی بڑی ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہیں۔ فراخدلی سے ایک دوسرے سے جُڑے ہیں۔ ذرا ایک تنہا انگلی سے مجھے کھانا کھا کر دکھاؤ۔ پانی کا گلاس پکڑنے کی جتنی کوشش کرو گی تو وہ بھی ضائع ہی جائے گی۔''

آج اُس کی کہی ہوئی تمام باتوں کی سچائی اور حقیقت برہنگی کا روپ دھارے ہوئے تھی۔ اُس کا خاندان اِسے قبولیت سے اِسی یکجائی کے ماحول میں خوش آمدید کہہ رہا تھا مگر اُس نے اپنے نظریات کے پرچار میں اُنہیں کم مائیگی کا احساس دلا کر اُنہیں اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ جس کا کرب اُس خاندان کے ہر فرد کے رویے سے چھلکتا ہوا پایا جاتا تھا۔ احساسِ جرم ضمیر کو لعن طعن کرتا اسے مضطرب کیے ہوئے تھا۔ وہ اُن کے سامنے بجھی بجھی جا رہی تھی، لیکن افسوس کہ بہت دیر ہو چکی تھی۔

وہ کسی صورت بھی اسے معاف کرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ فراز کی آناً فاناً گمشدگی کا موردِ الزام اسی کو ٹھہرا رہے تھے۔ اُن کے سوالات کی بھرمار پر وہ اُن کا منہ تکتی رہ جاتی۔

وہ اُنہیں کیسے سمجھاتی؟ کہ شوہر کے بغیر وہ تو تخت سے تختے پر منتقل ہو چکی ہے۔ اُس کے سہاگ کا چمکتا دمکتا ہوا تاج نہ جانے کس نے چُرا لیا تھا۔ یہ گھر، جسے اُس نے کتنے ہی ارمانوں سے فراز کو کنوینس کر کے سجایا تھا۔ آج اُس کی غیر موجودگی میں اُس کی نہ وقعت رہی تھی، نہ ضرورت کا احساس تھا اور جیسے تیسے مہینہ بیت گیا۔ آیان نے اپنے اکیلے پن کی وحشت اور خوف کو اپنے خاندان کی توجہ، پیار و ہمدردی کی نذر کر کے خود کو مستحکم بنا لیا تھا۔ اکیلے پن کی شکار فقط ربیعہ تھی، کم عمری، نا سمجھی کی وجہ سے دس سالہ آیان ماں کی محرومیوں اور پریشانیوں کا اندازہ نہ لگا سکا تھا۔ وہ دِن بدن اُس کی تمام تر کوششوں کے باوجود اُس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ پڑھائی سے بھاگنے کا سنہری موقع اُس کے ہاتھ لگا تھا۔ جس کا دُکھ ربیعہ کو دیمک کی طرح چاٹے جا رہا تھا مگر وہ خاموش تماشائی بنی، حالات کے دھارے کو بدلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆

وہ پورچ میں کھڑی سوزوکی کار کو خوامخواہ ہی دیکھے جا رہی تھی۔ اُس کی اپنی گاڑی تو فراز کے ساتھ ہی سدھار گئی تھی۔ وہ تصورات کی دنیا میں گم فراز سے سرگوشی کے انداز میں گفتگو کر رہی تھی۔ اپنے دل کے پھپھولے دکھانے کو کوئی اور ساتھی تھا، نہ ہی کوئی اپنا تھا کہ اچانک ڈور بیل کی آواز پر وہ چونک گئی۔ یادوں اور آہوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ اُس کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ اُس نے موبائل آن کر کے گیٹ سے ایک انجان شخص کے ہاتھوں پیکٹ وصول کیا۔ وہ اجنبی تیزی سے جا چکا تھا۔ مارے تجسس کے اُس نے گاڑی کے بونٹ پر پیکٹ رکھ کر اُسے تیزی سے پھاڑ کو کھول دیا اور اِک طویل دلخراش چیخ ہوا میں تحلیل ہو گئی۔

اندرونِ خانہ تمام لوگ رنجشوں اور شکایتوں کے باوجود اِس کی چیخ پر باہر نکل آئے۔ پیکٹ میں فراز کا کٹا ہوا ایک کان اُس کے اغوا اور زندہ ہونے کا ثبوت پیش کر رہا تھا۔ موبائل بھی بند ہو چکا تھا۔

وہ بمشکل کاریڈور تک پہنچ پائی اور وہیں فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ وہ پورے ہوش و حواس میں تھی مگر اُس میں نہ بولنے کی سکت تھی اور نہ اُٹھنے کی ہمت تھی۔

جیٹھ نے کان کے ہمراہ ایک تحریر پر نظر دوڑائی۔

''صرف دو کروڑ کی بولی لگی ہے تمہارے خاوند کی۔ رقم کا جلد از جلد انتظام کرو۔ ورنہ اِس کی لاش کو بھی ترس جاؤ گی۔ اپنے مالدار بھائی کو اِنفارم کرو۔ احسان نہیں، اُس کا فرض ہے۔''

جیٹھ نے اپنے چھوٹے بھائیوں کو علیحدگی میں اکٹھا کیا اور اِس گھر پر مکمل طور پر قبضہ کرنے کا پروگرام تشکیل دیا جانے لگا۔ وہ اسی گھر میں مِل جُل کر اپنی جنت بنانے کے خواب دیکھنے لگے تھے۔

''بھائی جان! میرا خیال ہے، اِس نامراد سے زبردستی دستخط کروا لیے جائیں تاکہ یہ ناعاقبت اندیش عورت گھر نہ بیچ سکے۔ ہمیں محلے کی زندگی سے فراغت اِسی صورت میں مِل سکتی ہے کہ اِس گھر پر قابض رہیں۔ جہاں تک فراز کی واپسی کا معاملہ ہے وہ جلد یا بدیر چھوٹ ہی جائے گا۔ جب اُن لوگوں کی ڈیمانڈ پوری نہیں ہو گی تو اِس کو کیونکر قید میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھیں گے۔'' چھوٹے بھائی نے تسلی بخش لہجے میں کہا۔

''زبردستی دستخط کروانا قانون کو ہاتھ میں لینے کے برابر ہے۔ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔'' بڑے بھائی نے خدشہ ظاہر کیا۔

''تو پھر اس پر کوئی بھاری بھرکم الزام لگا کر دیس نکالا دیتے ہیں۔ اِس میں کیا مشکل ہے؟ سب سے آسان ترین اور قابلِ یقین عمل یہی تو ہے۔'' دوسرے بھائی نے بھی مشورہ دیا۔

''تمہاری عقل اور سمجھ کا تو میں قائل ہو گیا۔'' بڑے بھائی نے تعریفی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ ''شاباش، مان گیا بھئی، عورت کتنی ہی پاکباز کیوں نہ ہو؟ اُس پر صرف انگلی اُٹھانے سے ہی میلی ہو جاتی ہے۔ پھر اِس معاشرے میں اُس کا ٹھکانا کہیں نہیں ہوتا۔ وہ خود اپنے گھر کے قابل نہیں رہتی اور پھر یہ لڑکی تو بغیر والدین کے ایک غیر ذمہ دار بھائی کی بہن ہے۔ وہ اِس کے لیے کیونکر ہم سے دشمنی مول لے گا اور اِس کی بھابی، وہ تو ہے ہی ہمارے خاندان سے، فکر کی کیا بات ہے؟''

''جب سے اُس کی شادی ہوئی ہے، اُس کا ہم سے نہ کوئی تعلق ہے نہ واسطہ، وہ تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ نہ اچھے میں نہ بُرے میں۔'' رفیق بھائی نے لاپروائی سے کہا۔

''اگر الزام کے باوجود بھی وہ اس گھر سے نہ ہلی تو......'' توفیق بھائی نے جُزبُز ہو کر کہا۔

''اُس کا باپ بھی قبر میں کروٹیں بدلے گا۔ دیکھو تو سہی۔'' سب سے بڑے بھائی احمد شفیق نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے محلے کی زندگی میں اگر یہ گُر نہ سیکھے تو کیا سیکھا؟''

''آیان ویسے بھی ماں کی طرف دیکھتا تک نہیں۔ مجھ سے بہت اٹیچڈ ہے۔ اُس کو میں سنبھال لوں گا۔'' چھوٹے بھائی رفیق نے فخر سے کہا۔

''یہ تو ہے۔ ہمیں اپنی نسل سے واسطہ ہے۔ وہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ بڑے بھائی احمد شفیق نے مسکرا کر کہا ''لیکن یہ بات سب یاد رکھیں کہ آیان کا کمرہ اِس گھر میں نہیں ہونا چاہیے۔ اُس کا بستر آج ڈرائنگ روم میں تو، کل کھانے کے کمرے کے کونے میں تو پرسوں کوریڈور میں۔ جس دِن وہ مطمئن ہو گیا نا اِس گھر میں، اُس دِن شیر کی مانند ہم پر ہی غرائے گا۔ کتا بن کر بھونکے گا ہمیں اجنبی سمجھ کر......'' وہ دُور کی کوڑی لائے اور مسکرا کے مزید بتایا۔ ''میں اُس کے ساتھ جو کرنے والا ہوں، تم دونوں کو تو اُس کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ سب سے پہلے ماں جی کو اُن کے بھائی کے گھر چھوڑ آؤ، کیونکہ وہ ہمارے اِس پلان کا حصہ بننے سے انکار ہی نہیں کریں گی بلکہ ہمارا منہ کالا کر دیں گی۔ اِس وقت بہت جذباتی اور دُکھی ہو چکی ہیں۔ اُن کی تمام تر ہمدردیاں اپنی بہو اور پوتے سے ہیں۔''

''آپ کا تجزیہ سو فیصد درست ہے۔ میں اُنہیں تو پہلے چھوڑ آتا ہوں۔'' رفیق یہ کہہ کر کمرے سے باہر چل دیا۔

''تم گھر کی عورتوں کو بھی سمجھا دو کہ اُس کی سائیڈ لینے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ عورت ذات پرلے درجے کی نا قابلِ فہم اور لاأبالی واقع ہوئی ہے۔ تب ہی تو اِس نے ماضی میں بھی 'جوتے کھائے' حال میں بھی ذلیل ہوئی اور مستقبل میں بھی کوئی ایسا تابناک پہلو نظر نہیں آ رہا ہے۔'' بڑے بھائی احمد شفیق نے حقارت سے کہا۔

''اُس کی فکر نہ کریں۔ میرا تو دِل چاہتا ہے اِس پر تیل چھڑک کر آگ لگا دوں۔ قصہ ہی ختم ہو۔ بھائی کے واپس آنے پر اُس کی دوسری شادی کر دیں۔ یہ اُس کے لیے سرپرائز ہونا چاہیے۔ تمام اذیتوں کو یکسر فراموش کر دے گا۔'' وہ فراز کے نہ ہونے سے بے حد مطمئن تھے۔

''آگ لگانا سب سے آسان کام ہے لیکن آج کل یہ عمل کارگر نہیں رہا۔ فوراً تفتیش شروع ہو جاتی ہے۔ خوامخواہ ہی ذلیل ہو جائیں گے۔ اِس کو یہاں سے بھگانا بہتر ہے۔ تمام حالات ہمارے حق میں جائیں گے۔ یہاں اِس کی کہیں بھی شنوائی نہ ہو گی۔ بڑے بھائی احمد شفیق نے تسکین بھرا سانس لے کر کہا۔ ''یہ پاکستان ہے بھئی، اس کلچر میں ہم اِس پر حاوی رہیں گے۔''

☆......☆

''وہ کبھی اسٹور میں سوئی ہوتی ہے، کبھی کوریڈور میں، تمام دِن ہم سب کے لیے کھانے بناتی ہے۔ ہم سب کے جھوٹے برتن دھوتی ہے۔ ہمارے کپڑوں کی دُھلائی کرتی ہے۔ استری کر کے ایک ایک کو دیتی ہے۔ سب کی دھتکار و پھٹکار سنتی ہے مگر بھائی کے گھر جانے کا نام نہیں لیتی۔'' چھوٹے بھائی رفیق کی سچائی پر سب ہی چونک گئے۔

''وہ تو ٹھیک ہے۔ تھوڑا خوف زدہ بھی ہوں۔ کہیں وہ لوگ بھائی کی جان ہی نہ لے لیں۔''

''وہ ظالم لوگ......!'' چھوٹے بھائی رفیق نے خائف ہو کر کہا۔ ''کہیں سے دو کروڑ کا انتظام ہو جائے تو کم از کم فراز کی جان تو بچا سکتے ہیں۔''

''تم لوگوں کی ایسی باتوں سے میں ڈگمگا جاؤں گا اور یاد رکھو، ہم سب کی تمام عمر اُن تنگ تاریک اور غلیظ گلیوں میں گزر جائے گی۔'' بڑے بھائی نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ ''اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اُس کی زندگی میں ایک گولڈن چانس ضرور دیتا ہے۔ عقلمند لوگ فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔ نا سمجھ لوگ اپنی خودداری، اَنا اور غیرت کو اہمیت دے کر ہمیشہ کے لیے کسمپرسی کی زندگی کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ میں دوسری کیٹگری میں آنے والا مرد نہیں ہوں۔ کبھی کبھار ضمیر کی چیخ پکار پر کان بند کر لینے چاہئیں۔ فراز سر آنکھوں پر۔ جب بھی لوٹا، گھر اُسی کا ہے۔ مل کر رہنے پر اُسے اعتراض نہیں ہو گا۔ تمہاری بھابی کی چھوٹی بہن شبو سے اُس کی شادی رچا کر اُسے ہمیشہ کے لیے اپنا بنا لیں گے۔''

''آپ جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہے۔ آپ کی سوچ تک پہنچنے کی ہم میں نہ سمجھ ہے، نہ ہی ہمت ہے۔ آپ باپ کی جگہ پر کھڑے ہیں، اس خاندان کے لیے بہتر ہی سوچیں گے۔'' چھوٹے بھائی رفیق نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

☆......☆

گھر میں اِک کہرام برپا ہو گیا۔ فراز کی نہ تو کسی سے دشمنی تھی نہ ہی کوئی لینا دینا تھا۔ رقم کا مطالبہ اور دھمکی نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ پھر اُس پر کیا جانے والا تشدد اور ظلم کی رپورٹ بھی دائر کرا دی گئی تھی مگر تمام کوششیں ناکام نکلیں۔ اب ربیعہ نے گھر بیچ کر فراز کو واپس لانے کا فیصلہ کر لیا جو جیٹھ کی شیطانی سوچ کی نذر ہو گیا۔ اُس نے ربیعہ سے نہایت سخت انداز میں پوچھ گچھ کرنی شروع کر دی۔

''مجھے سچ سچ بتاؤ، تمہاری یاری کس سے تھی؟ جس نے ہمارے معصوم چھوٹے چاند کو اذیت دے کر اُسے ختم کرنے کی نشاندہی کی ہے۔ فراز نے گویا گھر میں ہی دشمن پال رکھا ہے۔ میں بھی کہوں کہ میرا بھائی یکدم صفحۂ ہستی سے کیسے مٹ گیا۔ اب بتاؤ، اپنی پاکدامنی کو برقرار رکھنے کی کون سی سبیل نکالو گی۔'' وہ بے حیائی اور ندیدے پن پر اُترا ہوا تھا۔ اُس کی الزام تراشیوں نے اِس کا سینہ چھلنی کر دیا تھا۔ اُس کے گرد و پیش میں اتنا شور اور ہنگامہ تھا کہ اُس کے خوف و ہراس، درد و کرب سے لرزتی آواز اب دب کر رہ گئی۔

وہ سر جھکائے فرش پر بیٹھی اور جیٹھ کے الزامات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نیم بے ہوشی کی حالت میں چلی گئی۔ سر دیوار سے لگنے کی وجہ سے پھٹ گیا اور خون اُس کے چہرے پر پھیلتا چلا گیا۔ سب اُس کے آس پاس کھڑے تماشا دیکھ رہے تھ۔ دس سالہ آیان دروازے کے پیچھے کھڑا، ماں پر ہونے والے تشدد سے خوف زدہ ہو کر چیخ رہا تھا۔

''پاپا میری ماما کو بچالیں۔ اِس کی تڑپ اور فریادیں ربیعہ کی سماعتوں میں گونج کر شدت کی تکلیف میں بھی بیٹھا رس گھول رہی تھیں۔ اِس بھری دنیا میں کوئی تو اِس کا اپنا ہے۔ یہ احساس ہی اِسے زندہ رکھنے کے لیے بہت تھا۔

''پاپا میری ماما کو یہ لوگ مار دیں گے۔ پاپا جلدی سے آجائیں۔'' وہ تڑپ رہا تھا۔

جیٹھ نے قہر سے بھری نظروں سے آیان کو گھورا اور ربیعہ کے بالوں پر گرفت ڈھیلی کر کے بولا۔ ''ماں سے اِس کے یار کا نام پوچھو، جس نے جلن میں تمہارا باپ تم سے چھین لیا۔ وہ دو کروڑ میں صرف اور صرف تمہارے باپ کی لاش ہمارے سپرد کرے گا۔ اِس گھر کی مالیت ہی دو کروڑ ہے۔ کوئی بھیدی ہی ٹکر گیا ہمیں۔''

آیان ایک دم سامنے آگیا اور تاؤ جی کے بازو پر اپنے دانت گاڑ دیے۔ ''چھوڑ دیں میری ماما کو۔''

آیان کو تایا نے بالوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا، اور اپنے زخمی بازو سے ہی اُسے دھکا دے کر فرش پر گرا دیا۔ ربیعہ تیزی سے اُس کے وجود کو اپنے جسم سے ڈھانپ کر آہ و بکا کرنے لگی۔ جیٹھ نے بے دردی سے رہی سہی کسر اُسے لاتیں گھونسے مار کر نکال دی۔ ممتا کے بے لوث پیار و ہمدردی نے آیان کو محفوظ تو کرلیا لیکن اِس کی روح پر ہمیشہ کے لیے گہرے نشانات رقم ہو گئے تھے۔

☆......☆

''ہم یہاں نہیں رہیں گے ماما، آج کے بعد آپ پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔'' وہ باتھ روم میں اُس کی پیشانی سے رستے ہوئے خون کو صاف کرتے ہوئے بولا۔ ''ماموں کو بُلا لیں۔ ہم اُن کے ساتھ لاہور چلے جائیں گے۔'' وہ مسلسل ماں کو تسلی دے رہا تھا۔

ماموں سُننے والے ہوتے تو آج نوبت یہاں تک کیوں پہنچتی؟ اُس نے حسرت سے سوچا، نقاہت اور درد سے کراہتے ہوئے بولی۔ ''میرے بچے تمہارا ساتھ میری جیت ہے۔ اب مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں۔'' وہ اُکھڑی ہوئی چال کے ساتھ بیٹے کا سہارا لیے کمرے میں آگئی۔ جہاں اِس کی نندیں اور ساس خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھیں۔

وہ کوریڈور میں بچھے ہوئے گدے پر بیٹے کے ساتھ لیٹ گئی۔ صبح اُٹھی تو بھائی کو اپنے سامنے پا کر بچوں کی طرح بلک بلک کر فریادیں کرنے لگی۔ پتا چلا کہ آیان نے رات کو ہی ماموں کو تمام حالات سے روشناس کرا دیا تھا۔ بھیا نے حسب معمول سب کی آپس میں صلح کرانے کی کوشش کی اور پھر سے بہن کو ان خونخوار درندوں میں لاوارثوں کی طرح چھوڑ کر واپس جانے کی تیاری کرنے لگا۔

''دو کروڑ کہاں سے آئیں؟ یہ ناقابلِ حل مسئلہ جوں کا توں سر پر ننگی تلوار کی مانند لٹک رہا تھا۔ نہ ماموں نے حامی بھری، نہ گھر بیچنے پر آمادگی ہوئی، یہی ردِ عمل ماموں کے مفادات میں جاتا تھا۔ بہن اور بھانجے کی ذمہ داری اُٹھانا اور دو کروڑ دے کر فراز کو حاصل کرنا اتنا آسان کام نہ تھا۔ آخر گھر میں بیوی کو جواب دہ بھی تو ہونا تھا۔

☆......☆

احمد شفیق کسی صورت مفاہمت کے لیے راضی نہ تھے، اُس پر لگائے جانے والے الزامات پر بھائی سر جھکا کر بیٹھا تھا۔ اُس نے بہن سے کچھ بھی دریافت کرنے کی کوشش ہی نہ کی تھی۔ وہ بدستور اپنی بیوی کے سمجھانے بجھانے پر قائم تھا۔ چند لفظوں میں سسرال کی منت و سماجت کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر اُس نے بہن کو بے معنی اور جھوٹی تسلیاں دیں۔ وہ غیروں کی طرح آیا اور اجنبیوں کی طرح واپس چلا گیا۔

☆......☆

''سب مطمئن ہو جائیں۔ اب ربیعہ اس گھر میں چند دِن کی مہمان ہے۔'' بڑی بھابی نے نہایت اطمینان سے کہا۔

''وہ کیسے؟'' چھوٹی دیورانی نے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے ناک میں دَم کرنا آتا ہے۔ اُس نے میرا پیار دیکھا ہے، جبر نہیں دیکھا۔'' جٹھانی زہر آلود لہجے میں بولی۔

''اِس سے بڑھ کر اُس کی زندگی کو مشکل کیا بنائیں گی آپ؟'' دوسری دیورانی نے جل کر کہا۔

''تم تو ہر وقت میرے خلاف ہی رہتی ہو۔ کیونکہ تمہارا خاوند جورو کا غلام جو ٹھہرا۔'' جٹھانی نے دیور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''سر پر چڑھا رکھا ہے اِس نے۔''

''ایسی بات تو نہیں بھابی۔'' وہ بھابی کی بات کو مسکرا کر ٹال گیا۔

''میری ہر نصیحت کو رَد کرنا تمہاری عادت بن چکی ہے۔ فراز میری مان کر چلتا تو آج نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔'' بڑی بھابی نے غصے سے کہا۔

''آپس کے جھگڑے کا وقت نہیں ہے۔'' دیور نے بھابی کو خوشامدی نظروں سے دیکھا تو اُس کی بیوی نے تلملا کر شوہر کو دیکھا۔

''بڑی ہیں۔ ماں برابر ہیں۔ اِن کی باتوں پر خفگی کی ضرورت نہیں اور جاؤ، ربیعہ سے کہو مزے دار، کڑک سی چائے بنائے تاکہ دماغ کام کر سکے۔'' جیٹھ نے آرڈر دیا تو وہ نظریں جھکائے اُٹھ کر باہر چلی گئی۔

کافی دیر بعد چائے دانی اور مگ اُٹھائے واپس پہنچ گئی۔

''ہیں...... تم نے چائے بنائی ہے!'' جٹھانی نے حیرت سے کہا۔

''جی، وہ بخار میں تپ رہی ہے بھابی۔'' اُس نے ہمدردی سے کہا۔

''دیکھا، میں سچ کہتی ہوں۔ اُس سے بہت ہمدردی ہے اِسے۔'' جٹھانی غصے میں بولیں۔ ''مجھے گمان ہونے لگا ہے کہ اِن دونوں نے اپنا الگ گروپ بنالیا ہے۔''

''بھابی! ہر رشتے سے عظیم رشتہ انسانیت کا ہوتا ہے۔'' وہ مگ میں چائے انڈیلتے ہوئے بولی۔

''ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا۔'' شوہر نے گھورا۔

وہ خاموشی سے سب کو چائے دینے لگی۔

''اِس گھر کو بچانا ہے تو اِسے یہ گھر چھوڑنا پڑے گا۔ ورنہ وہ اِس گھر کو قانوناً بیچنے کی حقدار ہے۔'' جٹھانی نے اپنی علمیت جھاڑی۔

''شوہر سے وفا کا سبق ہم نے اپنی ماں کی آغوش سے سیکھا ہے، بھابی جان۔ آپ کا کیا خیال ہے؟'' چھوٹی دیورانی نے طنزیہ کہا۔ ''وہ بھی آپ جیسی مخلص اور محبت کرنے والی بیوی ہے۔ اپنا تن من دھن بیچ کر بھی شوہر کو واپس لانے میں دریغ نہیں کرے گی۔''

''تم تو یہاں سے چلتی بنو۔ مجھے سکھانے چلی ہے، وفا کا سبق۔'' بڑی جٹھانی نے اُسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

''بھابی جو کہہ رہی ہیں۔ غور سے سنو، ورنہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں سے چلی جاؤ۔" وہ خاموشی سے اِن کے درمیان سے اُٹھ گئی کیونکہ اُن سب کو سمجھانا اُسے نہ آتا تھا۔

☆......☆

ربیعہ پریشانی میں مبتلا تو کب سے تھی۔ جسمانی اور روحانی زخموں نے اُس کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا لیکن اِن بن بلائے مہمانوں کی تواضع و خاطر اِسی کا اولین فرض تھا۔ بیٹا اِس ناگہانی اور غیر متوقع حادثے کے بعد ماں کے سینے سے لگ کر سونے لگا اور باقاعدگی سے اسکول اور ٹیوشن سینٹر جانے لگا۔ یہ تبدیلی کسی کو بھی ایک آنکھ نہیں بھائی۔

شفیق احمد بپھرے ہوئے ناگ کی طرح گھر بھر میں پھنکارتا، اپنی اجارہ داری کو منوانے کی کوشش میں محو رہتا۔ نندیں اور جٹھانیاں الگ گھر کی مالکن کا کردار سنبھالے، اِسے ملازمہ کا مقام دے کر حکم چلاتی رہتیں اور وہ اپنی بے عزتی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتی، اُن کا ہر حکم بجا لاتی۔ ہر زیادتی کو درگزر کرنے میں اپنی عافیت سمجھتی۔ وہ مشیتِ ایزدی کی طرف سے نازل ہونے والی آزمائشوں کے ساتھ خود ساختہ پریشانیوں کو شامل کر کے اپنے لیے دنیا کو مزید تنگ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ایک دن وہی ہوا، جس کا کھٹکا ہر وقت اسے مضطرب کیے رکھتا تھا۔ جیٹھ اِس گھر کو بیچ کر فراز کو حاصل کرنے کے لیے پراپرٹی ڈیلر سے رابطہ رکھے ہوا تھا۔ یہ راز فاش ہونے میں زیادہ وقت درکار نہ تھا۔ ماں بیٹے کا احتجاج، ہر طرح کے ٹھوس دلائل اور منطق بے کار و بے مصرف ثابت ہوئے۔ آیان تایا کے روبرو کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنی ماں کے بغیر جینے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا اور یہ گھر اُس کی ماں کا تھا۔ ماں اِس گھر سے کیونکر سبکدوش ہو جاتی۔ اِن غیر متوقع انکشافات پر تایا تلملاہٹ میں ایک بار پھر جلاد بن گیا اور ماں بیٹا رات کی تاریکی میں بمشکل اپنی جان بچا کر بے سرو سامان لاہور روانہ ہو گئے۔ اپنوں کی پیسے کی طمع و لالچ میں شوہر نہ جانے کس دنیا کا باسی بن چکا تھا۔

☆......☆

وہ آبدیدہ ہو کر بس سے باہر دیکھنے لگی۔ سڑک کے کنارے دریا کے قریب گوالوں کی جھونپڑیاں تھیں۔ بچے پانی میں کھیل رہے تھے۔ عورتیں لکڑیوں کے چولہوں پر کھانا پکانے کی کوشش میں تھیں۔ مرد جھونپڑیوں میں آرام فرما رہے تھے۔ اُسے اُس فضا میں اِک سکون سا محسوس ہوا۔ اُسے آج احساس ہوا کہ اطمینانِ قلب کا دار و مدار صرف دولت اور اسٹیٹس پر نہیں ہوتا۔ یہ خوشی تو من کے اندر پھوٹتی ہے۔ میں نے اپنی زندگی کے اَن گنت سال اس کی کھوج میں رائیگاں کر دیے۔ اپنی زندگی کی تمام تر خوشیاں کو معاشرے کے اسٹیٹس کو پانے میں قربان کر دیں۔

میں نے ایسا کیوں کیا؟ میری فطرت میں راضی برضا ہونے کی کمی نے میرا سہاگ، میرا گھر، میری عزتِ نفس و خودداری چھین لی۔ آج میں اُس بھائی کے در پر تحفظ کی بھیک مانگنے جا رہی ہوں، جنہوں نے مجھے کبھی پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔ جو اس قدر بزدل اور ڈرپوک ہے کہ جس پر اپنا سایہ دیکھ کر ہی وحشت ہو جاتی تھی۔ وہ مجھے سہارا کیسے دے سکتا ہے۔

آنسو اُس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔ آیان ماں کی آغوش میں سر رکھے خراٹے لے رہا تھا، جو اُس کی ذہنی و جسمانی سکون کی غمازی کر رہے تھے۔

☆......☆

"ربیعہ میں نے تمہارے وقتی قیام میں بھی پرائیویسی کا خیال رکھتے ہوئے چھت پر اِسی لیے جگہ دی ہے کہ تم اپنی پسند اور مرضی کے مطابق بیٹے کے ساتھ خوش و مطمئن رہ سکو۔ میرا گھر تمہاری دُعاؤں کے خزانے سے بھرپور ہو جائے۔"

بھابی نے چھت کے کونے میں ایک کمرہ جہاں باتھ روم پہلے سے بنا ہوا تھا، جو عموماً بچوں کی آیا کے استعمال میں آتا تھا۔ برآمدے میں گاڑی کے استعمال شدہ ٹائرز اور دیگر ناقابلِ استعمال اشیاء پھینکی ہوئی تھیں، جنہیں نکال کر چھت کے کونے میں ڈال دیا گیا تھا۔ کمرے میں دو چارپائیاں اور برآمدے میں دو لوہے کی کرسیاں، اِس کی حیثیت کی گواہی دے رہی تھیں۔

ربیعہ اِس غیر مساوی سلوک پر اچنبھے سے پوچھ بیٹھی۔ "اتنے بڑے گھر میں میرے لیے یہ جگہ؟"

"بہت مناسب اور فائدہ مند ہے۔" بھابی نے اُس کی بات کاٹ کر زہر خند لہجے سے کہا۔ "چھت سے بھی نیچے جانے کا الگ تھلگ راستہ ہے۔ تم یہاں خوش رہو گی اور میری دور اندیشی کو داد دو گی۔ ہماری زندگی نہایت سکون سے گزر رہی ہے۔ اِس بات کا خیال رکھنا۔" وہ شعلہ بار آنکھوں سے گھورتے ہوئے بولیں۔

"تمہارے جیسے مقدر کی بیٹیاں نہ جانے اِس دنیا میں کیوں پیدا ہوتی ہیں، اُن کی اپنی زندگی ناکامیوں اور محرومیوں کا شکار ہوتی ہی ہے لیکن دوسروں کی بدقسمتی کہ وہ بھی اِس کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔"

یہ وہ گھر تھا، جس کے ذرے ذرے پر اِس کے بچپن کے ننگے پاؤں کے نشان تھے، جہاں اِس نے کلکاریاں اور باتیں کرنا سیکھی تھیں۔ اِسی بھیا کی اُنگلی پکڑ کر چلنا سیکھا تھا۔ آج اُس کا اِس گھر اور یہاں رہنے والے کسی مکین پر کوئی حق نہ تھا، اس سے، ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا تھا، جس کی پاداش میں اِسے اپنے ہی گھر میں خوش آمدید کہنے کے بجائے واجبی پناہ گاہ پر احسان مند ہو کر اب زندگی گزارنی تھی۔

"بھابی، آئی ایم سوری، میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ برآمدے میں مجھے ایک چولہا اور چند برتن رکھوا دیں۔ میں کوشش کروں گی کہ آپ کی زندگی میں مخل نہ ہو پاؤں۔"

"کیوں نہیں ربیعہ! مجھے تمہاری خوشی بہت عزیز ہے۔ تمہارے بھیا سے تمہارے لیے ہر ماہ کچھ رقم دینے کی بھی بات کرتی ہوں، انسان صدقہ و خیرات بھی تو نکالتا ہے۔ تم تو ہماری اپنی ہو۔ اپنی مرضی کی زندگی گزارو، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ بس صبح کے وقت نیچے آ کر ذرا صفائی اور کچن کو دیکھ لیا کرنا۔ تم مصروف رہ کر بہت اچھا محسوس کرو گی۔ ورنہ تمہارا ذہن شیطان کا گھر بن کر اس گھر میں نحوست و الم کو آواز دے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہاری تباہی و بربادی کے شکنجے میں تمہارا بھائی بھی مقید ہو جائے۔ پہلے ہی تمہارا دُکھ مجھے کھائے جا رہا ہے۔ راتوں کی نیندیں اُڑ گئی ہیں۔ دن کا سکون برباد ہو گیا ہے۔"

ربیعہ نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی۔ اُس کو ٹپکتی ہوئی چھت کا سیلن زدہ کمرہ تحفظ دے رہا تھا، کیا یہ عنایت کم تھی۔ اُس کی ناک تو سسرال والوں نے کاٹ کر رکھ دی تھی۔ پھر اُس کے چھوٹے ہونے کا احساس کیونکر نہ ہوتا۔

"بھابی میرے لیے ایسا سیٹ اَپ بہترین ہے، گزارہ کر لوں گی۔ آیان کو چارپائی پر سونے کی عادت نہیں ہے۔" اُس نے نہایت عاجزی اور انکساری سے کہا۔

"اُس کو ہر طرح کے حالات میں خوش رہنے کی تربیت دینا اب تمہاری ذمہ داری ہے ربیعہ، یہ چاؤ چونچلے اور فضول کا لاڈ پیار، تمہیں کہیں کا نہ چھوڑے گا۔ میں تمہاری ماں جیسی ہوں۔" لہجہ ملائمت سے بھرا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ربیعہ کی آنکھوں کے سامنے آیان کا پُرآسائش و زیبائش سے مزین کمرہ گھوم گیا۔ جس پر اُس کے کزنز نے قبضہ کر کے ہر کھلونے کو توڑ دیا تھا۔ ہر اسٹوری بک کو پھاڑ کر ہوائی جہاز بنائے تھے۔ پھر بھی آیان اتنے کزنز کی کمپنی میں ایک پل کے لیے بھی پریشان نہ ہوا تھا۔ بغیر ناراض ہوئے، ہر چیز اُن کے قبضے میں دے کر اُس نے فراخدلی کا ثبوت دیا تھا۔ یہ اِس کی تربیت ہی تو تھی۔ بھابی اپنے انداز میں وضع داری اور رکھ رکھاؤ کی نصیحت کر کے چل دیں، اُن کے دونوں بیٹوں نے آیان کو دیکھ کر اپنے کمرے ہی لاک کر دیے تھے اور اِس کا جی بھر کر مذاق اُڑایا تھا۔ ماں نے مروتاً بھی بچوں کے رویے پر روک ٹوک نہ کی، شاید بھابی کے نزدیک لحاظ اور مروت زیاں تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ وہی ہوگا، جیسا آپ چاہیں گی۔'' اِس نے آنسو اندر ہی اتار لیے۔

وہ اس قدر سنجیدہ اور پژمردہ تھی کہ بھابی بھی کسمسا کر رہ گئیں۔ سر کو جنبش دے کر اُس کے چہرے کے تاثرات پر غور کرنے لگیں۔

☆......☆

اس کے کمرے میں چارپائیوں کی جگہ دو پلنگ بچھ گئے۔ آیان کے لیے اسٹڈی ٹیبل، ایک کونے میں لگ گئی۔ دیوار پر موجود شیلف میں اُس کی کتابیں رکھ دی گئیں۔ برآمدے کی کھلی جگہ کو جالی سے محفوظ کر کے برتن دھونے کے لیے بیسن اور چولہے کا انتظام کر کے، اسٹور سے ایک چھوٹا استعمال شدہ فریج نکال کر رکھ دیا گیا اور چند برتن حسب ضرورت رکھ دیے گئے تھے۔

ربیعہ نے اِسی کو غنیمت سمجھا۔ بھیا سے سامنا بہت کم ہوتا۔ ہر ماہ بھابی کے ہاتھ سے رقم وصول کرتے ہوئے، وہ گھنٹوں روتی اور آخر ایک دن اِس نے بچوں کو ٹیوشن پڑھانے کے لیے ایک اکیڈمی جوائن کر لی، جہاں اتفاق سے اُسے بچپن کی دوست بینا مل گئی۔

صبح وہ نوکروں کے ساتھ مل کر گھر کے تمام کام سرانجام دیتی اور دوپہر سے شام تک آیان کے ساتھ اکیڈمی چلی جاتی۔ بہت جلد خود کفیل ہو جانے کے بعد اُس نے بھابی کے ہاتھ سے بچوں کے صدقے و خیرات کا مقرر کردہ وظیفہ لینا بند کر دیا۔ آیان کو ماڈل اسکول سے نکال کر دوبارہ ایک انگلش میڈیم اسکول میں داخلہ دلوا دیا۔ اِس کا اگلا منصوبہ ایک سیکنڈ ہینڈ گاڑی خریدنے کا تھا، کیونکہ وہ ویگنوں اور رکشوں کی بے آرامی اور انتظار کی کوفت سے تنگ آ گئی تھی۔ جب کہ اِس بنگلے کے پورچ میں ہر فرد کے لیے گاڑی موجود تھی، جن کے استعمال پر اُس پر بہت پہلے پابندی لگا دی گئی تھی۔ اِس کی عزتِ نفس نے اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی اجازت نہ دی تھی۔ اُس کے بعد اس نے اپنا گھر حاصل کرنے کا پروگرام بنایا، مگر افسوس کہ وقت آنے پر بھیا نے اپنی فطرت کے مطابق اِسے خاموش رہنے کی تلقین کی۔ وہ اُن لوگوں سے کسی بھی قسم کی دشمنی مول لینا نہیں چاہتے تھے۔

آیان کے بالغ ہونے کے انتظار میں دن گزرنے لگے۔ زندگی میں قدرے سکون آ چکا تھا گو کہ اُس کا چھوٹا سا گھر گرمیوں میں تندور بن جاتا اور سردیوں میں برف خانہ لیکن وہ پھر بھی مطمئن تھی۔ کیونکہ بھائی کے زیر سایہ، وہ دنیا والوں کی نظروں سے اُوجھل تھی۔ اُس نے اب ایسی زندگی کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دیا تھا جو اِسے ہلکی سی جھلک دکھا کر کہیں غائب ہو گئی تھی۔ برآمدہ اور کھلی چھت ہی اب اس کی متاعِ حیات تھی، جہاں وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اپنی مرضی سے سانس لے سکتی تھی۔ کوئی دھتکار و پھٹکار سے اسے حقیر و کمتر ہونے کا احساس نہ دلاتا تھا۔ صبح نیچے کام کرتے ہوئے بھابی اُس کے ہر کام میں سے مین میخ نکالنے سے باز نہ آتیں۔ بچے بھی بات بات پر اُسے ٹوکتے۔ یہی وجہ تھی کہ ربیعہ آیان کو اُن کی صحبت سے دور رکھ کر اُس کی خود اعتمادی اور خودداری کو بحال رکھ کر، اُس کی شخصیت کو مکمل اور خوبیوں سے بھرپور انسان بنانا چاہتی تھی۔ اِس لیے دوسروں کی لعن و طعن کا کرب نہایت عارضی ہوتا۔ زندگی میں ہونے والی ناانصافی اور زیادتی پر نالاں ہونے کے بجائے وہ اپنے لختِ جگر کے بہترین رزلٹ پر شاداں ہو جاتی۔

☆......☆

دُو سال کا لمبا عرصہ کیسے گزرے گا۔ مجھے آیان کی غیر موجودگی میں نیند کیسے آئے گی؟ گلے میں نوالہ اٹکنے لگا۔ پانی نگل نہ پاؤں گی۔ تنہائی کاٹ کھانے کو دوڑے گی۔ جدائی سر چڑھ کر بولے گی، وہ اُس کا بیگ پیک کرتے ہوئے خود کلامی میں محو تھی۔

آج بھابی کتنے سالوں بعد اوپر آئی تھیں، وہ اچنبھے سے کھڑی ہو گئی۔

''بھابی! مجھے نیچے بُلا لیا ہوتا۔'' اُس نے کہا۔

''بے وقت اور بن بلائے مہمان آ ٹپکے ہیں؟ میں پیکنگ رات میں کر لوں گی۔'' وہ نہایت ملائمت سے بولی۔

''آپ چلیے، میں آتی ہوں۔'' اِس نے بے اختیار کہا۔

''ایسی بات نہیں ربیعہ۔ آیان کے بعد تم یہاں نہیں رہو گی۔ گیسٹ روم میں شفٹ ہو جانا۔'' وہ اُس سے نظریں چُراتے ہوئے بولی۔ ''یہی کہنے آئی تھی۔''

''تھینک یو بھابی، لیکن اِس کمرے میں میرے آیان کی خوشبو رچی بسی ہوئی ہے۔ میں اُسی کی عادی ہوں۔ دُعا کریں، میرا بچہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہاں پر ہی سیٹ ہو جائے۔ پھر میں بھی اُسی کے پاس چلی جاؤں گی۔ بھابی آپ نے جو مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا ہے، میں آخری سانس تک آپ کی احسان مند رہوں گی اور کبھی بھی بے فیض بن کر آپ کو پچھتاوے میں مبتلا نہیں کروں گی۔ میرا احسان فراموش ہو جانا، آپ کی نیکی کو داغدار کر دے گا۔ مجھ سے یہ غلطی کبھی بھی سرزد نہیں ہو گی۔ آپ تو میری ماں ہیں بھابی!!'' وہ تشکر آمیز لہجے میں بولی۔

''تم ہمیشہ کے لیے میرے پاس اِسی گھر میں رہو گی ربیعہ۔ دونوں بیٹیاں جوان ہو گئی ہیں۔ میں اُنہیں تمہارے زیر سایہ رکھ کر تمہارا سلیقہ و قرینہ سکھانا چاہتی ہوں۔ آخر کار انہوں نے پرائے لوگوں میں جانا ہے۔ اپنی دانش مندی اور ہنر مندی سے اُن کو اپنا بنانا ہے۔ ہائے! بعض اوقات تمہارے نصیب کا سوچ کر دہل جاتی ہوں۔ تم میں کس چیز کی کمی تھی؟''

ربیعہ اندازِ گفتگو کی تہہ تک پہنچ چکی تھی۔ اُس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

''بھابی جان! میں اپنی اِس چھوٹی سی دنیا میں بے حد مطمئن ہوں۔ میرے اندر کی وہ ربیعہ تو جانے کب کی مر گئی۔ فراز کے ساتھ گزرا ہوا وقت بہت خوشگوار ہوتا اگر ہم دونوں ہم خیال ہوتے۔ سب کچھ گنوا کر سبق سیکھا تو کیا فائدہ ہوا؟ آیان کی تعلیم اور پھر اسکالر شپ پر N.Y.U ماسٹرز کے لیے منتخب ہو جانا، اِک معجزہ ہی تو ہے۔ اِس کا تمام کریڈٹ آپ کو جاتا ہے۔''

بھابی آج پہلی بار ندامت سے نظریں نیچی کیے، اِس کے گزرے ہوئے کٹھن وقت کے ایک ایک لمحے کو یاد کرنے لگی۔ اُن کے چہرے کی ہر لکیر پچھتاوے کا روپ دھار چکی تھی۔ جسے ربیعہ نے بھی محسوس کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم اکیلی جان اب کچن کیا چلاؤ گی۔ آج سے یہ سلسلہ ختم کرو۔ مِل جُل کر رہنے میں جو مزا ہے وہ اِس صورت میں کہاں۔'' وہ نہایت مٹھاس بھرے لہجے میں بولیں۔

''بھابی مائنڈ نہیں کیجیے گا۔ میں اپنی زندگی کو بار بار بدلنے کے حق میں نہیں ہوں۔ میں نے اپنی عمر کا ہر لمحہ دوسروں کو خوش کرنے میں گزارا ہے۔ اب میری ہمت بھی جواب دے گئی ہے۔ میں نے گرمی اور سردی میں زندہ رہنا سیکھ لیا ہے۔ اب نئے سرے سے مجھے آسائشوں میں ڈھلنے پر مجبور نہ کریں، میں آیان کا کام ختم کر کے نیچے آپ کے پاس آتی ہوں۔''

ربیعہ سوچ کی گہری وادیوں میں بھٹکنے لگی۔ انسان کتنا ناسمجھ اور ناعاقبت اندیش ہے۔ کسی پر ناگہانی آفات کے نازل ہونے پر گرگٹ کی طرح رنگ بدل کر ایسے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے، جیسے اِس کی یہ آزمائش ابدی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے اپنی تقدیر کی تختی پر ہمیشگی کی آسودگی اور کامرانی لکھوا کر پیدا ہوا تھا۔ زندگی میں اِس پر کبھی بُرا وقت آنے والا نہیں۔ وہ اُن ہی سوچوں میں گم تھی کہ آیان کی آمد پر چونک اُٹھی۔

''ماما! آپ پریشان ہیں؟'' آیان نے اُس کا چہرہ اپنی طرف موڑ لیا۔ ایسی حالت میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر جانا زیادتی ہے۔ M.S کی فیکلٹی یہاں بھی موجود ہے۔ آپ کی دُعاؤں کے سائے میں یہاں بھی کامیاب رہوں گا۔

وہ ماں کی پیشانی کے چوٹ کے داغ پر پیار کرتے ہوئے بولا جو اِس کے تایا کے تشدد کا ناقابلِ فراموش نشان تھا۔

''ارے تم نے میری خوشی کو پریشانی کا نام کیسے دے دیا؟ حیران و پریشان ہوں کہ بادل چھٹ جانے سے دُھندلکا ختم ہو گیا ہے۔ پچھو، چار سُو تاریکیوں پر اُجالے نے غلبہ پا لیا ہے اور تم کہتے ہو میں پریشان ہوں۔ آج اِس دنیا کے گونگے بہرے اور اندھے لوگوں کو اِس روشنی میں تم نظر آنے لگے ہو۔ آج تمہاری زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی خاصیت و اہمیت کا حامل ہے۔ آج میں نے تمہاری جان کے صدقے میں، تمہارے ددھیال کے ہر فرد کی زیادتیوں اور ستم گریوں کو معاف کیا اور بھیا کی کوتاہی اور بے توجہی بھابی کی شقاوت و حقارت کے درد کو اپنے دل کی گہرائیوں سے کھرچ کر نکال دیا۔ اللہ اور اُس کا رسولؐ اِن پر دو جہاں کی رحمتوں اور فضل و کرم کے دروازے کھول دے۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بولے جا رہی تھی۔

آیان اِس مقدس دیوی کو سینے سے لگا کر تفاخر سے سرشار ہو رہا تھا۔

☆......☆

آیان ماں اور مامی کی اَن گنت دُعاؤں کے سائے میں نیویارک روانہ ہو گیا۔ ربیعہ کی زبان پر یہ مصرعہ بار بار آتا رہا، جسے وہ آنسوؤں کے ساتھ پی گئی۔

یہ ماں کا مقدر ہے دُعا اور انتظار

آیان کے ہاتھوں سے بکھری ہوئی تمام اشیاء کو دیکھ کر وہ فرش پر بیٹھ گئی۔ اُس کی سستی سی چپل کو سینے سے لگائے گھنٹوں اُس سے باتیں کرتی رہی۔ بھابی نے دوپہر کا کھانا ٹرے میں سجا کر بیٹی کے ہاتھ اوپر بھجوایا۔ آج اُس کی چھوٹی بھتیجی ثمرہ پہلی بار اوپر آئی تھی۔ مارے حیرت و تجسس سے برآمدے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

''پھوپو آپ نے اپنی زندگی کے پندرہ سال یہاں پر کیسے گزار لیے اور کبھی شکایت تک نہ کی۔ ڈیڈی پر بھی کچھ ظاہر نہ ہونے دیا۔ کاش مجھے اِس کی خبر ہوتی۔ پھوپو مجھے معاف کر دیجیے گا۔ اِس گناہ میں، میں برابر کی شریک ہوں۔ آئی لو یو پھوپو! یو آر گریٹ لیڈی۔'' وہ کھسیانی سی ہو کر اپنی ندامت اور ماں کی زیادتی کو مٹاتے ہوئے بولی۔ ''آپ ابھی اور اِسی وقت نیچے چلیں، اگر اتنے بڑے بنگلے میں آپ کے لیے جگہ نہیں تو میرا کمرہ حاضر ہے۔''

''تم ویسے ہی جذباتی ہو رہی ہو جان۔ میں یہاں بہت خوش ہوں، تمہاری ماما نے میرا ہر طرح سے دھیان رکھا ہے۔ یہاں کھانا بھی پکا ہوا ہے۔ میری بچی آئندہ مجھے شرمندہ نہ کرنا۔ تم سب ہر دم آباد اور خوش و خرم رہو۔ میری دُعائیں تم سب کے ساتھ ہیں۔'' اس کا لہجہ پیار و محبت کی چاشنی سے لبریز تھا۔

اِسی اثناء میں بڑی بھتیجی بھی آ گئی۔ اُس نے بھی اپنے گرد و پیش کے سوگوار ماحول کے ساتھ کمرے کا گہری نظر سے جائزہ لیا۔ یہ طبعاً باپ جیسی تھی۔ لاپروا اور بے نیاز...... وہ خاموشی سے واپس مُڑ گئی۔ ماں کی بے انتہا منت سماجت کے بعد دونوں اوپر آئی تھیں۔ ایک سدا کی من چلی اور لا اُبالی و جذباتی، دوسری حد درجے کی بے ضرر، بے نیاز اور لاپروا، دونوں کے تجزیے اور سوچ میں اِک طویل فاصلہ حائل تھا۔

☆......☆

آیان کیا گیا، ربیعہ کے تمام کام ہی جیسے ختم ہو گئے۔ کئی کئی دن چولہا نہ جلتا۔ ڈبل روٹی، دودھ اور پھل پر ہی گزارا کر لیتی۔ نیچے سے کھانا باقاعدگی سے آتا۔ جسے قبول کرنا اِسے سراسر بے غیرتی معلوم ہوتی تھی۔ ٹیوشن کی رقم کا حق دار ہی موجود نہ تھا اور ربیعہ کے جذبہ و شوق کو رخصت ہوئے اِک مدت بیت گئی تھی۔ اُس نے اپنی زندگی کے تجربات و مشاہدات سے یہ سبق سیکھ لیا تھا کہ انسان کسی طمع و لالچ میں جس خواہش کو پورا کرنے میں تگ و دو کرتا ہے، وہ ہلکا سا دِکھلاوا دے کر اِس سے دور بھاگ جاتی ہے۔ نشیب و فراز میں راضی بہ رضا رہنے والے لوگوں پر ہر نعمت عاشق ہوتی ہے۔ وہ اِسی قانون و اصول پر اب شاکر تھی۔

اِن ہی دنوں آیان نے ایک انڈین مسلم کے گھر کا اوپر والا پورشن کرائے پر لے لیا۔ ایک بیڈ روم اور ایک لاؤنج والا یہ حصہ اُسے بہت آرام دہ لگا۔ Skype پر اُس نے ماں کو اپنا گھر دکھایا اور نہایت لگاوٹ سے ماں کو اپنے پاس بُلانے کا پروگرام بنانے لگا۔ ربیعہ کا وہ پانچ سال کا ملٹی پل ویزہ لگوا کر گیا تھا۔ مہینے کے اندر وہ اپنے بیٹے کے پاس پہنچ گئی۔

مالک مکان نہایت پُرخلوص اور خلیق لوگ تھے۔ تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی جو آیان کی کلاس فیلو تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اِن کے لیے خاص الخاص نظرِ کرم کی تھی۔ ربیعہ کو آج احساس ہوا تھا کہ جنت کو پانے کی جستجو میں کسی قسم کا لالچ یا خودغرضی کام نہیں آتی۔ یہ تو اعمال اور نیت کو مدِنظر رکھ کر عطا کی جاتی ہے۔

وہ چھ ماہ بیٹے کے پاس اور چھ ماہ اپنے ملک میں گزارنے لگی تھی۔ ٹیوشن پڑھا کر اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرتی۔ ٹکٹ کے لیے پیسہ جمع کرتی اور بیٹے کے پاس چلی جاتی۔ بھابی بھی ہر انداز اور رویے سے شہد بن چکی تھیں۔ اشارتاً کئی بار بیٹی کے رشتے کا اظہار بھی کیا۔

ذومعنی انداز میں سمجھانے کی کوشش بھی کی مگر ربیعہ انجان بنی رہی۔ وہ آیان کی پسند کو اولیت دیتی تھی، کیونکہ آیان کو ماہرہ اپنی کلاس فیلو، مالک مکان کی بیٹی پسند آ چکی تھی۔ ربیعہ اِسے اپنی خوش قسمتی سمجھ کر ذہنی طور پر اِس رشتے پر آمادہ ہو چکی تھی۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد دونوں کو ایک ہی کمپنی میں بہت اچھی ملازمت مل گئی۔ چند ماہ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد ماہرہ اور آیان کی بہت دھوم دھام سے نیویارک میں شادی ہوگئی، جس کا ذکر بھابی سے کرنا مناسب نہ تھا۔ ورنہ اُس کا یہ سائبان ہمیشہ کے لیے اس سے چھن جاتا۔

شادی کے بعد آیان کو سسرال میں رہنے سے سبکی سی محسوس ہونے لگی۔ اِس لیے وہ سب کی اجازت سے قریب ہی دو بیڈروم کے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہوگیا اور زندگی مسرتوں اور مسکراہٹوں سے ہمکنار رواں دواں گزر رہی تھی۔

اِن ہی ماہ و سال میں اَب ربیعہ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہوگئی۔ ماضی میں ورپیش آنے والے ہر حادثے اور ظلم و تشدد کو وہ ہر وقت بیان کر کے آنسو بہاتی رہتی۔ آیان اور ماہرہ کی تمام تسلیاں اور پیار و دلار بے سود ہو جاتا۔ وہ اپنے ملک واپس آنا چاہتی تھی۔ بھائی کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے تھے۔ بھابی نے اِس کی بے فیضی کو احسان فراموشی کا نام دے کر اِس سے چھت کا تحفظ چھین کر اِسے لاوارث اور بے سروسامان کر دیا تھا۔ بینا کے گھر رہنا، اُس کی خود داری کے خلاف تھا۔ اِسی احساس نے اُسے بیمار کر دیا تھا۔

آیان، ماں کی حالت پر ہر وقت پریشان رہنے لگا۔ وہ پاکستان واپس آکر سیٹ ہونے کو تیار تھا مگر ماہرہ کو یہ آئیڈیا پسند نہ آیا، ویسے بھی مسئلے کا یہ حل ہرگز نہ تھا۔

ربیعہ کے لیے اِسے اپنے ملک میں ایک سائبان چاہیے تھا، جہاں وہ جب چاہے آکر کچھ وقت گزار سکے۔ دیارِ غیر کی پابندی اور مجبوری نے اُس کی ہمت کو پاش پاش کر دیا تھا۔ شکست خوردگی کا احساس بتدریج اُس کی حالت کو بگاڑ رہا تھا۔

بینا کے کہنے پر آیان نے ربیعہ کو اُس کے پاس کچھ دنوں کے لیے بھیج دیا تھا۔ ربیعہ بھی کافی حد تک سنبھل گئی۔ وہ روزانہ آیان اور ماہرہ سے خوشگوار گفتگو کرنے لگی۔

اُسے اپنے آیان پر ٹوٹ کر پیار آنے لگتا۔ اُس کی فرمانبرداری پر وہ خوش ہو کر سر اُٹھا کر چلنے لگتی۔

☆.....☆

"گھر تو یہی ہے بینا، بے شک میں بیس سال بعد اِس محلے میں آئی ہوں۔ کیسے بھول سکتی ہوں اِس جگہ کو جہاں میری ڈولی اُتری تھی۔" ربیعہ نے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر خود اعتمادی سے کہا۔

گھر پہلے سے بھی پُرانا اور سال خوردہ لگ رہا تھا۔ عجیب سا اُجڑا پن اور بوسیدگی چھائی ہوئی تھی۔ اِس نے بیل پر انگلی رکھی، وہ بھی خراب ہونے پر خاموش تھی۔ سامنے والے گھر سے خالہ جمیلہ نکل آئی۔ ربیعہ اِن سے گلے لگ کر رو پڑی۔

"بھری جوانی کیسے گزری؟ تمہارا سسرال تمہارے بعد چند گھڑیوں میں صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ دو سال پہلے فراز واپس تو آگیا مگر اپنا ذہن ظالموں کے سپرد کر آیا۔" خالہ نے تاسف بھرے لہجے میں کہا "مگر اپنے سائبان کا رستہ اَز بر یاد تھا۔ سیدھا اپنے گھر پہنچ گیا۔"

"فراز واپس آگئے؟" وہ تڑپ کر بولی۔ "کہاں ہیں وہ؟"

"وہ اسی گھر کے کسی کونے میں چھپ کر بیٹھا ہو گا۔ تمہاری ساس تمام دُکھ دیکھنے کو زندہ بچ گئی ہے۔ وہی گرتی پڑتی بیٹے کو سنبھالے بیٹھی ہے۔"

اِس انکشاف پر وہ لرز گئی۔

"باقی سب کو ایسی کون سی آفات نے گھیر لیا۔ میرے بعد اِس گھر کی رونقیں ہنسی و قہقہے کہاں چلے گئے خالہ۔" وہ بلک بلک کر رو پڑی۔

"تمہارے بعد گھر کو آگ لگ گئی تھی۔ سب سوئے کے سوہی رہ گئے۔ ساس اپنے بھائی کے گھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی تھی۔ بدنصیب یہ سانحہ دیکھنے کو بچ گئی۔'' نے تمام حالات تفصیلاً اِس کے گوش گزار دیے۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتی گھر کے اندر داخل ہوگئی۔

اک ہُو کا عالم تھا۔ اِس نے بلند آواز سے فراز کو پکارا اور پکارتی چلی گئی۔

ساس لنگڑاتی ہوئی اِس کے قریب آ کر تجسس سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''کون ہو تم؟ اور یہاں کیا کرنے آئی ہو؟''

''اماں جی! آپ نے مجھے پہچانا نہیں، ربیعہ ہوں ناں، فراز کی بیوی...... آیان کی ماں، میرے خاندان پر تو قیامت ٹوٹ گئی۔ مجھے خبر تک نہ ہوئی۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''جو دوسرے معصوموں کی زندگیوں کو جہنم رسید کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ جنتی کیسے ہو سکتے ہیں، تم کیا گئیں اُسی رات میرا سب کچھ لٹ گیا۔ بے گناہ کی بددعاؤں نے ہمیں تباہ و برباد کر دیا۔ ایسی آگ آسمان سے برسی تھی، جس نے سب ہی کو بھسم کر کے رکھ دیا۔ میں رہ گئی دُکھ اُٹھانے کو...... کچن میں نہ جانے کیسے آگ لگ گئی کہ دھواں سارے گھر میں پھیل گیا۔ کسی کو بھی جاگنے کا موقع نہ دیا۔ اُس دن سے لے کر آج تک وہ گھر مقفل ہے۔ کسی کو وہاں جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ دو سال پہلے فراز کی جیتی جاگتی لاش واپس آ گئی۔ اُس کی روح تو تمہاری متلاشی ہے۔ وقتاً فوقتاً تمہیں پکارتا ہے۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈتا ہے۔ وہ دیکھو چلا آ رہا ہے، تمہاری طرف۔''

ربیعہ اُسے پہچان نہ سکی۔ سر کے بال روئی کی طرح سفید تھے۔ داڑھی بھی کافی بڑھی ہوئی تھی۔ میلی سی شلوار قمیص میں ملبوس وضع قطع سے دیوانہ ہی لگ رہا تھا۔

وہ بھاگ کر قریب پہنچ گئی۔ ''فراز! تمہاری

غزل

کیسے کریں سوال یہ سوچا نہیں گیا
وہ کب سُنے گا حال یہ سوچا نہیں گیا

اُس کے بغیر کٹتا نہیں ایک پل یہاں
کیسے کٹیں گے سال یہ سوچا نہیں گیا

رکھے تھے جس کتاب میں سوکھے ہوئے گلاب
رکھتا ہے وہ ملال یہ سوچا نہیں گیا

کوئی بتائے اُس بِنا بانہیں اداس ہیں
سُن کر وہ آئے حال یہ سوچا نہیں گیا

کچھ تو علی زبیر کا جیون چراغ ہے
اور وہ ہوا مثال یہ سوچا نہیں گیا

علی زبیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ربیعہ۔"

وہ اُسے بغور دیکھے جارہا تھا۔ شاید پہچاننے کی کوشش تھی۔ اِک لمحے توقف کے بعد منہ دوسری طرف پھیرلیا۔

"آیان آپ کا خون اور آپ کے جسم کا اٹوٹ حصہ ہے۔ اُسے بھی بھلا دیا؟" وہ قریب ہوکر بولی۔

مگر اِس کی نگاہوں میں کوئی پہچان نہ تھی مگر اِس کی کوشش تھی کہ وہ ماضی کی حسین گھڑیوں میں اِسے تلاش کرلے گی۔ وہ جب بھی اِسے بحث کرتے ہوئے قائل کرتی وہ منانے کے لیے اکثر پہل کرتے ہوئے کہتا: "سُٹ پنجہ، تم جیتی میں ہارا۔"

"اسے یاد کے بند قفل کو کھولنے کی کنجی مل گئی تھی۔ وہ مسلسل اِس کا ہاتھ تھامے اَنجانی نظروں سے اِسے گھور رہا تھا۔ ذہن میں سوچوں کا تانا بانا اِسے مضطرب کرنے لگا۔

"ربیعہ اب یہ تمہاری شناخت کے بہت قریب ہے۔ سب کو پہچان جاتا ہے۔ کچھ دیر کوشش کرنے کے بعد پھر ماضی کی ایسی ایسی باتیں سُناتا ہے کہ کسی انداز سے بیمار نہیں لگتا۔" ساس نے اِک لمبی آہ بھری۔

"فراز میں ربیعہ ہوں، یاد ہے، اِسی گھر میں آپ مجھے بیاہ کر لائے تھے۔ اُس بالکنی والے کمرے میں، ہم دونوں کمرے سے تیار ہوکر نکلا کرتے تھے اور تم مجھے منانے کے لیے کہتے تھے، آج پھر کہہ دو نا، سُٹ پنجہ، تم جیتی میں ہارا۔" ربیعہ نے اُس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ لے کر کہا۔

فراز نے دونوں ہاتھ اُس کے گرد پھیلا دیے اور لرزش زدہ آواز میں بولا۔ "سُٹ پنجہ، تم جیتی میں ہارا۔"

سالوں کی جُدائی کی تڑپ آنکھوں سے اُبل پڑی۔

بینا برآمدے میں چارپائی پر بیٹھی، اِس ملاپ پر خوشی کے آنسو بہا رہی تھی۔ محلے میں خبر آگ کی طرح پھیل گئی اور صحن عورتوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ ہر ایک کی زبان پر اپنی سوچ کے مطابق ماضی و حال کے قصیدے اور افسانے تھے۔ تاسف اور ہمدردی کی بینا خاموشی سے حالات کا جائزہ لے رہی تھی فراز کا دایاں کان اور بائیں ہاتھ کا انگوٹھا غائب تھا اِس گھر میں بھیج کر ایک کروڑ کا مطالبہ کیا گیا تھا آج تک سمجھ نہ آئی تھی کہ یہ کون ظالم اور سنگدل لوگ تھے جنہوں نے انسانیت کی توہین کرنے کے ساتھ ساتھ ایک نسل کا خاتمہ کردیا، صرف اور صرف پیسے کی خاطر.....!

ایسی ناجائز اور عفریت سے بھرپور ڈیمانڈ کو متوسط طبقے کے لوگ اپنا تن من دھن بیچ کر بھی پورا نہ کرسکتے تھے اور اِس قہر و غضب کا عتاب، اُس پہاڑوں میں سرنگیں کھود کر برداشت کیا۔ بے بسی اور ظلم نے اِس کی یادداشت کو خاصا متاثر کردیا تھا۔ اُنہوں نے بے دردی سے رات کی تاریکی میں اِسے سڑک پر بے یار و مددگار چھوڑ دیا لیکن سائبان تک جانے والے رستے پر کوئی سایا ہی نہ تھی۔ پھیلے ہوئے اُجالوں سے راہیں اُجاگر تھیں۔

"بینا! میری زندگی میں تم ہوا کا وہ معطر جھونکا جس نے میرے وجود کی نس نس کو تسکین و طمانیت سرور بخشا۔ میرے اندر زندہ رہنے کی اُمنگ تابناک کیا اور زمانے کے ساتھ چلنے کا حوصلہ بخشا واقعی یہ دوستی کا رشتہ ہے کہ آج مجھے میرے جیو ساتھی کا تحفظ بھی مل گیا اور ماں کی توجہ اور ما کی بے لوث محبت کو بھی سالوں کی مسافت کے بعد پالیا۔" وہ بینا کا ہاتھ تھام کے بے طرح دی، لیکن آج اُس کی آنکھوں میں خوشی تشکر کے آنسو تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مِنی سلسلہ

نگہت اعظمی

ہر اشک، اک ستارہ

زندگی کے حقیقی رنگوں سے سجے منی ناول کی آخری قسط

یہ کہانی ایسے کرداروں کے گرد بُنی گئی ہے جس میں عارفہ اس کہانی کا بنیادی کردار ہے، جس کی سب بہنیں شادی شدہ ہیں لیکن عارفہ کی شادی میں دیر ہو رہی ہے اور اس کی عمر بھی زیادہ ہو گئی ہے اسی لیے ثاقب کا رشتہ فوری طور پر قبول کر لیا جاتا ہے۔ سسرال میں عارفہ کی دو نندیں شادی شدہ ہیں جب کہ سب سے بڑی نند آپا اور سسر گھر میں موجود ہیں۔ آپا بیگم نے زندگی گھر کے لیے وقف کر دی ہے۔ عارفہ ان کے اکلوتے بھائی کی بیوی ہے۔ پڑھی لکھی سمجھدار ہونے کی وجہ سے آپا بیگم کی راجدھانی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ اب آپا بیگم حیلے بہانوں سے بھائی کو قابو میں رکھنے کے درپے ہیں جو پہلے ہی سے ان کے پریشر میں ہے جب کہ عارفہ کے بھائی اور بڑی بہن بھی ملک سے باہر اپنی اپنی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں۔ عارفہ کے ماموں بھی اس کہانی میں اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور پر علی کا کردار خاصا نمایاں ہے۔ اچانک عارفہ کے والدین ایک حادثے کا شکار ہو کر معذور ہو جاتے ہیں۔ اب عارفہ پر میکے اور سسرال کی دوہری ذمہ داری آ جاتی ہے۔ آپا بیگم کسی طور پر بھی اس کی یہ چاکری پسند نہیں کرتیں مگر عارفہ مجبور ہے۔ ثاقب اس کا ساتھ

دیتا ہے لیکن وہ بھی اس کی اس ڈیوٹی سے عاجز آ جاتا ہے۔ عارفہ امید سے ہے۔ اس خبر کو سن کر وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ دوسری طرف عارفہ کی ممانی، علی کے رشتے کے لیے پریشان ہیں اور آئے دن کوئی نہ کوئی جھگڑا کھڑا کیے اپنے میاں کے ساتھ نوک جھونک جاری رکھتی ہیں۔ اس ناول کا ایک کردار صابر صاحب کا گھرانہ بھی ہے جو کہ ورکنگ مدر کے مسائل کو بیان کرتا ہے، عمیر حسن اس ناول کا ایک اہم کردار ہے جو گھر سے اچانک غائب ہو گیا ہے۔ عارفہ اور ثاقب کی کہانی کے ساتھ ساتھ اس گھرانے کے دکھ بھی بہت اہمیت اختیار کرتے جا رہے ہیں جہاں مسز صابر عمیر کے گھر سے جانے کے بعد ہر روز پچھتاووں کا شکار ہیں، دوسری طرف ثاقب اور عارفہ کی زندگی میں خوشی کم اور اضطراب بڑھتے جا رہے ہیں۔ صابر صاحب اپنے طور پر عمیر کو تلاش کر رہے ہیں اور اپنے رویے پر شرمندہ بھی ہیں۔ عارفہ کی زندگی سسرال اور میکے کے گرد ہی گھوم رہی ہے۔ ماموں اور ممانی جان کے گھر بھی علی کے رشتے کی تکرار ہے۔ مسز صابر اپنی الجھنوں کا شکار ہیں کہ ان سے اپنے کام میں غفلت ہو جاتی ہے۔ ان کی میڈم ان کی غلطی پر انہیں تنبیہ کرتی ہیں کہ غلطی دوبارہ ہوئی تو ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ مسز صابر افسردہ ہیں۔ ایسے میں ان کا ماتحت لڑکا کاشف ان کو حوصلہ دیتا ہے اور انہیں ایک برگزیدہ شخصیت سے ملواتا ہے۔ ان سے ملاقات کے بعد جیسے مسز صابر کی زندگی میں ایک صبر سا در آتا ہے۔ عارفہ میکے میں تھی کہ ماں کو واش روم سے لاتے ہوئے پیر پھسل گیا جس سے اس کی زندگی میں آنے والی خوشی کا چراغ بجھ گیا۔ ثاقب نے بہت حوصلے سے حالات کا سامنا کیا تھا۔ ماموں جان نے چچی رقیہ جو ان کے چچا کی دوسری بیوی تھیں، کے بیٹے اصغر اور بہو شازیہ کو بہن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی تیمارداری کے لیے ان کے ہاں مستقل دن رات رہنے کے لیے جب پیشکش کی تو وہ انکار نہ کر سکے اور صفیہ کے ہاں آگئے۔ ان کے آنے سے عارفہ کو یک گونہ سکون میسر آگیا تھا۔ عارفہ دوسری مرتبہ امید سے تھی۔ روٹین چیک اپ کے لیے وہ ڈاکٹر بلقیس ہمدانی کے کلینک پر بیٹھی اپنی باری کا انتظار کر رہی تھی کہ اس کی ملاقات اپنے کالج کی کلاس فیلو سمیرا سے ہوگئی۔ دوسری طرف مسز صابر پر زندگی نے ایک مرتبہ پھر ستم توڑ دیا تھا۔ صابر صاحب کو زبردست ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اسپتال میں بہت جلد وہ انہیں اکیلا چھوڑ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے ان کے انتقال پر مسز صابر کے بچھڑے ہوئے میکے والے ان سے آن ملے۔ صابر صاحب کے بعد مسز صابر بیٹیوں کے لیے بہت فکرمند ہیں۔ آنے والے رشتوں کے لیے چھان بین کے فرائض ان کا داماد زبیر بیٹوں کی طرح انجام دے رہا ہے۔ عارفہ کی ملاقات سمیرا سے ہوئی تو مدحت کے شوہر ظفر کی حقیقت عارفہ کے سامنے کھل گئی۔ سمیرا، ظفر کی دوسری بیوی ہے۔ عارفہ مناسب موقع کی تلاش میں ہے۔ جب وہ ظفر کی اصلیت سب کے سامنے عیاں کردے مگر اس کے خلاف ظفر پہلے ہی جال تیار کر چکا ہے۔ ظفر اپنی مکارانہ روش کے تحت عارفہ کو ثاقب کی زندگی سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔ عارفہ غصے میں ہمیشہ کے لیے واپس اپنے والدین کے پاس آگئی۔ اسے امید تھی کہ ثاقب غصہ اترنے کے بعد اسے لینے ضرور آئے گا لیکن یہ اس کی خام خیالی ثابت ہوئی۔ ماموں جان کی مہرین کے لیے امریکہ پلٹ حمزہ کا رشتہ آیا تو ممانی جان نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اُدھر ثمرین بھی آصف سے بات کر کے عارف کے لیے مہرین کے رشتے کی بات گھر والوں تک پہنچا کر انہیں راضی کر چکی تھی۔ مسز صابر کی میڈم ان کی بیٹی صبا کے لیے اپنے کزن کا رشتہ لے کر آئیں جسے قبول کر لیا گیا اور صبا، ثاقب کی دوسری بیوی بن کر آپا کے پاس آگئی۔ ادھر عارفہ کے والد احمد صاحب کو بیماری کے بجائے عارفہ کی فکر مار گئی۔ ان کے انتقال پر سارے بہن بھائی جمع ہو چکے تھے۔ احمد صاحب کے انتقال پر جب سب بہن بھائی جمع ہوئے تو اپیا کی چرب زبانی اور بے اعتباری نے عارفہ سے شازیہ اور اصغر کا سہارا بھی چھین لیا۔ وہ بھرے پرے گھر میں بیمار ماں کے ساتھ اکیلی رہ گئی تھی۔ آپا نے صبا کو اپنے اشاروں پر نچانے کی کوششیں شروع کر دیں مگر اس بار ان کا کامیاب ہونا بڑا مشکل ثابت ہو رہا تھا۔ ظفر نے عارفہ کے راستے سے ہٹ جانے کے بعد پھر سے آپا بیگم کی راجدھانی میں قدم جمانا شروع کر دیے تھے۔ ثمرین کی حمزہ سے شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ آصف کو یہ سب عجیب لگا تھا، اس نے مہرین سے عارف کے متعلق استفسار کیا تو وہ کنی کترانے لگی جس پر اسے طیش آگیا۔ عارفہ کی زندگی میں حمیدہ خالہ کی صورت ایک فرشتہ اس کی مدد کو آپہنچا تھا۔ عارفہ نے اسپتال میں ایک بیٹی کو جنم دیا۔ حمیدہ خالہ کے کہنے پر اس نے ثاقب کو فون کیا تو صبا نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔ دوسری طرف آصف نے غصے میں ثمرین کو میکے بھیج دیا۔ گھر میں جیسے قیامت ہی آگئی۔ اس کے پاس ہر بات کا جواب صرف آنسو تھے۔ علی، آصف کو سمجھانے کے لیے جب ثمرین کے سسرال پہنچا تو گھر میں یہ بات کھلی۔ آصف کی والدہ نے علی سے معذرت کی اور خود جا کر اپنی بہو کو گھر لے کر لانے کا یقین دلا کر علی کو رخصت کر دیا۔ ماموں جان کے سامنے ساری بات عیاں ہو چکی تھی۔ اب وہ کسی انتہائی نتیجے پر پہنچنا چاہتے تھے۔ عارفہ، خالہ حمیدہ کے سہارے ماں اور بیٹی کے ساتھ جیسے نئی زندگی جینے لگی تھی۔ ثاقب کی نئی دلہن صبا نے دو جڑواں بیٹوں کو جنم دیا۔ اسی طرح ظفر، صبا کو بھی دسترس میں لانے کے منصوبوں میں نئے سرے سے جُت جاتا ہے۔ مہرین، عارف کی دلہن بن کر ثمرین کے سسرال پہنچ گئی ہے۔ دونوں بہنیں ایک چھت تلے ہیں۔ مہرین نے کھرے کھوٹے کی پرکھ کروا کر عارف کے فیصلے کو صحیح ثابت کر دیا ہے۔ اس کی سسرال میں عزت اور بڑھ گئی ہے۔ علی کو جب پتا چلا کہ عارفہ کی زندگی برباد ہونے میں اس کا نام بھی شامل رہا ہے تو وہ پشیمان ہے اور کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا ہے۔ وہ اس سلسلے میں باپ سے مشورہ کرتا ہے۔ ظفر آپا کی مکمل شہ پر صبا کو ہاتھ نہ آنے پر پرانا ڈرامہ پھر سے دہرانے لگا ہے مگر اس بار صبا کی صورت اس کا حریف بہت ہوشیار ہے۔ مسز صابر، کاشف میں جیسے عمیر کو ڈھونڈنے لگی ہیں۔ ظفر اور صبا کے ٹاکرے میں اس بار ظفر کو منہ کی کھانی پڑی۔ آپا کی ساری کوششیں بےکار ہو گئیں اور ثاقب صبا کو لے کر الگ ہوگیا۔ عارف امریکہ جانے کی تیاریوں میں مگن ہے۔ مہرین کی محبتوں نے اسے زندگی کی حقیقی خوشیاں دے دی ہیں۔ مسز صابر کاشف کی والدہ کی بیماری میں اس کا ہر طرح سے ساتھ دے رہی ہیں۔ ادھر علی ایک نتیجے پر پہنچ گیا ہے۔ وہ عارفہ سے شادی پر سنجیدہ ہے۔ باپ سے ذکر کرتا ہے، وہ مان جاتے ہیں مگر جب یہ خبر ممانی جان تک پہنچتی ہے تو...... ثمرین کا بہن سے جلاپا عروج پر پہنچ چکا ہے۔ وہ جٹھانی ہو کر دیورانی کے نام کی ہر کسی کو مالا جپتے نہیں دیکھ سکتی۔ ثاقب کو کینیڈا کا ویزا مل گیا، وہ اور صبا بچوں کے ساتھ کینیڈا شفٹ ہوگئے۔ مسز صابر خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی تھیں۔ علی، عارفہ کو پرپوز کر چکا ہے لیکن عارفہ کسی طرح راضی نہیں ہوتی۔ کاشف کی ماں مالکِ حقیقی سے جا ملی تھیں۔ وہ اور اکیلا ہو گیا تھا۔ مسز صابر اس کے دکھ سے دل سے رنجور تھیں

مگر...... بےبسی سی بےبسی تھی۔ عارف امریکہ جانے والا ہے۔ مہرین اداس ہے مگر اچانک صفیہ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ ممانی جان نے مہرین کو اسپتال جانے سے سختی سے منع کر دیا۔ عارفہ ماں کے ساتھ تھی اور بالآخر وہ زندگی کی جنگ ہر گئیں۔ سارے بہن بھائی پاکستان آگئے۔ ماں کے بعد انہیں عارفہ اور اس کے مستقبل کی فکریں دامن گیر ہیں۔ ایسے میں یاسر عارفہ کو غم کے بھنور سے نکال کر اس لیبر چائلڈ بچوں کے لیے اسکول کی بچپن کی آرزو کو حتمی شکل دے دیتا ہے۔ ماموں جان اور علی اس کے ہمقدم ہیں۔ عارفہ اپنا غم بھولنے لگی ہے۔ عارف امریکہ چلا گیا۔ مہرین اسے فون پر علی اور عارفہ کے بارے میں بتاتی ہے۔ ثمرین سن لیتی ہے۔ وہ من وعن ماں سے کہہ دیتی ہے جس پر ممانی جان ہنگامہ کھڑا کر دیتی ہیں اور یوں معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ علی، عارفہ کے علاوہ کسی سے شادی نہ کرنے کا اعلان کر دیتا ہے۔ اُدھر صبا کینیڈا میں اپنے پیار جہانزیب کو دیکھ لیتی ہے اور......

اب آپ آگے پڑھیے:

گھر میں شدید ٹینشن پیدا ہو چکی تھی۔ جب سے فائزہ کے شوہر شاہد نے اسے فون کر کے بتایا تھا کہ آصف اپنی کسی کولیگ کے ساتھ گھومتے پھرتے نظر آ رہے ہیں۔ پہلے تو ثمرین کو یقین ہی نہیں آیا، وہ کسی صورت یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔ یہ ضرور تھا کہ اس کے آصف کے ساتھ تعلقات روز بروز خراب ہوتے جا رہے تھے۔ وہ آئے دن کسی نہ کسی بات پر ناراض ہو کر گھر آجاتی تھی لیکن اس بات کا تو وہ تصور ہی نہیں کر سکتی تھی بلکہ شاید اسے یہ زعم تھا کہ وہ آصف کے مقابلے میں بہت خوب صورت ہے اور آصف کسی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ ہی نہیں سکتے اور شاید وہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ اب اس عمر میں کوئی لڑکی آصف کو پسند ہی نہیں کر سکتی۔

''شاہد بھائی، آصف ایسے نہیں ہیں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔'' شاہد کی زبان سے اس قسم کی بات سن کر اس کا دل بیٹھنے لگا۔

''بھابی، میں سنی سنائی باتوں پر آپ سے اتنی بڑی بات کہنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ مجھے جس نے بتایا ہے، وہ میرا بہت قریبی اور قابلِ اعتماد دوست ہے۔ آصف کی برانچ میں اس کا اکاؤنٹ ہے۔ وہ اکثر وہاں جاتا ہے۔ وہ شاید مجھے نہ بتاتا مگر اتفاق سے میں اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا تھا تو ایک شاپنگ مال پر میں نے آصف کے ساتھ اس لڑکی کو دیکھا۔ تب اس نے مجھے بتایا کہ یہ لڑکی ابھی حال ہی میں آصف کی برانچ میں پوسٹ ہو کر آئی ہے اور اکثر یہ دونوں شام میں ساتھ ساتھ ہی نظر آتے ہیں۔'' شاہد نے اسے مکمل تفصیل سے آگاہ کیا۔

''میں کیا کروں؟'' وہ فون پر ہی رونے لگی۔

''آپ روئیں نہیں، رونے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔'' آپ پہلے گھر آجائیے۔ آصف سے خود بات کیجیے۔'' شاہد بہت سمجھدار اور سلجھی ہوئی طبیعت کے مالک تھے۔ انہوں نے تو اپنی بیوی سے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔

''وہ تو مجھ سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتے۔ جتنی دیر گھر میں رہتے ہیں یا منہ لپیٹے اپنی امی کے جانے کا سوگ مناتے رہتے ہیں یا ذرا ذرا سی بات پر غصہ کرنے لگتے ہیں۔'' ثمرین کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے کوئی ایسی خبر سننے کو مل سکتی ہے۔

''بھابی آپ کو بہت صبر و تحمل سے کام لینا ہوگا۔'' شاہد نے ثمرین کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں نے بہت صبر کیا ہے۔ اس شخص کے ساتھ میں نے جس طرح گزارہ کیا ہے یہ میں ہی جانتی ہوں اگر ان کو اس عمر میں اس طرح کی حرکتیں کرتے شرم نہیں آتی تو مجھے بھی ان سے کوئی غرض نہیں، میں ان کی محتاج نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔ میرے باپ اور بھائی موجود ہیں اور پھر میں پڑھی لکھی ہوں۔ کہیں بھی نوکری کر کے اپنے بچوں کو پال سکتی ہوں۔" اس پر شاہد کے سمجھانے کا الٹا اثر ہوا اور وہ حسب روایت فوراً ہی پٹڑی سے اتر گئی۔

"بھابی آپ سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اس طرح کی باتیں کر کے آپ حالات کو مزید خراب کر لیں گی۔" شاہد کو ثمرین کی باتوں پر غصہ تو بہت آ رہا تھا لیکن اس نے پھر بھی صبر سے کام لیا۔

"اب حالات مزید کیا خراب ہوں گے؟" وہ پھر رونے لگی۔

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم سب آصف کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔" شاہد جانتے بوجھتے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کرنے میں مصروف تھا۔

"آپ کو کیا معلوم آصف کتنے ضدی ہیں۔ وہ کسی کی نہیں سنتے۔" ثمرین اسی انداز پر قائم تھی۔

"آپ آنٹی سے بات کیجیے۔ وہ اپنی ماں کی بات کو کبھی نہیں ٹال سکتے۔" شاہد نے اپنے حساب سے بڑی معقول بات کہی تھی۔

وہ جانتے تھے آصف ماں کے بہت تابعدار ہیں لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ثمرین کے دل میں ساس کے لیے کتنی شدید نفرت ہے۔

"امی ان کو سمجھائیں گی؟ یہ انہی کی تو شہہ ہے، انہوں نے ہی تو ہر وقت میرے خلاف ان کے کان بھرے ہیں۔ وہ تو چاہتی ہی یہ تھیں کہ کسی طرح ہمارا گھر اجاڑ دیں۔"

"بھابی آپ غلط سوچ رہی ہیں۔ آنٹی ایسی نہیں ہیں۔" شاہد نے ساس کی طرف داری کی تو غصے سے اس کا رواں رواں سلگنے لگا۔

"آپ کو کیا کو کیا معلوم، میرا تو ان کا ہر وقت کا ساتھ تھا۔ میں جانتی ہوں انہوں نے کس طرح آصف کو مجھ سے بدظن کیا ہے۔ مجھے تو ان سے بھی نفرت ہے اور ان کے بیٹے سے بھی۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں تو آپ کا گھر بچانا چاہتا تھا۔" شاہد کو اس کی باتیں سن کر بہت افسوس ہو رہا تھا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ اور اب آپ برائے مہربانی ایسی کوئی کوشش نہیں کیجیے گا۔" ثمرین نے غصے سے فون رکھ دیا۔

☆.....☆

"آپ حیران ہوں گی کہ فراز نے آج تک نہ اپنا اصلی نام بتایا اور نہ آپ لوگوں کے بارے میں کوئی ذکر کیا لیکن میں اکثر دیکھتی تھی کہ جب یہ صبح کو سو کر اٹھتا ہے تو اس کی آنکھیں سرخ ہوتی تھیں جیسے یہ بہت دیر تک روتا رہا ہو۔" مسز طارق بڑی محبت سے عمیر کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"شکر ہے اسے آپ جیسے فرشتہ صفت لوگ مل گئے، ورنہ اگر....." وفا یہ سوچ کر ہی کانپ گئی۔

"تمہاری اس میں اتنی زیادہ مشابہت ہے کہ میں پہلے دن ہی تمہیں دیکھ کر چونک گئی تھی۔ تمہیں یاد ہے، میں اپنے بالوں کی کٹنگ تم ہی سے کروائی تھی۔ تم جب مسکراتی تھیں، مجھے لگتا جیسے فراز مسکرا رہا ہے اور پھر آہستہ آہستہ میرا شک یقین میں بدلتا گیا اور اسی کھوج میں، میں تمہارے گھر بھی آئی تھی۔ بس اس دن سے میرے لیے آزمائش کا دور شروع ہو گیا تھا۔ فراز سے جدا ہونے کا تصور میرے لیے سوہانِ روح تھا لیکن جب میں تمہاری

ماں کے بارے میں سوچتی تو اپنے آپ کو بے حد خود غرض اور سنگ دل محسوس کرتی۔" مسز طارق مسز صابر کا ہاتھ تھامے ہوئے ساری رُوداد بیان کر رہی تھیں۔

مسز صابر کی آنکھوں سے پھر آنسوؤں کی برسات شروع ہو گئی۔ کمرے کی پوری فضا جیسے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی۔

"امی آپ تو کچھ بولیں، اتنی دیر سے ممانی بولے جا رہی ہیں۔" عمیر نے ان کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

"کیا بولوں..... کیسے اس پالنے والے کا شکر ادا کروں، جس نے میرے بچے کو اتنا اچھا انسان بنانے کے لیے کچھ دن مجھ سے جدا کر دیا..... اور..... میں..... رو رو کر اس سے شکوہ کرتی رہی۔ میں تو کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہی، کیا بولوں۔" ان کی زبان سے بے ربط الفاظ نکل رہے تھے۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ یہ آپ کی دعائیں تھیں۔ آپ کا صبر تھا، جس کی وجہ سے فراز کے لیے میرے دل میں اتنی محبت پیدا ہو گئی۔" مسز طارق، عمیر کو مسلسل فراز ہی کہہ رہی تھیں۔

"میں نے کہاں صبر کیا۔ صبر کرنے والے میرے جیسے نہیں ہوتے۔ میں تو بہت بے صبری ہوں۔ بہت جلد باز۔ بہت ناشکری۔" وہ مسلسل رو رہی تھیں۔

"طارق اس زمانے میں میجر تھے۔ ان کی پوسٹنگ ادکاڑہ میں ہوئی تھی۔ ہمارے گھر کے قریب ایک چھوٹی

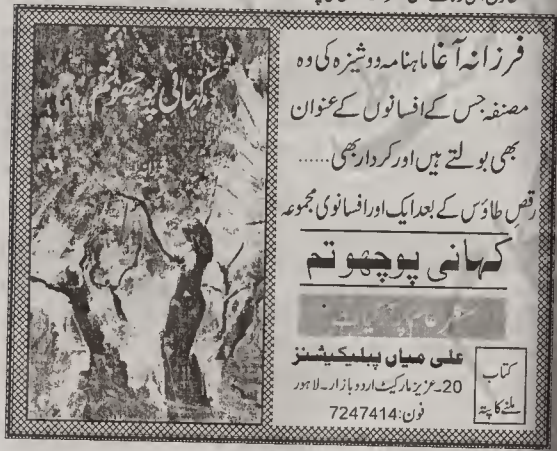

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سی مسجد تھی۔ طارق پانچوں وقت نماز اسی مسجد میں پڑھتے تھے۔ اس مسجد کے پیش امام بہت نیک اور پرہیز گار انسان تھے۔ فراز ایک صبح امام صاحب کو مسجد کے صحن میں سویا ہوا ملا تھا۔ اس وقت اس کی بہت بری حالت تھی۔ وہ بے حد خوف زدہ تھا۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ نیل پڑے ہوئے تھے جیسے کسی نے اس پر بے حد تشدد کیا ہو۔ امام صاحب اسے جگا کر اپنے گھر لے گئے۔ اسے ناشتا کروایا، نہلا دھلا کر صاف ستھرے کپڑے بدلوائے۔ وہ جب اپنے حواسوں میں آیا تو اس سے اس کا اور گھر والوں کا نام پتا پوچھنے کی کوشش کی لیکن وہ بے انتہا سہما ہوا تھا۔ امام صاحب نے زیادہ اصرار نہیں کیا، وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ غلط لوگوں میں پھنس گیا تھا۔ اسے بری طرح ڈرایا دھمکایا گیا تھا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد جب امام صاحب کو اس کی عادات واطوار سے یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ کسی شریف خاندان کا لڑکا ہے تو انہوں نے طارق سے ذکر کیا کہ اسے کہیں کام پر لگا دیں۔ طارق، امام صاحب کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ان کی درخواست پر طارق نے اسے اپنے یونٹ کی کینٹین میں رکھوا دیا۔ اتفاق سے انہی دنوں طارق کا اردلی چھٹی پر چلا گیا۔ ہمارے گھر میں کراچی سے مہمان آئے ہوئے تھے۔ مجھے کام کرنے والے کی شدید ضرورت تھی تو طارق فراز کو کینٹین سے لے آئے۔ طارق کو بھی یہ لڑکا بہت پسند تھا۔ انہوں نے پیار سے عمیر کی طرف دیکھا۔

''آپ یقین کیجیے، جس دن سے یہ ہمارے گھر میں آیا، ہمارے گھر میں جیسے خوش بختی کے دروازے کھل گئے، چند دنوں بعد ہی طارق کی غیر متوقع طور پر پروموشن ہو گئی۔ مجھے شادی کے سات سال بعد اولاد کی خوش خبری ملی تو مجھے یوں لگا، جیسے فراز ہمارے گھر کے لیے خوشیوں کا پیغامبر ہے۔ پھر میرے اصرار پر طارق امام صاحب سے درخواست کر کے فراز کو اپنے گھر لے آئے۔ امام صاحب کو کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ ان کے اپنے چار بچے تھے۔ پھر ہم نے فراز کو اپنا بیٹا بنا لیا اور اس نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔ میں نے اسے اسکول میں داخل کرایا۔ گھر پر میں اسے پڑھاتی تھی۔ اسے فوج میں جانے کا بہت شوق تھا اللہ کا شکر ہے یہ ISSB کے امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ اگلے سال PMA سے پاس آؤٹ ہو جائے گا اور سیکنڈ لیفٹیننٹ بن جائے گا۔ میرے دو بیٹے اور ہیں، لیکن مجھے اس سے ایک عجیب طرح کی محبت ہے۔ میں اسے اداس دیکھتی تھی تو میرے دل کو کچھ ہونے لگتا تھا۔'' مسز طارق کی آنکھیں بار بار چھلکنے لگتیں۔

مسز صابر کا کاندھا تھامے عمیر کی آنکھوں سے آنسو پھسلنے لگتے۔

''یہ آپ کا ہی بیٹا ہے اور آپ کے پاس ہی رہے گا۔ آج اللہ نے مجھے میری ساری زندگی کی محنتوں اور ریاضتوں کا پھل دے دیا۔ مجھے اور کیا چاہیے۔ اب میں اس سے اور کیا مانگوں؟'' مسز صابر نے ہچکیاں لیتے ہوئے مسز طارق کو گلے سے لگا لیا۔

''یہ آپ دونوں کا بیٹا ہے اور شادی سے پہلے آپ دونوں کے ہی پاس رہے گا لیکن شادی کے بعد اپنی بیگم کے ساتھ رہے گا۔ مجھے تو عمیر عرف فراز کی ہونے والی بیوی پر ترس آ رہا ہے، جس بے چاری کو دو دو ساسوں کا مقابلہ کرنا ہو گا۔'' بریگیڈیئر طارق نے ماحول پر چھاتی ہوئی افسردگی کو اپنے شگفتہ جملوں سے ختم کرنے کی کوشش کی۔

''اس کا ایک ہی حل ہے کہ میں دو شادیاں کروں۔ ایک امی کا مقابلہ کرے اور دوسری مما کا۔'' عمیر نے

مسکراتے ہوئے کہا۔

''دو نہیں تین، ایک کو تمہارے ساتھ بھی تو رہنا ہو گا۔'' وفا نے بھی مسکراتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا۔

سارا ماحول آج ایک طویل عرصے بعد محبتوں اور خوشیوں سے مہک اٹھا تھا۔

☆......☆

آصف نے اپنی کولیگ سے نکاح کر لیا تھا اور ثمرین ناراض ہو کر مستقل ماں کے گھر آ گئی تھی۔ آصف کی ماں نے اسے منانے کی بہت کوشش کی لیکن اس کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ آصف اپنی دوسری بیوی کو طلاق دے۔ جس پر آصف کی والدہ راضی نہیں ہو رہی تھیں۔ ''وہ بے سہارا لڑکی ہے۔ میں ایک بن باپ کی بے سہارا بچی پر یہ ظلم نہیں کر سکتی۔''

''آپ کے بیٹے نے میرے ساتھ جو کچھ کیا، وہ ظلم نہیں ہے کیا؟ مجھے اور میرے بچوں کو گھر سے نکال دیا۔'' ثمرین روہانسی ہو گئی۔

''تم غلط کہہ رہی ہو۔ اس نے تمہیں گھر سے نہیں نکالا تھا۔ تم خود گھر چھوڑ کر آئی تھیں اور وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہے اور آج بھی تمہیں گھر لے جانے کے لیے تیار ہے۔''

''آپ اب بھی اپنے بیٹے ہی کی طرف داری کر رہی ہیں؟'' ثمرین کا لہجہ اکتایا ہوا تھا۔

''پھر کیا کروں؟ تمہیں ہر وقت یہی سمجھاتی تھی کہ وہ مزاج کا تیز ہے۔ تم اپنی زبان قابو میں رکھو لیکن تم نے ہمیشہ مجھے اپنا دشمن سمجھا۔''

وہ خود بچوں کی جدائی سے بہت افسردہ تھیں۔ انہیں تو جیسے ہی آصف کے نکاح کی خبر ملی، وہ فوراً ملتان سے کراچی آ گئیں۔ انہوں نے آصف کو بے حد باتیں سنائیں۔ ان کی بھی یہ خواہش تھی کہ آصف اس لڑکی کو طلاق دے دے لیکن جب آصف نے انہیں اس لڑکی سے ملوایا تو انہیں اس پر بہت ترس آیا۔ وہ بے حد مظلوم لڑکی تھی اور آصف کو بے پناہ چاہتی بھی تھی۔

''آپ نے بھی تو کبھی مجھے اپنی بیٹی نہیں سمجھا اگر آج آپ کی بیٹی کے ساتھ ایسا ہوتا تو کیا آپ اسے بھی اس طرح سمجھاتیں۔'' ثمرین اب مزید نڈر اور بدلحاظ ہو گئی تھی۔

''میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ اگر تمہاری جگہ میری بیٹی ہوتی تو میں اسے بھی اسی طرح سمجھاتی۔ بیٹا آصف وعدہ کر رہا ہے وہ اپنی دوسری بیوی کو الگ فلیٹ میں رکھے گا اور اس کا ہم لوگوں سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہو گا اور اب تو بیٹا جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔ حالات کو بہتر کرنے کی کوشش کرو۔ اس وقت تمہیں سمجھداری سے کام لینا ہے۔ پتھر اپنی جگہ بھاری ہوتا ہے۔ اپنا گھر چھوڑ کر تم دربدر ہو جاؤ گی۔ تمہارے بچے رُل جائیں گے۔ باپ کتنا برا سہی، بچوں کے لیے سائبان ہوتا ہے۔'' وہ ثمرین کو واپس گھر لانا چاہتی تھیں۔

''پلیز یہ باتیں نہ کریں، یہ باتیں سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔'' اس نے جھنجھلا کر فون بند کر دیا۔

☆......☆

''ماموں جان کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ وہ اسکول سے سیدھی عیادت کے لیے ان کے ہی گھر آ گئی، وہ بے حد کمزور لگ رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ممانی جان اور ثمرین کہاں ہیں؟'' اس نے گھر میں چھائے ہوئے سناٹے کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''ثمرین کے چھوٹے بیٹے کو بخار ہے، وہ اسے ڈاکٹر کو دکھانے لے گئی ہیں۔'' وہ ماموں جان سے باتیں کر رہی تھی کہ ایکدم وہ رونے لگے۔

''کیا ہوا؟'' وہ گھبرا گئی۔

''بیٹا! میری تم سے درخواست ہے کہ تم علی کی بات مان لو۔'' وہ بے حد افسردہ تھے۔

''کیا!! آپ...... کیا...... کہہ رہے ہیں۔'' آج پہلی مرتبہ انہوں نے اس سے اس طرح کھل کر بات کی تھی۔ وہ حیرانی سے ان کی صورت دیکھنے لگی۔

''ہاں بیٹی اب مجھ سے اس کا اکیلا پن برداشت نہیں ہوتا۔'' وہ بہت دلگرفتہ نظر آ رہے تھے۔ اسے بے حد دکھ ہوا۔ وہ اب اس کا سب کچھ تھے۔ ان کے وجود میں اسے اپنے سارے رشتے نظر آتے تھے۔

''ماموں جان! ایسا کیسے ہوسکتا ہے، آپ جانتے ہیں، لوگ کیسی باتیں کرتے ہیں اور پھر......'' وہ کچھ بولتے بولتے رک گئی۔

''میں جانتا ہوں، جب ہی تو اتنے عرصے سے خاموش ہوں لیکن اب میں وہی کروں گا جو میرے بچوں کے لیے مناسب ہوگا۔ تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اب تمہارا باپ بھی ہوں اور ماں بھی......''

''ما...... مو...... جان......'' وہ بے اختیار سسک اٹھی۔

''نہیں اب تم کچھ نہیں کہوگی۔ میں ثمرین کے مسئلے سے نمٹ لوں تو پھر میں اور تمہاری ممانی تمہارے گھر آئیں گے۔ مجھے بھی خدا کو جواب دینا ہے۔ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، نہ جانے کب بلاوا آ جائے۔ میں تمہیں دنیا والوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا اور جو کچھ میں کہوں گا، اب تمہیں ماننا ہوگا۔'' ماموں جان نے ٹھوس لہجے میں اپنی بات مکمل کی تو اس نے آنسوؤں سے جھلملاتی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔ ان کا چہرہ بہت روشن اور تابناک تھا۔ اسے لگا ہر طرف جیسے محبتوں کی پھوار برسنے لگی ہو۔ کتنے سالوں سے وہ کس کرب سے گزر رہی تھی۔ کتنی کتنی راتیں وہ جاگ کر گزار دیتی تھی لیکن صبح ہوتے ہی وہ ایک بے حد فرض شناس، مستعد اور متحرک ماں بن جاتی جو ممتا، محبت، نیکی اور بھلائی کے جذبے سے لبریز ہوتی اور جو ہر لمحے اپنے بچوں کی راہ میں آنے والے کانٹوں کو اپنی پلکوں سے چن رہی ہوتی۔ کسی کو اسے دیکھ کر یہ شبہ بھی نہ ہوتا کہ اس کے اندر محبت نے کس طرح اپنی جڑیں پیوست کر لی ہیں۔

''تم جانتی ہو۔ میں بہت ضدی ہوں جو سوچ لیتا ہوں وہ ضرور کرتا ہوں۔'' علی دلکشی سے اس کے سامنے مسکرایا۔

وہ ماموں جان کے گھر سے نکل کر اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی اور اسے لگ رہا تھا جیسے وہ پھولوں کی رہگزر پر سفر کر رہی ہو۔

''مجھے معلوم ہے۔ تم مجھ سے محبت نہ کرو لیکن تم مجھ سے نفرت بھی نہیں کر سکتیں۔'' اس کے پر یقین لہجے کی بازگشت نے اس کی سماعت میں رس گھولا۔

''میں تمہیں تنہا چھوڑ کر اپنا گھر نہیں بسا سکتا۔'' علی کا ہزار دفعہ کا کہا ہوا جملہ ہمیشہ کی طرح اس کے چاروں طرف خوشبو بن کر رقص کرنے لگا تھا۔

وہ اپنے خیالوں میں نہ جانے کس دنیا میں پہنچ گئی تھی کہ اسے چاروں طرف سے فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔ سامنے موٹر سائیکل پر سوار دو لڑکے فائرنگ کر رہے تھے۔ اس نے تیزی سے گاڑی کو ریورس کیا اور ایک قریبی گلی میں گاڑی کو موڑنے لگی لیکن بس چند لمحوں کی دیر ہوگئی۔ ایک گولی ونڈ اسکرین کو توڑتی ہوئی اس کے وجود کو آس پاس کے ماحول سے بے گانہ کر گئی۔

☆......☆

علی قبرستان میں فاتحہ پڑھنے کے بعد پلٹا تو اسے سامنے والی قبر پر ثاقب فاتحہ پڑھتا ہوا نظر آیا۔

''ثاقب بھائی!'' وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔ ''آپ یہاں!!'' اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

ثاقب میں گزشتہ برسوں میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی لیکن خوش حالی اور کینیڈا کی آب و ہوا نے اس کی صحت پر اچھے اثرات ڈالے تھے پھر وقت نے اس کی شخصیت میں بُردباری اور وقار بھی پیدا کر دیا تھا۔

''تم غالباً عارفہ کے کزن علی ہو؟'' ثاقب نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''جی...... آپ نے بالکل صحیح پہچانا مگر آپ تو کینیڈا میں رہتے ہیں ناں؟'' وہ اس سے نہ جانے کیا کیا پوچھنا چاہ رہا تھا لیکن بس اتنا ہی کہہ سکا۔

''میں وہیں رہتا ہوں۔ آج کل پاکستان آیا ہوا ہوں۔'' ثاقب نے اسی انداز میں جواب دیا۔

''یہاں آپ کا کوئی عزیز ہے؟'' علی جانے کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔

''یہاں میرے والد کی قبر بھی ہے اور......'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''اوہو! آپ کے والد کا انتقال کب ہوا؟''

''اب تو پانچ سال ہوگئے ہیں۔'' وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

''میں نے آپ سے رابطہ کرنے کی بہت کوشش کی۔'' علی نے چلتے چلتے کہا۔

''کیوں؟'' ثاقب چلتے چلتے رک گیا۔

''عارفہ نے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔ وہ آپ سے طلاق لینا چاہتی......'' علی جس بات کو بہت آسان سمجھ رہا تھا اسے اندازہ نہیں تھا کہ اسے زبان سے نکالنا کتنا مشکل تھا، وہ حقیقت میں پسینے پسینے ہوگیا۔

''مجھے اپنی کوتاہی کا احساس ہے۔ مجھے اسے جب ہی طلاق دے دینی چاہیے تھی جب میں نے دوسری شادی کر لی تھی۔ مجھ سے واقعی بہت بڑی غلطی ہوگئی۔'' وہ واقعی پشیمان نظر آ رہا تھا۔

''تو آپ اب اس غلطی کا ازالہ کر دیجیے۔'' علی جلدی سے بولا کہ وہ کہیں اپنا ارادہ نہ بدل دے۔

''اب...... کیا...... فائدہ؟'' وہ بے حد دل گرفتہ تھا۔

''کیوں، اب کیوں نہیں فائدہ۔'' وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے قبرستان کے باہر آ گئے تھے۔

علی کی رات ہی عارفہ سے بات ہوئی تھی اور عارفہ نے بتایا تھا کہ اسے ثاقب کا نمبر مل گیا ہے۔ اب وہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے جلد ہی رابطہ کرے گی۔ بلکہ عارفہ کا آج اس کے گھر آنے کا بھی پروگرام تھا۔ پاپا کئی دن سے بیمار تھے اور وہ اب تک ان کی عیادت کے لیے نہیں آسکی تھی۔

''میں قبرستان سے ہوتا ہوا آؤں گا۔ آج دادا جان کی برسی ہے۔ پاپا تو بیماری کی وجہ سے جا نہیں سکتے۔ تم میرا انتظار کرنا۔'' علی نے چلتے چلتے کہا۔

''نہیں نہیں میں تمہارا انتظار نہیں کر پاؤں گی۔ مجھے ایمان کو لے کر ڈاکٹر کے یہاں جانا ہے۔ صبح سے اسے بھی ہلکا ہلکا ٹمپریچر ہو رہا ہے۔''

''کاش ایک مرتبہ زبان سے کہہ دو کہ میں تمہارا انتظار کروں گی۔'' علی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''کاش خدا مجھے یہ حق دے دیتا کہ میں ایسا کہہ سکتی۔ میں ابھی بھی ثاقب کی بیوی ہوں اور میرے لیے ایسی بات زبان سے نکالنا بھی گناہ ہے۔'' اس نے یہ جملہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

'تمہاری یہی باتیں تو دن بدن میرے دل میں تمہاری عزت اور احترام میں اضافہ کر رہی ہیں۔' اس نے فون بند کرتے ہوئے سوچا۔

میں نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی لیکن اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ اب تو کچھ بھی نہیں رہا۔'' شام کے ملگجے اندھیرے میں علی کو ثاقب کا چہرہ بے حد غمزدہ اور افسردہ لگا۔

''ایسا نہ کہیں، اب بھی وقت ہے۔ وہ اب بھی شادی کر سکتی ہے۔ آپ کیوں نہیں چاہتے کہ وہ خوش رہے۔'' علی ایکدم جذباتی ہوگیا۔

''لیکن وہ تو زندہ ہی نہیں ہے۔'' ثاقب نے جھجکتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔

''یہ آپ سے کس نے کہا؟؟'' علی نے اسے اس طرح دیکھا جیسا اسے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہو۔

''میں نے خود اس کی قبر دیکھی ہے۔ میں ہر روز اس کے لیے فاتحہ پڑھتا ہوں۔''

''اس کی قبر کہاں ہے؟'' علی نے پوچھا۔

''آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔ اسی قبرستان میں ہے۔ میں پانچ سال پہلے اپنے والد کے انتقال پر آیا تھا تو میں نے یہیں اس کی قبر بھی دیکھی تھی۔'' ثاقب اس کی حیرانی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھامے دوبارہ قبرستان میں داخل ہوگیا۔

''واقعی!! تو پھر جو عارفہ مدر فاؤنڈیشن کی چیئرپرسن اور بانی ہے کیا وہ اس کی روح ہے؟'' علی نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''کیا! کیا عارفہ...... مدر فاؤنڈیشن کی چیئرپرسن، جس کا پچھلے ہفتے ٹی وی پر انٹرویو بھی آیا تھا۔ ثاقب پھر رک گیا۔

''آج کیسا دن ہے؟ کیا امتحان کا دن ہے؟ کیا روز حساب ہے؟'' ثاقب جیسے پل صراط سے گزر رہا تھا۔

''جی...... جی یہ وہی عارفہ ہے، جسے آپ نے بے یار و مددگار اللہ کے سہارے پر چھوڑ دیا تھا اور آپ نے دیکھا، اللہ نے اس کا کیسا ساتھ دیا۔ اگر آپ اسے دیکھیں اس کا کام دیکھیں تو حیران رہ جائیں گے کہ یہ وہی عارفہ ہے جو ایک رات تنہا روتی ہوئی اپنے باپ کے گھر آئی تھی۔'' علی کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنزیہ ہوگیا۔

''میں نے وہ پروگرام دیکھا تھا اور میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ عارفہ ہی ہے لیکن میں اس کی قبر بھی دیکھ چکا تھا،

اس لیے میں سمجھا کہ شاید مجھے دھوکا ہوا ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے، ایک زندہ انسان کو دیکھ کر دھوکا ہوا اور ایک قبر پر لگے ہوئے پتھر کو دیکھ کر یقین ہو گیا۔'' علی کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ وہ چونک گیا۔

''یہ دیکھو، اس قبر کے کتبے پر کیا لکھا ہے۔ علی نے ثاقب کی نشاندہی پر کتبے کے قریب بیٹھ کر بہت غور سے کتبے کی عبارت کو پڑھا۔

عارفہ احمد بنت حسین احمد

تاریخ پیدائش 5 جنوری 1970ء

تاریخ وفات 6 اکتوبر 2001ء

علی بہت غور سے عبارت کو پڑھ رہا تھا۔ اس نے آگے جھک کر اور غور سے دیکھا اور پھر وہ دامن جھاڑتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

ہاں نام اور تاریخ پیدائش تو وہی ہے جو اس کے میٹرک سرٹیفکیٹ پر لکھی ہے لیکن اصل میں اس کی تاریخ پیدائش یہ نہیں ہے، وہ مجھ سے تین ماہ بڑی ہے اور اس کی تاریخِ پیدائش 5 اپریل 1968ء ہے اور دوسرا فرق جو اگر آپ غور سے دیکھتے تو نظر آجاتا دیکھئے اس کتبے پر باپ کا نام حسین احمد نہیں بلکہ حسنین احمد ہے اس کے ن کا نقطہ بہت مدھم پڑ گیا ہے۔'' علی نے اس فرق کی طرف نشاندہی کی تو ثاقب بھی ایک لمحے کو ششدر رہ گیا۔

''لیکن مجھے تو اصل تاریخ کا علم نہیں تھا۔ میں تو اصل تاریخ یہی سمجھتا تھا۔'' چند لمحوں تک خاموش رہنے کے بعد اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

''ہاں کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ انسان کی عقل اور اس کے حواسِ خمسہ بھی اسے دھوکا دے جاتے ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ معلوم ہونے کے بعد بھی آپ نے کبھی اس کے گھر والوں سے تعزیت کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔''

''میں بہت جلدی میں تھا۔ مجھے اگلے دن ہی کینیڈا جانا تھا۔'' ثاقب نے وضاحت کی۔

''آپ فون پر بھی تو رابطہ کر سکتے تھے۔'' علی نے احساس دلانا چاہا۔

''پتا نہیں کیوں، میں عجیب سے کنفیوژن میں تھا۔ نہ جانے کیوں میں بات کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔ شاید میرے دل کو اس بات کا مکمل یقین نہیں تھا اور شاید میرے اندر امید کی ایک چھوٹی سی کرن تھی کہ کاش ایسا نہ ہو۔ وہ زندہ ہو۔''

ثاقب کے پژمردہ وجود میں زندگی انگڑائی لے کر بیدار ہو رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا واقعی کبھی کبھی دو چیزیں ہمیں یکساں نظر آتی ہیں لیکن وہ حقیقت میں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ جیسے ہادی اور مہدی ہیں۔ لوگوں کو ان میں فرق نظر نہیں آتا اس لیے وہ اکثر دھوکا ہی کھا جاتے ہیں لیکن میں جانتا ہوں ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔

''میں کیا عارفہ سے مل سکتا ہوں؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''ظاہر ہے، آپ کو ملنا ہی ہوگا۔ کیا آپ اب بھی اسے طلاق نہیں دیں گے؟'' علی نے دوٹوک انداز میں پوچھا۔

''کیا عارفہ واقعی مجھ سے طلاق لینا چاہتی ہے۔'' ثاقب نے ڈوبتے ہوئے دل سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پہلے نہیں چاہتی تھی لیکن اب اسے بڑی مشکلوں سے راضی کیا گیا ہے۔'' علی نے بڑے محتاط انداز میں بات کی۔

ثاقب کو لگا، جیسے آتی رات میں قبرستان کی ساری اداسی اس کے وجود میں اتر گئی۔ وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے مسلسل ایک ہی کرب میں گرفتار تھا۔ ایسا کیوں ہوا؟ میری آنکھوں پر پردے کیوں پڑ گئے؟ اس کیوں کا جواب کون دے گا۔ کون..... اس اسرار سے پردہ اٹھائے گا؟ کوئی نہیں۔ ہمیں ہر سوال کا جواب نہیں مل سکتا اگر ہر سوال کا جواب مل جائے تو.....

اگر ہر راز سے پردہ ہٹ جائے تو..... تو.....'' اس کا دم گھٹنے لگا۔

☆.....☆

وہ سب اسپتال کے کوریڈور میں جمع تھے۔ گولی عارفہ کے بائیں بازو کو توڑتی ہوئی پسلیوں میں پیوست ہو گئی تھی۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے اس کی حالت تشویشناک تھی۔ خون مسلسل چڑھایا جا رہا تھا۔ صبح کے اخبار میں خبر آ چکی تھی۔ اسپتال کے باہر لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔

ثاقب کا دل سوکھے ہوئے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ ایسا نہ ہو..... ایسا نہ ہو..... وہ پانچ سال سے اس کے لیے، اس کی مغفرت کی دعائیں مانگ رہا تھا، فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ کہیں مجھے ساری زندگی..... یہ سوچتے ہوئے اس کا دل جیسے بند ہونے لگتا تھا۔

علی نے ایک رات میں برسوں کی مسافتیں طے کر لی تھیں۔ وہ قبرستان میں ثاقب سے مل کر خوشی خوشی گھر کی طرف جا رہا تھا کہ راستے ہی میں ماموں جان کا فون آ گیا۔

''عارفہ کو گولی لگ گئی ہے۔ وہ آغا خان اسپتال میں ہے۔ میں بھی وہیں ہوں۔ فوراً پہنچو۔''

وہ آندھی طوفان کی طرح آغا خان اسپتال پہنچا۔ عارفہ آپریشن تھیٹر میں تھی اور اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی زندگی میں اب عارفہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

ایمان مہرین کی گود میں روتے روتے سو گئی تھی۔ وہ ایک ہفتے پہلے ہی آئی تھی۔

یاسر، بلال اور ابا پاکستان کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔

مسز صابر مستقل جائے نماز پر بیٹھی تھیں۔ عمیر اور اس کے ساتھی اسپتال میں جمع تھے۔

عارف بھی کرنل ہو گئے تھے۔ اس نے سارے دوستوں کو فون کر دیا تھا کہ جس وقت، جس چیز کی ضرورت ہو وہ فوراً مہیا کر دی جائے۔ ٹی وی پر سلائیڈ چل رہی تھی۔

صوبائی وزیر کا بیان بھی آ چکا تھا۔ بریگیڈیئر طارق اور ان کی مسز مسلسل اسپتال کے چکر لگا رہے تھے اور ماموں جان کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے عارفہ کی زندگی سے ان کی زندگی کی ڈور بندھی ہے۔

اسپتال کا عملہ پوری تندہی سے اپنے فرائض میں مصروف تھا۔ میڈیا کے نمائندے ایک ایک فرد سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کاشف بھی رات کو بارہ بجے پہنچ چکا تھا اور وہ آنکھیں بند کیے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھی۔

☆.....☆

وہ سب آپا کے کمرے میں جمع تھے۔ ثاقب ابھی ابھی اسپتال سے آیا تھا اور وہ اس کی جو حالت دیکھ کر آیا تھا،

اس کی زندگی سے بالکل مایوس ہو گیا تھا۔

''خدا رحم کرے۔ اس کی حالت دیکھ کر تو مجھے بہت افسوس ہوا۔'' آپا نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ بھی ثاقب کے ہمراہ اسے دیکھنے گئی تھیں۔

''میں بھی کل اسپتال گئی تھی، مجھے بھی اس کے بچنے کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی۔'' مدحت نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔

''میں تو دن رات دعائیں مانگ رہی ہوں۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ شاید کوئی معجزہ رونما ہو جائے۔ وہ تو مُردوں میں جان ڈالنے والا ہے۔'' آپا کو ثاقب کی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہو رہا تھا۔

''ظفر بھی کہہ رہے تھے کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔'' عصمت میں اتنے سال گزرنے کے بعد بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اب بھی ہر بات میں ظفر کی رائے کو بہت اہمیت دیتی تھیں۔

''کاش مجھے یہ پتا ہی نہ چلتا کہ وہ زندہ ہے۔ میں تو کئی سالوں سے اس کی موت پر رو رہا تھا۔'' ثاقب جس کرب سے گزر رہا تھا کوئی اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔

''حوصلہ کرو۔ اس طرح پریشان ہو گے تو خود بیمار ہو جاؤ گے۔'' آپا نے اسے گلے سے لگا کر تسلی دینے کی کوشش کی۔

''کاش میری زندگی اسے مل جائے۔ وہ زندہ رہے۔ اس کی زندگی کی تو بہت سارے لوگوں کو ضرورت ہے۔ وہ بہت سارے بچوں کی ماں ہے۔ اسے کچھ ہو گیا تو بہت سارے بچے بن ماں کے ہو جائیں گے اور میری بچی، میری ایمان کا کیا ہو گا؟'' وہ جب سے ایمان سے ملا تھا اس کے لیے تڑپتا تھا۔ وہ جتنی دیر اسپتال میں رہتا وہ اسی کے پاس رہتی۔ اس کا دل چاہتا اسے اپنے ساتھ لے کر کہیں دور چلا جائے۔

''گھبراؤ نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' مدحت کے شوہر نے اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے اسے دلاسا دیا۔

''کچھ نہیں ٹھیک ہو گا۔ میں ساری زندگی روتا رہوں گا۔ میری زندگی میں اب کوئی خوشی نہیں آئے گی۔ میں بہت بدنصیب ہوں۔ مجھے زندگی میں کچھ بھی نہیں ملا۔'' وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

''ایسے نہیں کہتے، اللہ سے دعا کرو۔'' آپا بھی اس کے ساتھ رونے لگیں۔

''اللہ میری دعائیں سنتا۔ اس نے کبھی میری دعائیں سنی۔'' وہ مایوسی میں کفر کی حدوں کو چھو رہا تھا۔

''اٹھو منہ ہاتھ دھو۔ ہم سب اسپتال چلتے ہیں۔'' ظفر نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالنے کی کوشش کی تو وہ جیسے بپھر اٹھا۔

''پلیز آپ چلے جائیں، آپا ان سے کہہ دیجیے یہ میرے سامنے سے چلے جائیں۔ ان کی وجہ سے میری زندگی برباد ہوئی ہے۔ میں ان کی شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔''

''ظفر بھائی آپ تھوڑی دیر کے لیے یہاں سے چلے جائیے۔ ثاقب ابھی اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔ کہیں غصے میں کچھ اور نہ کہہ دے۔'' مدحت نے جلدی سے ظفر کو کمرے سے باہر بھجوا دیا۔

''میں اسپتال جا رہا ہوں اور تم میں سے کسی کو اسپتال آنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' چند لمحوں بعد وہ پیر پٹختا ہوا گھر سے نکل گیا اور وہ سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہ گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپا سوچ رہی تھیں۔ 'میں نے تو ایسا کچھ نہیں کیا۔ پھر یہ مجھ سے اتنا ناراض کیوں ہے؟'

☆.....☆

وہ ساری رات اسپتال کے فرش پر بیٹھا رہا تھا۔ اس کی زبان گنگ تھی اور آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ اسے نہ جانے کیا کیا یاد آرہا تھا۔

کتنے برسوں سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ شاید بچپن سے۔ وہ اپنے گھر سے زیادہ اپنی پھوپی کے گھر میں رہتا تھا اور اسے ماں سے زیادہ پھوپی سے محبت تھی۔ وہ اور یاسر بے حد شرارتی تھے۔ ہر وقت گھر میں اودھم مچائے رکھتے۔ پھوپا جان بھی ان کی شرارتوں کو خوب انجوائے کرتے اور پھوپو کی تو جان ہی اس میں اٹکی رہتی۔ ''علی بالکل بھیا کی طرح ہیں۔ اماں بتاتی تھیں بھیا بھی بچپن میں ایسے ہی شرارتی تھے۔'' وہ علی کی شرارتوں پر ڈانٹنے ڈپٹنے کے بجائے اسے پیار بھری نظروں سے تکتی رہتیں۔

ان دونوں کی عارفہ سے بھی بہت زیادہ دوستی تھی۔ بلکہ عارفہ ہی ان کا تختۂ مشق بنتی تھی۔ دونوں ہر وقت اسے تنگ کرنے کی پلاننگ کرتے رہتے۔ ان دونوں نے اس کی دوستوں کے عجیب وغریب نام رکھے ہوئے تھے، جس سے وہ بہت چڑتی تھی۔ ایک دوست ذرا موٹی تھی، اس کا نام پاٹدار رکھا تھا۔ ایک کا رنگ ذرا سانولا تھا اسے کلی ماؤس کہتے تھے۔

علی پھوپو کا اس قدر چہیتا تھا کہ اگر باپ بھی اسے ڈانٹتے تو انہیں برا لگ جاتا تھا اور وہ بھائی سے بھی ناراض ہو جاتی تھیں۔

''علی تم بہت گندے ہو تم نے میری کاپی پر پاٹدار کی تصویر بنا کر اس پر فرحین کا نام لکھ دیا۔ وہ مجھ سے ناراض ہوگئی ہے۔ اب میں تم سے کبھی نہیں بولوں گی۔''

اسے اپنے قریب عارفہ کی سرگوشی سنائی دی اور اسے لگا، اس کے دل سے لہو رسنے لگا۔ ''عارفہ پلیز مجھے چھوڑ کر نہیں جانا، تم جانتی ہو میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' وہ رو رہا تھا۔ سسک رہا تھا۔

''علی تم کتنا ہنساتے ہو۔ ہنستے ہنستے میرے پیٹ میں درد ہو گیا ہے۔'' وہ علی اور یاسر کے لطیفوں پر ہنستے ہنستے دوہری ہو جاتی اور ہنستے ہوئے اس کی آنکھوں میں پانی آجاتا تھا۔

علی کو یاد آرہا تھا جب وہ چھوٹی تھی اور ان دونوں کی شرارتوں پر ان سے ناراض ہو جاتی تو وہ دونوں اسے منانے کے لیے کیا کیا جتن کرتے تھے۔ کبھی دونوں ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے جھک جاتے، کبھی مرغا بن جاتے۔ کبھی اس کے لیے آئس کریم لاتے۔

وہ بھی زیادہ دیر تک ان سے ناراض نہ رہ پاتی۔ ان کی اول جلول حرکتوں پر بے ساختہ ہنسنے لگتی۔ یاسر پڑھنے میں بہت تیز تھا۔ ہر کلاس میں فرسٹ پوزیشن لیتا جب کہ علی کا پڑھنے میں بالکل دل نہیں لگتا تھا۔ عارفہ کو ہر وقت اس کی فکر رہتی۔ وہ جب بھی آتا اسے بزرگوں کی طرح سمجھاتی۔

''علی دیکھو تم پڑھو گے نہیں تو کیا کرو گے۔ آج کل کے زمانے میں پڑھنا بہت ضروری ہے۔ اگر تمہیں کچھ سمجھ میں نہ آئے تو مجھ سے پوچھ لیا کرو۔'' اور جب بھی اس کے نمبر خراب آتے وہ رپورٹ لے کر گھر جانے کے بجائے پھوپو کے گھر آجاتا۔

عارفہ اس کے نمبر دیکھ کر بہت پریشان ہو جاتی۔ ''علی اب کیا ہوگا ماموں جان تو بہت ناراض ہوں گے۔''

''ارے کچھ نہیں ہوگا پھوپو مجھے بچالیں گی۔'' وہ لاپروائی سے کہتا تو عارفہ کو اور زیادہ افسوس ہوتا۔

''مگر علی یہ تو بری بات ہے تم کو پڑھنا چاہیے۔ بغیر پڑھے تو تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ وعدہ کرو اب تم دل لگا کر ہو گے۔ پڑھو گے نا اگر تم نے نہیں پڑھا تو میں تم سے نہیں بولوں گی۔ ہمیشہ کے لیے تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔ پھر تم کچھ بھی کرو، تم سے بات نہیں کروں گی۔'' اس کے چاروں طرف عارفہ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا، اس کی رات نے اس کی ساری زندگی کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ اسے کچھ نہیں پتا تھا، باہر کیا ہو رہا ہے۔ ڈاکٹرز کیا کر رہے ہیں۔ عارفہ کی کیا حالت ہے۔ وہ تو خدا سے صرف اپنی زندگی مانگ رہا تھا۔ مالک تو جانتا ہے عارفہ کے بغیر میں زندوں کی طرح زندہ نہیں رہ سکتا۔ تو مجھے میری زندگی دے دے۔

فجر کی اذان ہو رہی تھی، اللہ اکبر!..... اللہ اکبر!.....

وہ سب کے سب اس کی بارگاہ میں جھک گئے۔ سجدے میں جھکے ہوئے وجود بس ایک ہی التجا کر رہے تھے۔

''مالک، عارفہ کو بچالے!!'' ماموں جان کا پورا وجود عابن گیا۔

''مالک میڈم کو بچالے!!'' نائٹ اسکول کے لڑکے خدا کے آگے سربسجود تھے۔

''مالک عارفہ باجی بچ جائیں۔ مالک ہماری ماں کو بچالے!''

''مالک عارفہ کو زندگی دے دے، بدلے میں میری زندگی لے لے!!'' علی آنسوؤں کی زبان میں دعا مانگ رہا تھا۔

''بارالٰہی! عارفہ کو زندہ رکھنا ورنہ.....'' ثاقب نے برسوں بعد صدقِ دل سے خدا کو پکارا تھا۔

ہر فرد کے لبوں پر بس یہی ایک دعا تھی اور پھر نہ جانے کس کی دعا آسمان کے پردوں کو چیرتی ہوئی مالک کی بارگاہ میں پہنچ گئی۔ حکم جاری ہو گیا۔ موت ہار گئی اور عارفہ زندگی کی طرف لوٹ آئی۔ ہر دل خوشی کے ساز پر رقص کرنے لگا۔

☆.....☆

پورے ہفتے کوما میں رہنے کے بعد اس نے آنکھ کھولی تو ساری فضا خوشی سے جھوم اٹھی۔ پھولوں کی خوشبو ہوا کے دوش پر سوار ہو کر رقص کرنے لگی۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی اسے مزید ایک ہفتہ آئی سی یو میں رکھا گیا تھا۔ ایک ہفتے بعد وہ وارڈ میں شفٹ ہوئی تھی اور جب سے وہ وارڈ میں آئی تھی۔ اس دن سے عیادت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔

سسٹر بار بار جھنجھلا جاتی تھی۔ ''اسپتال میں اتنے لوگوں کے آنے کی اجازت نہیں ہے۔'' وہ بار بار لوگوں کو بھگاتی لیکن کوئی مان ہی نہیں رہا تھا۔

اس وقت بھی کمرے میں ابیہا، یاسر، بلال، ماموں جان، خالہ جان، وفا اور مسز صابر موجود تھے۔ وفا نے تھوڑی دیر پہلے ہی عارفہ کے بال بنا کر ہلکا ہلکا میک اپ کیا تھا، جس کی وجہ سے کمزوری اور نقاہت کے باوجود وہ فریش اور پیاری لگ رہی تھی۔

عارفہ جب سے اسپتال میں تھی، مسز صابر اور وفا روزانہ اس کی عیادت کے لیے آرہی تھیں اور جس دن وفا کی چھٹی ہوتی، وہ صبح سے آجاتی تھی اور چھوٹی بہنوں کی طرح عارفہ کی دیکھ بھال کر رہی تھی کیونکہ اس کی ماں کی موت بھی، جس طرح عارفہ نے اس کا ساتھ دیا تھا مالی اور اخلاقی مدد کی تھی، ہر ہر مرحلے پر اس کے ساتھ رہی تھی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے حوصلہ دیا تھا۔ اس میں جینے کی امنگ پیدا کی تھی۔ عارفہ کے اس حسن سلوک نے وفا کے دل میں اس کی جو محبت اور عقیدت پیدا کی تھی، اس کا مظاہرہ اب دیکھنے میں آرہا تھا۔ جن دنوں عارفہ کومے میں تھی وہ ساری ساری رات آئی سی یو کے باہر بیٹھی دعائیں کرتی رہتی۔ خاندان کے سارے لوگ اس بے غرض اور بے لوث محبت پر حیران تھے۔

''تم تو آج بہت پیاری لگ رہی ہو۔ ایکدم فریش، تازہ دم۔'' آپا اسے سیب کھلاتے ہوئے بولیں۔

''یہ سب وفا کے ماہر ہاتھوں کا کرشمہ ہے۔'' عارفہ نے محبت سے وفا کی طرف دیکھا جو گلابی رنگ کے لان کے سوٹ میں گلاب کی کلی لگ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے اب 'مدر فاؤنڈیشن' کے تحت بیوٹی پارلرز بھی کھولنے چاہئیں۔'' یاسر نے مسکرا کر کہا۔

''جس میں ماؤں کو سجایا سنوارا جائے تاکہ بچے اپنی ماؤں کو دیکھ کر خوش ہوں۔'' علی نے لقمہ دیا۔

''اور ہم بھی بچوں کی ماؤں کو دیکھ کر خوش ہوں۔'' یاسر نے فوراً ٹکڑا لگایا۔

''تم نہیں بدلو گے، تم آج بھی اتنے ہی چھچھورے ہو، جیسے یہاں سے جاتے ہوئے تھے۔'' علی نے یاسر کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

''کیا کروں تمہاری صحبت کا اثر آج تک باقی ہے۔'' یاسر نے مسکرا کر عارفہ کو دیکھا اور علی نے یاسر کے اس جملے پر بھرپور قہقہہ لگایا۔

وہ ڈارک گرے شلوار قمیص میں ہنستا مسکراتا بے حد دلکش لگ رہا تھا۔ عارفہ کے چہرے سے خوشی و مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ خوشیوں کی لہریں ہوا کے ساتھ ساتھ ان کے اندر جذب ہو رہی تھیں۔

وہ سب دل کھول کر ہنس رہے تھے کہ ایکدم کمرے میں ثاقب، آپا، عصمت اور مدحت کے ساتھ داخل ہوا۔

☆......☆

وہ رات کو سونے کے لیے لیٹیں تو نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی جب کہ آج صبح سے بچوں کے پیچھے دوڑ دوڑ کر وہ تھک کر چور ہو گئی تھیں۔ ثاقب صبح ہادی اور مہدی کو ان سے ملانے لایا تھا۔ وہ دونوں بچوں کو دیکھ کر خوشی سے بے حال ہو گئیں۔

''میرے بچے، میرے چاند، میری جان۔'' وہ دونوں کو لپٹائے اس قدر بے قراری سے رو رہی تھیں کہ ثاقب کی آنکھیں بھی نمناک ہو گئیں۔

''کتنے پیارے بچے ہیں۔ لگتا ہے آسمان سے دو فرشتے میرے گھر میں اتر آئے۔ وفا پارلر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ ماں کی آواز سن کر ڈرائنگ روم میں آئی تو ثاقب اور بچوں کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

''ثاقب...... بھائی...... آپ...... مہدی...... ہادی......'' اس نے آگے بڑھ کر دونوں بچوں کو اپنے سے لپٹا لیا۔

''آپ بالکل مما جیسی ہیں۔'' ہادی نے وفا کو دیکھتے ہی کہا۔

''ہاں بیٹا، میں بالکل آپ کی مما جیسی ہوں کیونکہ میں آپ کی مما کی بہن ہوں۔''

''مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں تم سے کیا کہوں۔ میں تو تمہارے سامنے سر اٹھانے کے قابل بھی نہیں۔ خدا صبا جیسی بیٹی دشمن کو بھی نہ دے۔'' ان کا لہجہ رندھا ہوا تھا۔

بچے وفا کے ساتھ تھوڑی دیر میں ہی مانوس ہو گئے۔ وہ ان دونوں کو اپنے کمرے میں لے گئی تو انہوں نے ثاقب کے سامنے سر جھکا کر کہا۔

''پلیز ایسا نہ کہیے جو کچھ صبا نے کیا، اس میں آپ کا کیا قصور۔ آپ تو میرے لیے اتنی ہی قابلِ احترام ہیں، جیسی میری ماں۔ میں صبا کے قصور کی سزا آپ کو کیوں دوں؟ میں بچوں کو بھی اس لیے آپ سے ملوانے لایا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں آپ ان بچوں سے بہت محبت کرتی ہیں۔''

''بیٹا تمہارا بہت بہت شکریہ۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔'' اس وقت ان کے دل سے ثاقب کے لیے بے شمار دعائیں نکل رہی تھیں۔

ثاقب نے ان کی درخواست پر بچوں کو پورے دن کے لیے ان کے گھر چھوڑ دیا۔ وفا نے بھی پارلر سے چھٹی کر لی تھی۔ حیا کو بھی فون کر کے بلوا لیا، آج کافی دنوں بعد ان کے گھر میں زندگی کی آوازیں گونجنے لگیں۔ رات کو عمیر نے بھی فون کیا تھا۔ وہ بھی چند ہفتوں بعد آنے والا تھا۔

''امی آپ سو گئیں کیا؟'' وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھیں تو وفا دودھ کا گلاس لے کر آ گئی۔

''نہیں، مجھے نیند نہیں آرہی۔'' انہوں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''امی، ہادی اور مہدی کتنے شریر ہیں۔ ان کے آنے سے کتنی رونق ہو گئی تھی۔''

''خدا ان بچوں کو طویل عمر دے۔ میں ثاقب کو ایسا نہیں سمجھتی تھی کس قدر اعلیٰ ظرف اور نیک انسان ہے۔''

''یہ تو ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ صبا ان سے کیوں اتنا چڑتی ہے؟ کوئی تو بات ہو گی۔''

''کوئی بات نہیں ہے جہاں زیب کے عشق نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی اور وہ کچھ دیکھنے کے قابل ہی نہ رہی۔''

''چلیں وہ تو خوش ہے۔ شکر ہے اس نے جو چاہا اسے مل گیا۔'' انہیں وفا کا لہجہ بہت تھکا تھکا سا لگا۔

''تم اب سو جاؤ بہت تھکی تھکی لگ رہی ہو۔'' وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولیں۔

''آپ بھی سو جائیں۔'' وہ لائٹ آف کر کے ان کے برابر میں لیٹ گئی۔

انہوں نے کروٹ بدل لی اگر ایسا ہو جائے۔ انہوں نے سوچا۔ ثاقب کے رویے سے تو ایسا ہی لگتا ہے کہ اسے کوئی اعتراض نہ ہو گا لیکن اس کی بہنیں...... وہ بھلا کیوں راضی ہوں گی لیکن ہو سکتا ہے بچوں کی وجہ سے راضی ہو جائیں اور وفا بھی تو بچوں سے اتنا پیار کرتی ہے ورنہ تو وہ شادی کے لیے تیار ہی نہیں ہوتی تھی مگر یہ بات کس سے کہوں، کیسے شروع کروں۔ عارفہ سے...... لاحول ولاقوۃ اس سے بھلا کیسے کہہ سکتی ہوں اور بھلا کیا کہوں۔ یہی کہ اپنے شوہر سے وفا کی شادی کرا دو۔ یہ کیسی عجیب سی بات ہے۔ وہ کیا سوچے گی؟ وہ رات دیر تک سوچتے سوچتے سو گئیں۔

☆......☆

ثاقب اور اس کی تینوں بہنوں کو دیکھ کر سب ہی کے منہ بن گئے۔ خاص طور پر عارفہ کے چہرے کا رنگ ایسا بدلا کہ سب ہی کو محسوس ہو گیا۔

''آئیے آپ ادھر بیٹھیں۔'' مسز صابرہ نے فوراً آپا کے لیے جگہ خالی کی۔

''نہیں نہیں آپ بیٹھیں۔ ہم تو بس عارفہ کی خیریت معلوم کرنے آئے تھے۔'' آپا کو سب کی ناگواری کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احساس ہو گیا تھا۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ اسپتال میں اتنے لوگ جمع ہوں گے۔

''ڈاکٹر نے کب تک ڈسچارج کرنے کے لیے کہا ہے۔'' ثاقب نے مسز صابر سے پوچھا کہ اور کسی سے بات کرنے کی ان میں ہمت ہی نہیں تھی۔

''شاید ایک دو دن میں ڈسچارج کر دیں۔''

''آپ اپنا بہت خیال رکھیے گا بہت کمزور ہو گئی ہیں۔'' مدحت نے ہمت کر کے عارفہ سے بات کرنے کی کوشش کی۔ عارفہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''میں نے تو دن رات تمہارے لیے دعائیں مانگی تھیں۔'' آپا نے بھی مدحت کو دیکھ کر ہمت کی۔

''ایمان بالکل تمہاری کاپی ہے۔'' مدحت نے پھر بات کرنے کی کوشش کی۔

''اصل میں ابھی ڈاکٹر نے زیادہ بولنے سے منع کیا ہے۔'' مسز صابر نے صورتِ حال کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''ہم لوگ اب چلتے ہیں، پھر آئیں گے۔'' ثاقب نے چلتے چلتے عارفہ کی طرف دیکھا۔

اسے اس کی نظروں میں اپنے لیے محبت کی ایک رمق بھی محسوس نہ ہوئی۔

☆.....☆

ایک ماہ اسپتال میں رہنے کے بعد وہ گھر آ گئی تھی۔ ابھی اس نے اسکول جانا شروع نہیں کیا تھا۔ ڈاکٹرز نے بھی ابھی آرام کا مشورہ دیا تھا۔ یاسر، بلال اور ایپا واپس جا چکے تھے۔ ''یاسر مدر فاؤنڈیشن، کے زیرِ اہتمام چلنے والے اسکولز، کالجز، نائٹ اسکولز کی کارکردگی دیکھ کر بہت خوش تھا۔

''مجھے تم پر فخر ہے۔ تم نے جو چراغ جلایا ہے، خدا کرے اس کی لو کبھی مدھم نہ ہو۔'' اس نے عارفہ کو گلے لگا کر اس سے رخصت ہوتے ہوئے کہا تھا۔

''مجھے یقین ہے کہ اس چراغ سے بے شمار چراغ جلیں گے اور ایک وقت آئے گا جب ہمارے وطن میں ہر طرف علم کا اجالا ہو گا۔'' عارفہ کا لہجہ پُرعزم تھا۔

☆.....☆

''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟'' وہ اپنے فلیٹ کی گیلری میں بیٹھی نرم گرم دھوپ کے مزے لے رہی تھی۔ تو حمیدہ خالہ نے کینو چھیلتے ہوئے پوچھا۔

''کس سلسلے میں؟'' اس نے کینو کی پھانک کو نمک لگا کر کھاتے ہوئے پوچھا۔

''ثاقب کے بارے میں؟'' حمیدہ خالہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''آپ کا کیا خیال ہے، مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' اس نے الٹا ان سے سوال کر لیا۔

''بیٹا میں تو پرانے زمانے کی عورت ہوں، میرا تو یہی مشورہ ہے کہ تم ثاقب کو معاف کر دو۔'' حمیدہ خالہ نے جھجکتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی۔

''معاف تو اسے جب کروں، جب اس کا کوئی قصور ہو۔ وہ تو ایک کمزور اور بزدل شخص ہے۔ مجھے تو اس پر رحم آتا ہے۔'' عارفہ نے پُرسکون سے انداز میں جواب دیا۔

''تو پھر اس کی بات مان لو اور اس کے ساتھ چلی جاؤ۔'' حمیدہ خالہ نے کہا۔

''کل پھر کوئی ظفر جیسا شخص میرے کردار پر کیچڑ اچھالے اور میں آدھی رات کو روتی ہوئی گھر سے نکلوں۔ پہلے تو میں اکیلی تھی، لیکن اب تو میرے ساتھ میری بیٹی بھی ہے۔'' عارفہ نے بے حد اطمینان سے جواب دیا۔

''بیٹا اب وہ بہت بدل گیا ہے۔'' حمیدہ خالہ اسے ایک ماں کی طرح سمجھا رہی تھیں۔

''کیا بدلا ہے۔ اب بھی اس کی بیوی دو بچوں کو چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ اسے روک نہیں سکا۔'' عارفہ کے اس جملے پر وہ بھی خاموش ہو گئیں لیکن انہیں عارفہ کی بات اچھی نہیں لگی۔

☆.....☆

رات کو کھانے سے فارغ ہو کر ایمان کو سلا کر وہ سونے کی تیاری کر رہی تھی تو ایپا کا فون آ گیا۔

''عارفہ میں تو یہ سن کر ہی حیران رہ گئی کہ تم نے ثاقب سے طلاق کا مطالبہ کیا ہے جب کہ وہ تم کو اپنانے کے لیے تیار ہے۔''

ایپا کا ہمیشہ کا وہی انداز تھا۔ خود کو عقل مند اور اسے بے وقوف سمجھنے والا لیکن اب شاید وہ بھی نہیں جانتی تھیں کہ بہت وقت گزر گیا ہے۔

''لیکن میں تو اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔'' اس نے کھل کر کہہ دیا۔

''اس کا مطلب ہے، ممانی جان صحیح کہہ رہی ہیں؟'' اپنے وہی کہا جو وہ سمجھ چکی تھی۔

''ہاں وہ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں۔ میں علی سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے اس قدر صاف الفاظ میں کہا کہ ایپا بے ہوش ہوتے ہوتے بچیں۔

''عارفہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''کیوں؟ اس میں کیا حرج ہے۔ کیا مجھے اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق نہیں دیا خدا نے، مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں اپنی پسند کے شخص سے شادی کر سکوں۔''

''تم اب پینتیس سال کی ہو چکی ہو۔ اس عمر میں تم پر یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ اگر تم نے شادی کرنی ہی تھی تو اس وقت کرتیں جب ثاقب نے تمہیں چھوڑا تھا۔ ساری جوانی گزار کر اب اس عمر میں تمہیں شادی کا شوق چرایا ہے۔'' ایپا کا لہجہ برہمی لیے ہوئے تھا۔

''آپ نے بالکل درست کہا کہ میں پینتیس کی بے حد میچور ڈ عورت ہوں۔ سات آٹھ سالوں سے تن تنہا زندگی گزار رہی ہوں اور میں سمجھتی ہوں کہ مجھ میں صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی ہے۔'' اس نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

''لیکن تم یہ تو سوچو، تمہارے اس فیصلے سے ہم پر کیا گزرے گی، ہم تو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے اور اب جو معاشرے میں تمہاری عزت ہے، وقار ہے، وہ سب خاک میں مل جائے گا۔'' ایپا ہراساں ہو کر بولیں۔

''آپ گھبرائیں نہیں، ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ آپ کی عزتوں پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ رہی میں، تو میں نے تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنی باتیں سنی ہیں کہ اب مجھ پر کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔'' عارفہ کا لہجہ بدل چکا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے، میں نے یاسر سے بھی بات کی تھی۔ اسے بھی بہت برا لگا۔ اس نے کہا ہے، وہ تمہیں سمجھانے کی کوشش کرے گا۔'' اپیا کا ہمیشہ کا وہی انداز تھا۔

''میں نہ آج تک آپ کے معاملے میں دخل دیا ہے اور نہ یاسر اور بلال کے معاملے میں، تو پھر آپ لوگ کیوں میری زندگی کے معاملات میں دخل اندازی کر رہے ہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''میں نے اب تک فیصل سے اس بات کا ذکر بھی نہیں کیا، انہیں پتا چل گیا تو وہ مجھے تم سے بات تک نہیں کرنے دیں گے۔ انہوں نے تو آج تک اپنی اس بہن کی شکل تک نہیں دیکھی، جس نے اپنی پسند سے شادی کی تھی۔'' اپیا رو دینے کو تھیں۔

''یہ آپ کا اور آپ کے شوہر کا معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں، میں کچھ کہنا نہیں چاہتی۔'' اس نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا۔

اپیا کے فون کے بعد وہ وہیں صوفے پر بیٹھ گئی، ایسا لگ رہا تھا۔ ساری دنیا ہی جیسے اس کے خلاف ہو گئی ہے۔

☆.....☆

''میری ہفتے کی رات کی فلائٹ ہے۔'' ثاقب اس کے سامنے بیٹھا تھا اور بے حد شکستہ اور افسردہ لگ رہا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی اور اب کچھ بولنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

''میں نے طلاق کے پیپرز تیار کروا لیے ہیں۔ آج شام یا کل صبح تک تمہیں بھجوا دوں گا۔'' یہ کہتے کہتے، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو قطرے پھسل گئے۔

''ہادی اور مہدی کیسے ہیں؟'' اس نے جلدی سے موضوع بدل دیا کہ کہیں وہ کسی کمزور لمحے کی گرفت میں نہ آ جائے۔

''بچے ٹھیک ہیں۔ آپا بہت جاتی ہیں، عصمت بھی بہت خیال رکھتی ہے۔''

''آپا عصمت کے ساتھ رہتی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، عصمت آپا کے ساتھ رہتی ہے۔ عصمت کی بڑی بیٹی کی منگنی ہو گئی ہے۔ ظفر بھائی نے دوسری شادی کر لی تھی لیکن ان کی دوسری بیوی نے چند برسوں بعد انہیں چھوڑ دیا۔ اب تو بالکل مولوی بن گئے ہیں۔'' ثاقب اس کے پوچھے بغیر ہی تفصیل بیان کر رہا تھا۔

''بچے ماں کو یاد نہیں کرتے۔'' عارفہ کو عصمت اور اس کے شوہر کے ذکر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کی سوئی بچوں پر اٹکی ہوئی تھی۔

''ماں کو کون بھول سکتا ہے، میں آج تک اپنی ماں کو نہیں بھولا۔ میری بدنصیبی کہ میرے بچوں کو بھی ماں نہ مل سکی۔'' اس کی آواز بھرانے لگی۔

''آپ نے صبا کو جانے کیوں دیا؟'' عارفہ نے نہ جانے کیوں یہ سوال کر ڈالا۔

''میں اسے روک نہیں سکتا تھا۔ وہ مجھ سے نفرت کرتی تھی۔'' ثاقب نے ضبط کی کڑی منزلوں سے گزر کر، آج عارفہ کے سامنے اس سچ کا بھی اعتراف کیا۔

''لیکن اسے اپنے بچوں سے تو محبت ہو گی۔'' عارفہ نے پہلی بار غور سے ثاقب کی جانب دیکھا۔

''اسے مجھ سے دلبستہ ہر چیز سے نفرت تھی اور ظاہر ہے پھر ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔''

''کیوں؟'' اس نے نظریں چراتے ہوئے سوال کیا۔

''اس لیے کہ میں نے ایک بے حد نیک اور پاکباز عورت کی قدر نہ کی۔ اس کی حفاظت نہ کر سکا، اسے دنیا کا مقابلہ کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا۔'' ثاقب نے سر جھکا کے جملہ مکمل کیا۔

''کیا آپ کو یقین تھا کہ..... جو کچھ..... میرے بارے میں کہا گیا..... اور اب بھی جو کچھ کہا جا رہا ہے، وہ غلط ہے۔'' عارفہ کا لہجہ سوالیہ تھا۔

''سو فیصد غلط۔'' اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر پوری سچائی سے اس حقیقت کا اعتراف کیا۔

''کیا اب بھی..... جب کہ میں آپ سے طلاق لے کر علی سے شادی کر رہی ہوں۔'' عارفہ کے دل میں شدید درد کی لہر اٹھی۔

''ہاں اب بھی۔ زندگی کی آخری سانسوں تک بلکہ یوم آخرت بھی خدا کے سامنے یہ اعتراف کروں گا کہ تم ایک بہت نیک اور پاکباز عورت ہو اور میں چاہتا تھا کہ میرے بچوں کی تربیت، تمہاری جیسی مضبوط ماں کے ہاتھوں سے ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ میں تمہارے قابل نہ تھا، نہ ہوں اور نہ کبھی ہو سکتا ہوں۔ علی بہت اچھا ہے، وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' ثاقب یہ کہہ کر اپنی کرسی سے اٹھا اور اس کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

☆.....☆

بارات روانہ ہونے کے لیے تیار تھی۔ علی دولہا بنا ہوا بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ سیاہ شیروانی اور کلاہ پہنے ہوئے وہ شہزادہ دکھائی دے رہا تھا۔

ماموں جان بھی سیاہ ٹو پیس سوٹ میں اپنی عمر کو کئی سال پیچھے چھوڑ آئے تھے۔

برسوں بعد ان کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا۔ ممانی جان، پیازی ڈلکی کی بناری ساڑی میں بہت اداس لگ رہی تھیں۔ ثمرین اور مہرین نے بہت خوب صورت غرارے سلوائے تھے۔ ماموں جان کے گھر میں جیسے خوشیوں کی بارات اتر آئی تھی۔

''میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے، ہال میں مہمان پہنچ گئے ہوں گے۔'' عارف نے ہمیشہ کی طرح، سب کو جلدی جلدی تیار ہونے کا مشورہ دیا۔

''جلدی کیا ہے، آصف بھائی کو تو آنے دیں۔'' علی نے کن انکھیوں سے ثمرین کو دیکھا۔

''آپ نے آصف کو بھی بلایا ہے؟'' ثمرین غصے سے بولی۔

''ظاہر ہے وہ اس گھر کا داماد ہے۔'' ماموں جان نے سخت لہجے میں کہا۔

''اگر آصف اس تقریب میں آئے تو میں بارات کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' ثمرین نے ہٹیلے لہجے میں کہا۔

''فضول باتیں نہ کرو، آج آصف آئے گا اور تم آصف کے ساتھ اس کے گھر جاؤ گی۔'' ماموں جان کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ ثمرین کچھ بول ہی نہ سکی۔

اتنے دنوں کی ضد بحث کے بعد ویسے بھی انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ اس سارے معاملے میں ان کی اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیٹی کا قصور زیادہ تھا۔ نہ وہ آصف کو اس طرح چھوڑ کر میکے آ کر بیٹھتی، نہ آصف کو اس طرح بینا (اس کی دوسری بیوی) کے ساتھ گھومنے پھرنے کا موقع ملتا اور وہ اس سے شادی کرتا۔

اتفاق سے ایک دن بینا کا فون آیا تھا اور وہ فون علی نے ریسیو کیا اور پھر جس طرح وہ روئی، گڑگڑائی تو علی ایکدم ہی موم ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے طور پر دریافت کیا تو پتا چلا کہ واقعی وہ بے سہارا لڑکی ہے۔ علی نے ماموں جان اور ممانی جان کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا۔ پھر آصف کی طرف سے عارف اور ان کی والدہ نے بھی یہ ذمہ داری قبول کی تھی کہ وہ لڑکی الگ رہے گی اور وہ ہر صورت میں ثمرین اور بچوں کا ساتھ دیں گے۔ علی اور ماموں جان آصف کو کارڈ دے چکے تھے اور اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ ضرور آئے گا۔

''بیٹا! ہم سب تمہارے منتظر رہیں گے۔'' ماموں جان نے چلتے وقت بڑی لجاجت سے کہا تھا۔

''آصف بھائی جب تک آپ نہیں آئیں گے، بارات روانہ نہیں ہو گی۔'' علی نے بھی چلتے چلتے اصرار کیا۔

''میرا خیال ہے، اب چلنا چاہیے، کافی دیر ہو چکی ہے، آصف بھائی کا آنا مشکل ہے۔'' عارف نے قدرے مایوسی سے کہا۔

عارف کے اس جملے پر مہرین نے بے اختیار ثمرین کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا تھا۔

''ابھی تو عارفہ بھی نہیں آئی، اس کے بغیر بھی تو بارات نہیں جا سکتی۔'' ماموں جان نے علی کے دل کی بات کہی تو علی دھیرے سے مسکرا دیا۔

☆.....☆

کچھ دنوں پہلے ہی کی بات تھی۔ وہ رات کا کھانا کھا کر سونے کی تیاری کر رہا تھا تو عارف کا فون آیا تھا۔

''زہے نصیب لگتا ہے، خوش قسمتی نے میرے گھر کے دروازے پر دستک دے ہی دی۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''علی اگر میں تم سے شادی نہ کروں تو.....'' اس نے فوراً ہی جیسے اس کے سر پر بم کا دھماکہ کر دیا۔

''تو میں بھی شادی نہیں کروں گا۔'' وہ بے اختیار جواب میں بولا۔

''اور اگر میں یہ کہوں کہ میں ثاقب کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔'' عارفہ نے اٹک اٹک کر بڑی مشکل سے اپنی بات کو مکمل کیا۔

''تو.....پھر.....'' وہ جیسے آسمان سے زمین پر آ گرا۔

''علی مجھے ثاقب کے ساتھ ہی رہنا ہو گا۔ اس کے بچوں کو ماں کی ضرورت ہے اور میں.....مدر فاؤنڈیشن کی چیئر پرسن ہوں۔ میں اس کے بچوں کو بے سہارا نہیں چھوڑ سکتی، میں نہیں چاہتی کہ اس کے بچے اس کی طرح کمزور اور بزدل بن جائیں۔'' وہ بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اپنا فیصلہ سنا رہی تھی۔

''مجھے معلوم تھا۔ ایسا ہی ہو گا۔ مجھے تم سے یہی امید تھی مگر میں حیران ہوں تم نے یہ فیصلہ کرنے میں اتنے دن کیوں لگا دیے۔'' وہ اپنے آپ کو بہت مضبوط اور نارمل ظاہر کر رہا تھا لیکن اس کا پورا وجود جیسے زلزلے کی زد میں تھا۔

''ہر فیصلہ کرنا آسان نہیں ہوتا اور بعض فیصلے کرتے ہوئے جان سے گزرنا پڑتا ہے۔'' عارفہ نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

''تم اپنے فیصلے پر خوش تو ہو ناں؟'' اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پا کر یہ جملہ ادا کیا۔

''ہاں میں بہت خوش ہوں۔'' اس نے یہ کہہ کر فوراً ہی فون بند کر دیا۔

ایمان کو سینے سے لگا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، وہ اسے بتا ہی نہیں سکتی تھی کہ اس نے کیا کھویا اور کیا پانے کی کوشش کی ہے۔ اس معاشرے میں عورت محبت کے بغیر تو زندہ رہ سکتی ہے لیکن عزت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اور ثاقب کے ساتھ رہنے میں اسے کچھ بھی نہ ملتا، لیکن عزت ضرور مل جاتی۔

علی فون رکھ کر گھر سے نکلا اور چند لمحوں بعد ہی وہ اس کے گھر میں تھا۔ ''میرا خیال ہے تم خوشی کے مارے اس طرح رو رہی ہو۔'' وہ اس کی آنسوؤں سے بھیگی آنکھیں دیکھ کر بولا۔

''میں خوش ہوں۔'' یہ جملہ کہتے ہوئے وہ جیسے اندر سے ہولناک ہو گئی۔ ''ثاقب کینیڈا جا رہے ہیں۔ وہ اپنا سب کچھ وائنڈ اپ کر کے پاکستان آئیں گے پھر انشاء اللہ ہم دوبارہ نئی زندگی کا آغاز کریں گے لیکن اس سے پہلے میں اپنے اندر کی ساری گھٹن اور ساری کثافتوں کو دھونا چاہتی ہوں تاکہ میری نئی زندگی کا آغاز پاک، صاف اور شفاف دل کے ساتھ ہو۔'' اس نے بے حد مضبوط لہجے میں کہا۔

علی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''علی، میری ایک بات مانو گے؟'' چند لمحوں کی ناقابلِ برداشت، کرب ناک خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' اس کی آنکھوں سے جیسے خون چھلکنے لگا۔

چند لمحوں تک وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے جیسے اب ان کے درمیان کہنے کے لیے کچھ بھی نہ رہا ہو اور یہ چند لمحے ان دونوں نے پل صراط پر سفر کرتے ہوئے گزارے، جو پل سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز تھا۔

''امی.....آپ.....پھر رو رہی ہیں؟'' ایمان اسے پکارتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے ایمان کو گود میں اٹھا لیا۔ ''میری بچی، میری بچی، میری جان میں رو نہیں رہی تھی۔ میں تو تمہارے انکل کو سمجھا رہی تھی کہ رونا بری بات ہے۔ انہیں بھی رونا نہیں چاہیے اور انہیں بہت بہادر بننا چاہیے۔'' عارفہ نے ایمان کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

''امی انکل کیوں رو رہے ہیں؟ وہ تو اتنے بڑے ہیں اور بڑے لوگ تو نہیں روتے۔'' ایمان نے حیرانی سے علی کو دیکھا، جس کی سرخ آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

''بیٹا تمہارے انکل بہت اچھے انسان ہیں اور انشاء اللہ وہ بڑا بن کر بھی دکھائیں گے۔''

''مجھے بچوں کی طرح مت بہلاؤ۔ میں بڑا آدمی نہیں ہوں۔ میں بہت چھوٹا اور کم ظرف انسان ہوں۔ بس میرے لیے دعا کرنا خدا مجھے سکون دے دے۔'' علی یہ کہہ کر اس کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

''تم یہی کہتے تھے نا کہ تم مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہو۔''

''اگر میں شادی نہ کروں تو تم خوش نہیں رہ سکتیں کیا؟'' علی نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

''کبھی بھی نہیں۔'' اس کی آنکھیں سچائی کا اظہار کر رہی تھیں۔

''پھر تو میں ضرور شادی کروں گا تاکہ تم خوش رہو۔'' علی نے آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کو دل میں اتارتے ہوئے کہا۔

رات کی تاریکی میں، جب وہ عارفہ کے گھر سے واپس آ رہا تھا تو اسے لگ رہا تھا کہ اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تاریکی مزید گہری ہو گئی اور اس تاریکی نے اس کا سب کچھ اپنے اندر نگل لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

☆......☆

"...دیجی، آصف تو آ گئے۔" آصف کو اپنی والدہ کے ساتھ آتے دیکھ کر ماموں جان کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

ثمرین کے چہرے پر ناقابل بیان خوشی کا عکس لہرانے لگا۔ آصف بے حد خاموش تھے۔ ماموں جان نے آگے بڑھ کر بڑی اپنائیت سے اسے گلے لگالیا۔

"خدا تمہیں خوش رکھے، تم نے میری بات کا مان رکھ لیا۔ آج تمہارے آنے سے میں جتنا خوش ہوں، تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔" ماموں جان، یہ کہتے کہتے رونے لگے۔

"میرا خیال ہے، عارفہ سیدھی ہال میں ہی جائے گی۔" ممانی جان نے آصف کے آتے ہی جلدی جلدی کا شور مچا دیا۔

ان کا دل اب بھی عارفہ کی طرف سے صاف نہیں تھا۔

"اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ بارات لے کر جائے گی۔" ماموں جان کو یقین تھا، عارفہ ضرور آئے گی۔

چند لمحوں بعد ہی جب عارفہ ثاقب اور تینوں بچوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو ماموں جان جیسے دوبارہ زندہ ہو گئے۔

"مجھے معلوم تھا میری بیٹی کبھی وعدہ خلافی نہیں کرے گی۔" ماموں جان کی آواز خوشی سے لرز رہی تھی۔

☆......☆

وہ دلہن بنی اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ اس کا حسن حوروں کو بھی شرما رہا تھا۔ پوری محفل میں اس کے حسن کی چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ محفل میں ہر شخص کی زبان پر اس کی تعریف تھی۔ "ماشاءاللہ سے دلہن بہت حسین ہے۔"

ممانی جان کو سب ہی مبارک باد دیتے ہوئے یہ جملہ ضرور کہہ رہے تھے لیکن وہ بہت خاموش اور اداس تھیں۔ انہوں نے ایسا کب چاہا تھا کہ ان کے اکلوتے بیٹے کی بیوی طلاق یافتہ ہو لیکن ہونی تو ہو کر رہتی ہے، اسے کون روک سکتا ہے۔ علی نے وفا کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا تھا لیکن عارفہ کے کہنے پر جب اس نے شادی کے لیے حامی بھری تو اسے وہ خاموش خاموش اداس سی لڑکی کا خیال آیا، جس کے سراپے میں اسے عارفہ کی شباہت محسوس ہوتی تھی۔ وہی اداسی، وہی حزن اور وہی مر مٹنے کا جذبہ......! اور جس کی مسکراہٹ بے حد دلکش تھی۔

"ممانی جان آپ چراغ لے کر بھی ڈھونڈتیں تو بھی آپ کو اس سے زیادہ حسین بہو نہ ملتی۔ دیکھیں، آپ کا بیٹا اور بہو کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔" عارفہ نے وفا کے قریب کھڑی ممانی جان کو گلے لگا کر مبارک باد دی۔

وفا نے کن انکھیوں سے اپنے پہلو میں بیٹھے علی کو دیکھا اور اس کا دل جیسے خوشی اور مسرت کے جذبے سے لبریز ہو گیا۔

"اتنا خوب صورت، اتنا ہینڈسم اور اتنا پیارا انسان، اس کے لیے اللہ کا انعام!!

"اتنے غور سے نہ دیکھو، مجھے نظر لگ جائے گی۔" علی نے اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

وہ سر جھکا کر ہنس دی اور سامنے صوفے پر بیٹھی مسز صابر کی آنکھیں آنسوؤں سے چمکنے لگیں۔ انہیں لگا جیسے

ہودیا......منفرد غذائی پودا

دوا ساز اداروں کے تجربات کی زد میں اب "ہودیا گورڈنل" نامی ایسا پودا ہے جس کی شاخیں انسانی انگلیوں سے مشابہ ہوتی ہے۔ یہ اس لیے بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ اس پر پھول بھی لگتے ہیں اور یہ صحرائی پودا انسانی رنگت سے مشابہ ہے۔ دوا ساز اداروں نے انکشاف کیا کہ اس پودے میں ایسے اجزاء موجود ہیں جو جسم کی زائد چربی گھلانے کی زبردست قوت رکھتے ہیں اور نباتاتی ماہرین اس ...ے میں موجود "سالمے" کو دوا میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس سالمے کو تحقیق کاروں نے "پی۔57" کا نام دیا ہے۔ ...ہنمندان تا حال صرف یہ معلوم کر پائے ہیں کہ خشک ہودیا کا خالص سفوف ایک دن میں دو ہزار کیلوریز فراہم کر سکتا ہے، جس سے بھوک ...کی واقع ہوتی ہے اور یہ گلوکوز سے دس گنا زائد طاقت ور ہے۔ اس پودے کی فیملی میں تیس اقسام زیر تجربہ ہیں۔

...ر صاحب ان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئے۔

"اب تو خوش ہو نا، اب تو تمہارے سارے دکھ ختم ہو گئے۔" انہیں جیسے ان کی سرگوشی محسوس ہوئی۔

"کیا واقعی سارے دکھ ختم ہو گئے؟" انہوں نے خود سے پوچھا۔ دکھ بھی بھلا ختم ہو سکتے ہیں۔ دکھوں اور ...انوں کا رشتہ تو ازل سے ہے اور سب سے بڑا دکھ تو بے یقینی کا دکھ ہے۔

نارسائی کا دکھ ہے۔

خسارے کا دکھ ہے۔ چاروں طرف شکوک و شبہات کے پردے پڑے ہیں۔ اس کو پہچاننا بڑا مشکل ہے اور ...یہ تو سب سے بڑا دکھ ہے۔

وہ خوشیوں کی جگمگاتی محفل میں بھی یہ سوچ کر بہت اداس ہو گئی تھیں۔

"بہت بہت مبارک ہو۔" عارفہ نے ثاقب کے ہمراہ اس کے قریب آ کر اسے مبارک باد دی۔

"شکریہ۔" علی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"وفا تم بہت خوش قسمت ہو۔ علی بہت اچھا اور پیارا انسان ہے۔" عارفہ نے وفا کو گلے لگا کر پیار کیا۔

عارفہ کے اس جملے پر علی نے نہ چاہتے ہوئے بھی غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر کیا رقم تھا ...اسے لگا، جیسے ہال کی ساری روشنیاں بجھ گئیں۔ اس کے چاروں طرف سناٹے گونجنے لگے۔

...میں جانتا ہوں۔ تم اپنے آپ کو کتنا خوش ظاہر کر رہی ہو لیکن تمہیں نہیں معلوم، تمہاری آنکھوں کی اداسی، ...ساری مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہی۔ مجھے معلوم ہے تم کتنی بے چین اور مضطرب ہو اور اس وقت تم ضبط کی ...ان کڑی منزلوں سے گزر رہی ہو لیکن میں جانتا ہوں، تم بہت جلد اس امتحان سے بھی گزر جاؤ گی کہ تمہارے ...ں یقین کی وہ طاقت ہے جو ہر اشک کو ستارہ بنانے کا ہنر رکھتی ہے۔ واقعی تم عارفہ ہو!! تم نے سب کچھ پالیا، ...لیے کہ تم نے اسے پالیا کہ جسے پانے کے بعد انسان کچھ نہیں کھوتا......لیکن......میں کیا کروں...... مجھے کیسے ...ن ملے گا......؟ میرا اضطراب کیسے کم ہوگا...... مجھے کیسے چین آئے گا......" علی نے سوچتے سوچتے آنکھوں میں ...نے والی نمی کو دل میں اتار لیا اور وفا کی طرف مسکرا کے دیکھنے لگا اور اسے ہنستا مسکراتا دیکھ کر محفل میں موجود ہر ...یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ وفا جیسی حسین بیوی پا کر بہت خوش ہے۔

......ختم شد......

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رنگِ افسانہ

ناصر رضا

ماسک

اُس رات فوڈ میلہ میں زندگی، روشنی، خوشبو، خوب صورتی اور انواع واقسام کے رزق کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تھا، اگر نہیں تھی تو وہ بھوک اور غربت...... اور ہاں یاد آیا، وہاں مختلف جانوروں کا ماسک پہنے بچوں کا دل بہلانے کے لیے، کچھ کیریکٹر......

زندگی کی سچی تصویر، ناصر رضا کی طرف سے توشہ خاص

وقت کی تیز دھوپ میں زندگی کی برف
ی جارہی ہے اور میں اس لمحۂ موجود میں بیٹھا،
مر کا حساب کرتا ہوں تو خسارہ ہی خسارہ نظر آ رہا
۔ مجھے یہ احساس بہت شدت کے ساتھ پریشان
پشیمان کررہا ہے کہ میں بس اپنی زندگی جی رہا
ں دن رات اپنی بیوی بچوں کی زندگی آسان اور
سائش کرنے کی دوڑ میں مصروف ہوں اور ایسا
ف ہوں کہ کسی اور کے دکھ اور ضرورت کی
ل نظر ہی نہیں جاتی اور اگر کوئی خود سے نظروں
سامنے آ کر مجسم سوال بن بھی جائے تو میں اس
مدد اس لیے نہیں کرسکتا کہ میں تو خود اپنے گھر،
ی بچوں اور اپنی ذات کے حوالے سے بے شمار
ورتوں اور مسائل میں الجھا بلکہ یوں کہنا بہتر
گہ جکڑا ہوا ہوں۔ یہ بات، یہ احساس ویسے تو
ن عرصے سے میرے دل میں کنڈلی مار کے بیٹھا
لیکن سوا اُس رات ہوگیا تھا جب میں اپنی بڑی
ی کی سالگرہ پر اپنی بیوی اور بڑی، چھوٹی دونوں
ں کو ڈنر کرانے فوڈ میلہ لے گیا تھا۔

اُس رات فوڈ میلہ میں زندگی، روشنی، خوشبو،
صورتی اور بے تحاشا انواع واقسام کے رزق کے
ہ اور بھی بہت کچھ تھا اگر نہیں تھی تو وہ بھوک اور
بت...... اور ہاں یاد آیا، وہاں مختلف جانوروں کا
سک پہنے بچوں کا دل بہلانے کے لیے، کچھ
یکٹر بھی موجود تھے۔ اُن میں سے ایک چوہے کا
سک پہنے، میری ٹیبل کے قریب دوسری ٹیبل کی
سیوں پر موجود فیملی کے دو معصوم بچوں کو ناچ کر
نے کی کوشش کررہا تھا کیونکہ وہ دونوں بچے
وں چوں چاچا، گھڑی میں چوہا ناچا" گا رہے
ے۔

میری بیوی اور بیٹیاں ہی نہیں، وہاں موجود اور
لوگ، اس چوہے کا ماسک پہنے ہوئے شخص کا مضحکہ خیز ناچ بہت دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ میری بیوی نے تو، جو نہایت کفایت شعار ہے اور مجھے مہینے کے تیس دنوں میں سے پچیس دن، مہنگائی کا زبانی رونا سناتی ہے، اس نے اپنے پرس میں سے دس روپے نکال کر، اس چوہے کا ماسک پہنے ہوئے شخص کو دیے تھے۔ یہ دس روپے میری بیوی نے اسے بطور انعام دیے تھے یا پھر بطور خیرات، وہ بھی اس امید پر کہ یہاں ایک کی خیرات کرو، وہاں دس ملیں گے۔ یہ بات بس میری بیوی جانتی تھی یا پھر وہ، جو دلوں کے حال جانتا ہے۔

مجھے گرمی بہت لگتی ہے اور اس رات بھی گرمی تھی۔ فوڈ میلہ کے اوپن ایئر ماحول میں بھی گرمی ہونے کی وجہ وہ حبس تھا، جو اب میرے دل میں بھی یہ سوچ کر بڑھتا جا رہا تھا کہ اس ماسک پہنے ہوئے آدمی کو کتنی گرمی لگ رہی ہوگی۔

کچھ دیر بعد، اس چوہے کا ماسک پہنے ہوئے شخص نے ناچنا بند کردیا تھا۔ اس کا ناچ دیکھنے والے فوراً ہی اپنی باتوں اور کھانے میں مشغول ہوگئے تھے۔ وہ چوہے کے ماسک والا، کچھ فاصلے پر ایک کونے میں جا بیٹھا تھا، شاید تھک گیا تھا۔ میں بھی اس کے پاس جا پہنچا تھا۔ میرے ہاتھ میں خالی پلیٹ تھی۔ میں فوڈ میلہ کی 52 ڈشوں میں سے کسی بھی کھانے سے پہلے اس پلیٹ اور پھر اس پیٹ کو بھر سکتا تھا لیکن میں پلیٹ میں کھانا لینے کی بجائے، اس چوہے کے ماسک والے شخص کے پاس ایک عجیب خواہش لے کر پہنچ گیا تھا۔

"سنو، ذرا یہ چوہے والا اتار کر اپنا چہرہ تو دکھاؤ، بس ایک جھلک۔" میں نے دس روپے کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

اُس نے ایک جھٹکے سے اپنا، وہ چوہے والا ماسک اپنے چہرے، اپنے جسم سے جدا کردیا تھا۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دراصل دیکھنا یہ چاہتا تھا کہ اس گرمی اور حبس کے عالم میں چوہے والا ماسک پہنے اس کے چہرے کا کیا حال ہوا ہے۔ لیکن میں تو اس چوہے کے ماسک سے محروم شخص کو دیکھ کر سر سے پیر تک بہت اندر تک جیسے پسینے سے نہا گیا تھا۔ اس شخص کی عمر کچھ نہ سہی تو اسی برس کے قریب ضرور تھی، وہ خالی خالی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا..... میں خالی دل اور خالی پلیٹ کے ساتھ اپنی ٹیبل پر یعنی زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا۔

☆.....☆

چوہے کا ماسک پہن کر فوڈ میلہ میں بچوں کا دل بہلانے والے اُس شخص کا نام خدا بخش تھا۔ اس کی عمر اسی برس سے بس دو سال ہی کم تھی..... روز بعد میرے بلانے پر میرے دفتر آیا تھا اور بتایا تھا کہ.....!

''میرا جوان اکلوتا بیٹا میرا گھر چلاتا تھا۔ میری بیوی، میری بہو اور اس کے تین بچے ہم سکون اور آرام سے تھے کہ میرے بیٹے کو مجھ پہلے موت آ گئی تو میں بھی زندہ ہونے کے باو زندہ نہیں رہا تھا لیکن بیٹے کی موت کے غم میں اپنی بیوی، بیٹے کی لاچار بیوہ اور اس کے بچوں لیے میں پھر زندگی کا حق ادا کرنے اور وقت حالا سے لڑنے کے لیے زندہ ہو گیا ہوں۔ دن میں بچ کے ایک اسکول میں چوکیداری اور رات کو یہ ماسک پہن کر بچوں کا دل بہلاتا ہوں۔''

یہ سب جاننے کے بعد میں نے اپنے دل میں یہ پکا فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنی ہر ماہ کی تنخواہ میں سے کچھ نہ کچھ خدا بخش کو ضرور دوں گا، وقت اور حالا سے لڑی جانے والی اُس کی جنگ میں اس کی مدد ضرور کروں گا..... لیکن تین ماہ گزر گئے، دل کی با دل میں ہی رہی..... بجلی کا زیادہ بل، ٹی وی کی خرا بیگم کی طبیعت اور کچھ نہ کچھ ایسا ہوا کہ، میں گویا بے ہی ہو گیا، سو میں نے خود پر بہت لعنت ملامت کی، ہی دل میں بہت شرمندہ اور ذلیل ہوا اور پھر بازا جا کر ایک ماسک خرید لایا۔

اس دورِ پرآشوب میں، میں وقت اور حالا کے ہاتھوں بہت مجبور ہوں، لیکن اس مجبوری باوجود میں نے یہ کام ضرور کیا ہے کہ بازار سے خر ہوا ایک شیر کا ماسک، فوڈ میلہ جا کر خدا بخش کو آیا ہوں۔ زندگی کے جنگل میں وہ اسی برس کا بو خدا بخش ایک شیر ہی تو ٹھہرا..... اور میں؟؟؟

فہیم شناس کاظمی

کا شعری مجموعہ

''خواب سے باہر''

منظر عام پر آگیا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رنگ فسانہ

بشریٰ سعید احمد

بونا

ہم اپنے اردگرد کے حالات سے بے خبر ایک دوسرے میں گم تھے۔ ہمارے درمیان نہ سرحدیں آئیں اور نہ مذہب کی دیوار..... بندیا نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ میری خاطر اسلام قبول کرے گی اور میرے ساتھ مغربی پاکستان چلی جائے گی۔ اُن ہی دنوں ایک رات.....

بیتے دنوں کی کسک لیے، ایک یادگار افسانہ

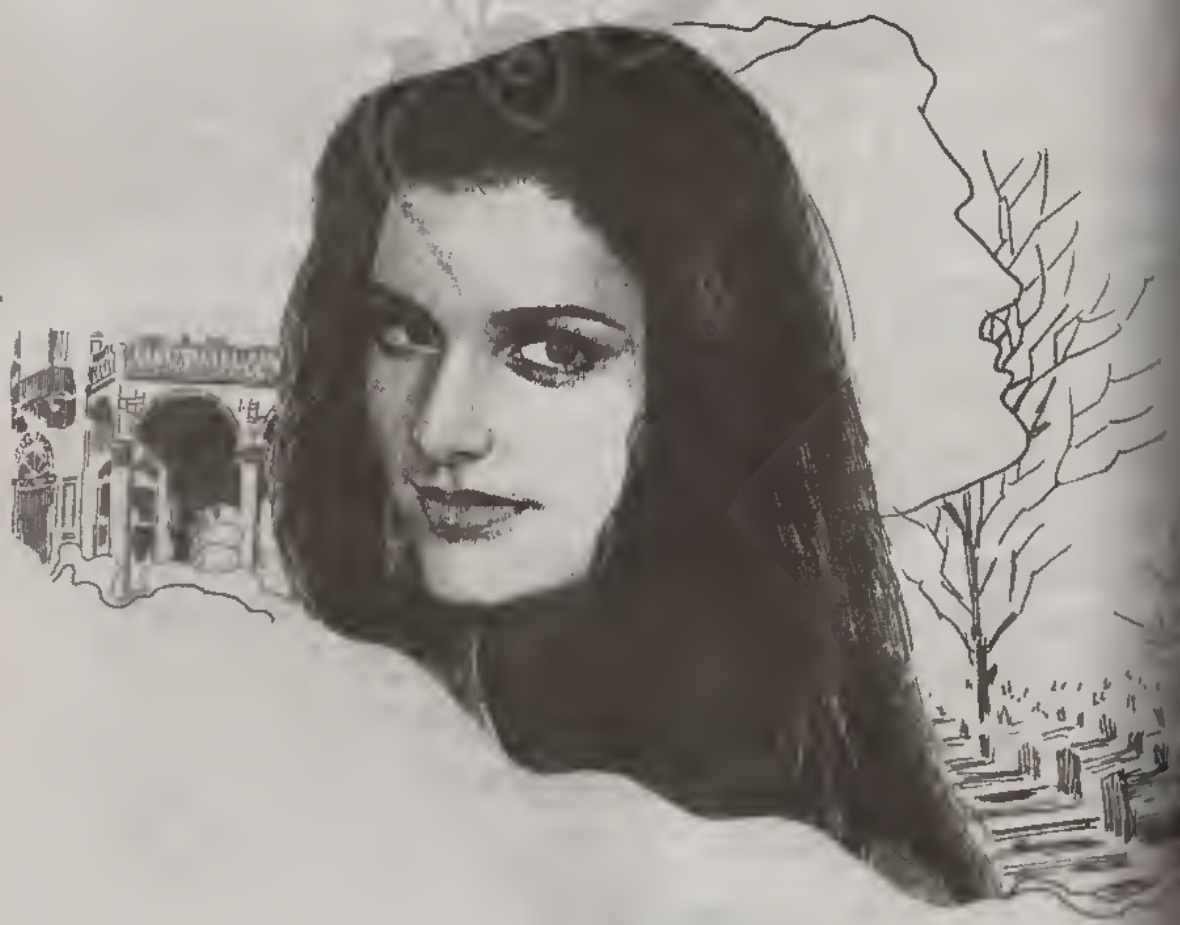

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرکاری پروانہ میرے ہاتھ میں آیا تو ہزاروں پریشانیاں بھی اپنے ساتھ لایا۔ تبادلہ تو لاہور سے فیصل آباد ہو رہا ہو یا کراچی سے حیدر آباد...... تو بھی اچھے بھلے، اپنی جگہ پر جمے ہوئے بندے کو ہلا دیتا ہے لیکن یہاں تو معاملہ پاکستان کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں جانے کا تھا۔ خیر مرتے کیا نہ کرتے، دل پتھر کر کے میں نے اپنا سامان پیک کرنا شروع کیا۔

یہ 70ء کی دہائی کا زمانہ تھا اور مشرقی پاکستان کے حالات دن بدن خراب ہو رہے تھے۔ جب دو بھائی ایک دوسرے سے خوامخواہ کی غلط فہمی کا شکار ہو کر دور ہو جائیں، تو دشمن کو فائدہ اُٹھانے کا موقع مل ہی جاتا ہے۔ یہی حال ہمارا ہوا۔ بھارت، جس نے کبھی پاکستان کو قبول ہی نہ کیا تھا، اِس کے ٹکڑے کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔ اِدھر مغربی پاکستان کے حکمرانوں نے بہت سے معاملات میں مشرقی پاکستان کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا، جس کی وجہ سے وہاں کی عوام میں احساسِ کمتری کا احساس جڑ پکڑ گیا اور یہ احساسِ کمتری بڑھتے بڑھتے ایک ناسور بن گیا اور مشرقی پاکستان کے عوام نے خود کو پاکستان کا حصہ ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ نا صرف یہ بلکہ وہاں موجود مغربی پاکستان اور اردو بولنے والے مسلمانوں پہ عرصہء حیات تنگ کر دیا۔

دوسری بدنصیبی یہ ہوئی کہ چونکہ ہمارا مشرقی پاکستان سے زمینی کوئی رابطہ نہ تھا۔ اِس بات کا ہندوستان نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنے زمینی رابطے کو وہاں کی عوام کے ذہن و دل، یہاں تک کہ رگوں میں اتار دیا اور وہاں کی عوام لاشعوری طور پر ہندوستان کے قریب ہونے لگی۔ عورتیں ہندو عورتوں کی طرح ساڑی باندھتی اور ماتھے پر تلک بھی لگاتی تھیں۔

یہ تھے کچھ مختصر حالات اُس وقت کے، [illegible] میرے تبادلے کا حکم مجھے دیا گیا۔

میں چونکہ ڈاکٹر تھا اور ڈاکٹر بنتے وقت جو [illegible] نے اپنے آپ سے کھائی تھی کہ اپنے فرض کی ادا[illegible] میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا، اُسے توڑ نہ سکا۔

چنانچہ اپنا مختصر سامان سمیٹا اور اللہ کی آس [illegible] ڈھاکہ کے ایک سرکاری اسپتال جا پہنچا۔

☆......☆

اسپتال کیا تھا، ایک قبرستان تھا، جہاں سوا[illegible] چند ٹوٹے پھوٹے بستروں، کرسی اور ٹیبل کے کچھ [illegible] نہ تھا۔ یہاں کی حالت دیکھ کر مجھے لگنے لگا کہ چند [illegible] بعد شاید مجھے علاج کی ضرورت پڑ جائے گی۔

خوش قسمتی سے وہاں ایک عدد کمپاؤنڈر موجود تھا۔ ہم دونوں نے مل کر اسپتال کی حا[illegible] درست کی۔ یہاں کے حالات سُنی سُنائی باتوں [illegible] کہیں زیادہ خراب تھے۔ روز ہی کوئی لاش، کوئی [illegible] ہوا انسان، کوئی لُٹی پٹی عورت اسپتال لائی جاتی [illegible] سڑکوں، بازاروں، گلیوں، محلوں میں موت کا رقص [illegible] ہنوز جاری تھا۔ کبھی کبھار جلوس نکلتے تو بازاروں [illegible] سڑکوں کی خاموشی کو چیرتے ہوئے گزر جاتے تھے [illegible] جلوس کے گزرنے کے بعد ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری ہوتیں۔

کوئی دن ایسا نہ گزرتا، جب شہر کے کسی [illegible] ہول سے، کسی پارک سے، کوئی لاش نہ ملتی ہو۔ لوگ ڈر ڈر کر اور ایک دوسرے کو ڈرا ڈرا کر جی رہے تھے۔

اُن ہی دنوں میرے اسپتال میں ایک سانو[illegible] سی لڑکی، جس کی بڑی بڑی آنکھوں میں ہر وقت [illegible] وحشت اور خوف تیرتا رہتا تھا۔ اپنے بوڑھے باپ [illegible] لے کر آتی، جو ٹی بی کا مریض تھا۔

جب کھانس کھانس کر وہ بے حال ہوتا تو [illegible] کے ساتھ ہی وہ لڑکی بھی بے حال ہو جاتی اور [illegible]

[illegible] کھینچ تان کر بوڑھے کو میرے اسپتال تک لے [illegible] جہاں میں موجود تھا اور دوائیوں میں سے کوئی [illegible] اسے دے دیتا، جس کے استعمال سے وقتی طور بوڑھے کی حالت بہتر ہو جاتی۔

روز روز کی ملاقات کی وجہ سے میں اُس لڑکی [illegible] بارے میں کافی کچھ جان گیا تھا کہ اُس کا نام [illegible] ہے۔ اُس کا دنیا میں باپ کے علاوہ کوئی رشتے [illegible] ہیں ہے۔ بندیا ہندو تھی۔ کچھ عرصہ پہلے اُس کے [illegible] کی شہر میں ایک پرچون کی دکان تھی جو فسادات [illegible] مل گئی۔ بندیا کسی اسپتال میں نرس تھی اور دونوں [illegible] بٹی زندگی کی گاڑی کھینچ رہے تھے۔

[illegible] باپ کی بگڑتی حالت دیکھ کر بندیا کا رو رو کر بُرا حال [illegible] تا۔ باپ ہی اُس کی زمین تھی اور باپ ہی آسمان۔

[illegible] بندیا کے آنسو پونچھتے پونچھتے اور اُس سے [illegible] ی کرتے کرتے نہ جانے کب میں اُس سے [illegible] ت کرنے لگا، پتا ہی نہ چلا۔

☆......☆

پوری فضا میں جب آگ اور خون کی بو رچ بسی [illegible] ا۔ اِن حالات میں جب مشرقی اور مغربی [illegible] تان ایک دوسرے سے دور ہونے کے لیے [illegible] پور زور لگا رہے تھے، تب ہی اِن دونوں حصوں [illegible] جڑی محبت کی ایک داستان جنم لینے لگی۔

ہم اپنے اردگرد کے حالات سے بے خبر، ایک [illegible] رے میں گم تھے۔ ہمارے درمیان نہ سرحدیں [illegible] یں اور نہ مذہب کی دیوار...... بندیا نے فیصلہ کر لیا [illegible] ہ وہ میری خاطر اسلام قبول کرے گی اور میرے [illegible] مغربی پاکستان چلی جائے گی۔

اُن ہی دنوں ایک رات بندیا کے باپ نے [illegible] تھوکتے تھوکتے اِس روتی سسکتی زندگی کے منہ پہ [illegible] ب دیا۔

اُس رات پورے شہر میں کرفیو لگا ہوا تھا۔

غزل

زیست کو بے نقاب ہم نے کیا
کام مشکل تھا تاب ہم نے کیا

اَوج بخشا ہے ذات کو تیری
حرف تھا تُو، کتاب ہم نے کیا

ہم نے بخشا شعور ذہنوں کو
سنگ کو آفتاب ہم نے کیا

ایک دنیا ڈبوئی اشکوں سے
خود کو بھی غرقِ آب ہم نے کیا

رہگزارِ وفا کٹھن تھی مگر
خار و خس کو گلاب ہم نے کیا

آپ کا حسن کِس شمار میں تھا
آپ کا انتخاب ہم نے کیا

ہم کو مصلوب کر رہا ہے وہی
جس کو عزت مآب ہم نے کیا

سحر تاب رومانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

1971ء کا سن کیلنڈر پہ نمودار ہو چکا تھا۔ اُس وقت کیلنڈر کے ورق پلٹتے ہوئے کسی نے نہ سوچا ہوگا کہ اِس سال پاکستان کا ایک بازو کاٹ کر الگ کر دیا جائے گا اور دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک ہونے کا اعزاز بھی پاکستان سے چھن جائے گا۔

صبح پو پھٹنے تک بندیا کی آنکھوں کے آنسو نہ تھمے۔ مجھے میرے کمپاؤنڈر نے اِس دردناک خبر کی اطلاع دی۔

ہم دونوں نے مِل کر بندیا کے باپ کا اتم سنسکار کیا۔ اب بندیا کے جینے کی اگر کوئی وجہ تو وہ تھی صرف میں تھا! میری ہی محبت نے اُسے اُمید کی ڈور تھما رکھی تھی۔ میں نے بھی سوچ رکھا تھا کہ جلد ہی بندیا سے شادی کر کے اُسے لے کر واپس مغربی پاکستان چلا جاؤں گا، مگر حالات نے اتنی جلدی سے پلٹنا کھایا کہ سب سوچیں دھری کی دھری ہی رہ گئیں۔

اُدھر ہندوستان نے مشرقی پاکستان میں کھلم کھلا مداخلت شروع کر دی اور مکتی باہنی کے نام سے ایک تنظیم بنائی جس کی قیادت کرنل ریٹائرڈ ایم اے جی عثمانی کر رہا تھا۔ اِس تنظیم کا کام غیر بنگالی اور اردو بولنے والوں کا قتلِ عام تھا اور پھر اس تنظیم نے پوری طاقت کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا اور اِدھر ہمارے حکمرانوں نے بھی جلتی پہ تیل کا کام کیا اور جنرل نیّا خان کو گورنر مشرقی پاکستان بنا کر بھیج دیا گیا جس نے وہاں فوجی آپریشن شروع کر دیا۔

اِس فوجی آپریشن میں جو ہاتھ آیا، گولی کا نشانہ بنا۔ غداروں کے ساتھ محبِ وطن بھی نشانہ بنے اور بہت سے بے گناہ بھی ہلاک ہوئے۔

ہمارے حکمرانوں کی ہمیشہ سے یہ کمزوری رہی ہے کہ جب وقت سوچ سمجھ کر، حالات کو دیکھ کر قدم اُٹھانے کا ہو، قدم پھونک پھونک کر اٹھانے کا ہو تو بغیر سوچ بوجھ کے فوری فیصلہ کرتے ہیں اور ایک پل میں سب ملیامیٹ کر دیتے ہیں لیکن جب فیصلے کا وقت ہو تو اِدھر اُدھر ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں۔

اُس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ مشرقی پاکستان کے عوام جو ہندوستان کے عزائم سے باخبر نہ تھے، اُن کے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کرنے کے بجائے، جارحانہ رویہ اختیار کیا گیا اور مشرقی پاکستان کی عوام جن کے دلوں میں ہندوستان نے پہلے ہی اتحاد، غلط فہمیاں مغربی پاکستان کے خلاف بھر رکھی تھیں ہمارے حکمرانوں نے اُن پہ تصدیق کی مہر لگا دی اور یوں ہندوستان نے بڑی آسانی سے پاکستان کے دو ٹکڑے کر دیے اور اپنے اِس کام کو اندرا گاندھی (اُس وقت کی وزیرِاعظم) نے اِن الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا کہ ”آج ہم نے دو قومی نظریے کو خلیج بنگال میں ڈبو دیا اور مسلمانوں سے سو سالہ حکمرانی کا بدلہ لے لیا۔“

جو کام ہندوستان نے بڑی آسانی سے کر لیا تھا۔ اُس درد کو سہنا پاکستان کے لیے آسان نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج چالیس سال ہونے والے ہیں مگر پھر بھی پاکستان کے اِس زخم سے خون رستا ہی رہتا ہے۔

☆.....☆

اُس رات جب مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے کا اعلان کیا گیا۔ ہندو فوج مشرقی پاکستان میں دندناتی پھر رہی تھی۔ مکتی باہنی تنظیم کے لیڈر، جن میں زیادہ تر ہندو ہی تھے، غیر بنگالی اور اُردو بولنے والوں کا قتلِ عام کر رہے تھے۔ میں نے اور بندیا نے وہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کیا۔

طے یہ پایا کہ بندیا رات ٹھیک بارہ بجے میرے اسپتال سے ملحقہ گول باغ میں آ جائے گی، جہاں میں پہلے ہی اُس کا منتظر ہوں گا لیکن جیسا ہم سوچ لیں ویسا ہی ہو جائے تو شاید دنیا کا ہر انسان خود ہی

خدا بن جائے۔

اُس رات جب ہم اپنی محبت کا ہاتھ تھامے، اپنی منزل کی طرف بڑھنے کی تیاری کر رہے تھے۔ فسادیوں نے میرے اسپتال کو آگ لگا دی۔ میرا کمپاؤنڈر جل گیا جبکہ میں کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگ نکلا۔

سارا شہر سنسان پڑا تھا۔ کہیں کہیں چیخوں کی آوازیں سنائی دیتیں اور کہیں اچانک آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھنے لگتے تھے۔ فسادی آندھی کی طرح آتے اور طوفان کی طرح تباہ و برباد کر کے چلے جاتے۔ ہزاروں لوگ مارے گئے، کاٹے گئے، ہزاروں لڑکیاں اغواء ہوئیں۔ اغواء کرنے والے یہ بھی جاننے کی ضرورت نہ سمجھتے کہ یہ لڑکی بنگالی ہے یا غیر بنگالی۔

آگ سے بچتا بچاتا میں اندھا دھند کھیتوں میں بھاگ رہا تھا کہ اچانک کچے راستے پہ ایک بیل گاڑی میں چند ہندو عورتیں اور مرد بیٹھ کر جاتے ہوئے جا رہے تھے، شاید وہ کسی مندر سے پوجا پاٹ کر کے آ رہے تھے یا کرنے جا رہے تھے۔ بیل گاڑی چلانے والے نے مجھے دیکھ کر ”رام رام بابو جی“ کہا۔

نہ جانے اُس وقت میرا ایمان اتنا کمزور کیسے پڑ گیا کہ اپنی جان بچانے کے لیے میں نے بھی جواب میں ”رام رام“ کہہ دیا۔ صرف یہ بلکہ پوجا کی تھالیوں سے کچھ سیندور زمین پہ گر گیا تھا، جسے میں نے چپکے سے اُٹھا کر اپنے ماتھے پہ تلک کی طرح لگا لیا۔

”کہاں جانا ہے بابو جی۔“ گاڑی بان نے پوچھا۔

اُس پل میں نے سوچا، یہ شاید زندگی مجھے ایک اور موقع دے رہی ہے۔ میں اِن ہندوؤں میں ہندو بن کر کسی محفوظ مقام تک پہنچ جاتا ہوں۔

میں نے فوراً کہا مجھے چھاؤنی تک جانا ہے۔

اُس گاڑی بان نے مجھے چھاؤنی چھوڑ دیا اور خود آگے بڑھ گئے۔

چھاؤنی میں پاکستانی فوج موجود تھی۔ اب یہاں میں پوری طرح محفوظ تھا۔ اُس وقت مجھے بندیا کا خیال آیا، جسے میں نے بارہ بجے گول باغ بلایا تھا۔ ایک پل کو کسی نے میرا دل مٹھی میں جکڑ لیا۔ آگ لگنے کے بعد میں جان بچا کر کھیتوں میں بھاگتا بھاگتا اپنے اسپتال اور گول باغ سے نہ جانے کتنی دور نکل آیا تھا اور اب یہاں چھاؤنی پہنچ کر تو واپس جانا مشکل بلکہ ناممکن تھا۔

بس وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ جس وقت جو جذبہ غالب آ جائے، انسان اُسی جذبے کی دھارا میں بہہ جاتا ہے۔ اُس وقت مجھ پہ جان بچانے کا جذبہ غالب آ گیا۔ اگر اُس وقت محبت کا جذبہ غالب آ جاتا تو میں بندیا تک پہنچنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتا، لیکن موت کے خوف نے مجھے بزدل بنا دیا اور میں یہ کہہ کر اپنے دم توڑتے ضمیر کو تسلی دینے لگا کہ اگر اللہ نے میری حفاظت کی ہے تو بندیا کی بھی کرے گا اور وہ تو ہندو بھی ہے۔ کسی نہ کسی طرح بچ گئی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کرفیو کی وجہ سے وہ گھر سے ہی نہ نکلی ہو۔ اِن بچکانہ تسلیوں سے میں اپنے دل اور ضمیر دونوں کو تھپک تھپک کر سُلانے لگا۔

☆.....☆

پھر کس طرح میں پاکستانی فوج کی مدد سے کراچی پہنچا، یہ ایک الگ کہانی ہے لیکن یہ سب جانتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے والی طاقتوں نے مزید کئی سالوں تک اِن دونوں ملکوں میں امن کی فضا کو جمنے نہ لینے دیا۔

دونوں ملکوں میں آمد و رفت تو اُن دنوں ایسا خواب بن گیا تھا۔ جسے دیکھنے والے کو مجرم سمجھا جاتا تھا۔ دنوں نے گزرتے گزرتے مہینوں اور مہینوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے گزرتے گزرتے سالوں کی شکل اختیار کر لی۔

☆.....☆

زندگی اتنی آسان نہیں ہے، جتنی ہم سمجھ لیتے ہیں اور اتنی مشکل بھی نہیں ہے جتنی ہم بنا دیتے ہیں اور ہر گزرتے پل نے میری زندگی کو مشکل سے مشکل بنا دیا۔

میں بے شک اچھی جاب کر رہا تھا، اچھا گھر تھا، اچھی بیوی تھی، بچے تھے مگر کچھ تو ایسا تھا، جو کہیں نہیں تھا۔ سالوں مجھے اپنے دل کے اِس خالی پن نے ترپایا۔ بات یہ نہیں تھی کہ میں اب بھی بندیا کے ہجر میں تڑپ رہا تھا بلکہ بات یہ تھی کہ وعدہ خلافی کا جو جُرم تیس سال پہلے میں نے کیا تھا۔ اُس نے تیس سالوں سے مجھے کٹہرے میں کھڑا کر رکھا تھا۔

کبھی میرا ضمیر سرکاری وکیل کی طرح جرح کرتا "مائی لارڈ! اِس بزدل انسان نے ایک معصوم اور بے بس اکیلی لڑکی کو اُس رات موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا، اِسے کڑی سے کڑی سزا دیں۔"

کبھی میرا دل وکیلِ صفائی کی طرح اپیل کرتا: "نہیں مائی لارڈ! اِس میں میرے مؤکل کا کوئی قصور نہیں، حالات ہی ایسے تھے کہ میرا مؤکل بے بس ہو گیا تھا۔ اِسے معاف کر دیا جائے۔"

دن رات، صبح شام تنہائی کا جو بھی لمحہ آتا، میرے لیے میدانِ حشر لگ جاتا، جہاں مجھے کھڑا کر کے سنگسار کیا جاتا۔

اِس اذیت سے بچنے کے لیے میں نے خود کو زیادہ سے زیادہ مصروف کر لیا۔ حتی الامکان کوشش کرتا کہ لوگوں کے مجمع میں رہوں، تنہائی میرے لیے عذاب تھی۔ تیس سال کے نوجوان نے جو جُرم کیا تھا، اُس کے لیے ساٹھ سال کے ادھیڑ عمر انسان کو ہر روز پھانسی دی جاتی۔ احساسِ جُرم نے مجھے میری نظروں میں اتنا چھوٹا بنا دیا کہ چھوٹے کا لمبا وجود مجھے ہالشت بھر دکھائی دینے لگا تھا۔

☆.....☆

چند سال پہلے 2001ء کی بات ہے کہ ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے، مجھے بنگلہ دیش سے دعوت نامہ موصول ہوا۔

اِن دنوں، میں ایک نامور ہارٹ سرجن تھا۔ دل کا ایسا ماہر جو اپنے دل کے سامنے بے بس تھا۔

دعوت نامے کو ہاتھوں میں لے کر میں گھنٹوں اُسی طرح گم صم بیٹھا رہا، جیسے برسوں پہلے اپنا ٹرانسفر لیٹر پا کر گم صم ہو گیا تھا۔ تب میں وہاں کے حالات کی وجہ سے وہاں جانے سے خوف زدہ تھا اور اب میں اُس ٹوٹے ہوئے وعدے کی کھرچی ہوئی کرچیوں کی وجہ سے..... جو برسوں پہلے میں نے ایک بے بس لڑکی سے کیا تھا۔

آخر کار میں اپنے ضمیر کے کھینچے پر خود کو گھسیٹتا ہوا تیس سال بعد ڈھاکہ ایئر پورٹ پر اُترا۔ قدم رکھتے ہی پہلا سانس لیا تو دل میں آگ سی لگ گئی۔ قدم اُٹھانے سے بھی اُٹھ نہ رہے تھے اور دل سینے سے نکل کر ڈھاکہ کی سڑکوں پر لوٹ پوٹ ہونے کو بے قرار تھا۔

پانچ چھ دن تک میں کانفرنس میں مصروف رہا۔ اِن پانچ چھ دنوں میں، میں پانچ سو بار گول باغ گیا۔ یوں لگتا تھا، شاید آج بھی بندیا وہاں میرا انتظار کر رہی ہے اور میں ہاتھ جوڑ کر اُس سے اپنی وعدہ خلافی کی معافی مانگ لوں گا اور اپنے ضمیر کی عدالت میں سرخرو ہو جاؤں گا۔

☆.....☆

پاکستان واپس آنے سے تین دن قبل وہ جمعرات کی ایک شام تھی اور میں گول باغ میں بیٹھا، اپنے ضمیر کو پھر سے جھوٹی سچی تسلیاں دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک کسی نے مجھے پکارا:

"ڈاکٹر صاحب!" اور ایک پل کو پوری کائنات میری آنکھوں کی پتلی میں سمٹ آئی۔

بندیا میرے سامنے کھڑی تھی۔ اگرچہ تیس سال پہلے والی بندیا کی شبیہ تک اُس میں نہ تھی، نہ وہ بڑی بڑی آنکھیں اب روشن رہی تھیں اور نہ گلاب کی طرح کھلا ہوا چہرہ اب گلاب رہا تھا مگر میں نے اُسے پہچان لیا، بالکل ویسے ہی، جیسے اُس نے ایک ساٹھ سالہ بوڑھے میں تیس سال کے نوجوان ڈاکٹر عادل کو ڈھونڈ لیا تھا۔ اُسے اپنے سامنے زندہ سلامت دیکھ کر، میں نے خود بخود ہی ضمیر کی لگائی ہوئی تمام ہتھکڑیاں توڑ دیں۔

"بندیا تم ٹھیک ہو۔" میں نے بے تاب ہو کر بندیا کا ہاتھ تھام لیا، جسے بڑی نرمی سے اُس نے میرے ہاتھوں سے چھڑا لیا اور میرے برابر بینچ پر بیٹھ گئی۔

میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں کسی طرح اُس سے اپنے کیے کی معافی مانگ لوں۔ کس طرح گزرا ہوا پل واپس لے آؤں۔

میں نے اُس دن کی ایک ایک بات بتائی کہ کیسے فسادیوں نے میرے اسپتال کو آگ لگا دی اور کیسے میں ہندوؤں میں ہندو بن کر شامل ہوا اور اپنی جان بچا کر یہاں سے زندہ نکل سکا۔ اُس رات کی ایک ایک بات بتائی۔ تمام باتیں سُن کر وہ دھیرے سے بولی۔

"ڈاکٹر صاحب، میں اُس رات گول باغ آئی ہی نہ تھی۔ پورے شہر میں کرفیو لگا تھا اور میں خوف کی وجہ سے گھر سے نہ نکل سکی تھی۔ آپ اپنے آپ کو دوشی مت ٹھہرائیں۔" اور جس طرح وہ خاموشی سے آئی تھی اُسی طرح خاموشی سے چلی گئی۔ میں اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

بہت عرصے سے جو میں انسانوں کی اِس بھیڑ

دوشیزہ ایوارڈ یافتہ مصنفہ
نگہت اعظمی
کے یادگار افسانوں کا مجموعہ، جس کے کردار آپ کے ساتھ ساتھ ہمہ وقت رہتے ہیں۔ ایک ہی فضا میں وہ اور آپ سانس لیتے ہیں۔

آبگینے
شائع ہو چکا ہے
کتاب ملنے کا پتا:
علی میاں پبلیکیشنز ۲۰۔ عزیز مارکیٹ
اردو بازار۔ لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلغوزے ۔ پہاڑی میوہ

چلغوزہ پہاڑوں میں اُگنے والا حیرت انگیز میوہ ہے۔ دنیا کا بہترین قسم کا چلغوزہ کوہِ سلمان پر اور ہندوکش کے پہاڑی سلسلے کے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ کوہِ سلمان کے پہاری سلسلے ژدب کی جانب سے گزرتے ہوئے کوہِ سلمان کے اس مقام پر جہاں دنیا کا بہترین چلغوزہ اور ایشیا کے بہترین قسم کی مونگ پھلی کے جنگلات کا سلسلہ پھیلا نظر آتا ہے۔ یہ علاقہ کوہِ سلمان پر زور ژدب کے قریب واقع ہے۔ کوہِ سلمان کا یہ سلسلہ ہندوکش کے پہاڑی سلسلے سے بلوچستان کے مقام تک جاتا ہے۔ یہ جنگلات بڑی اہمیت کے حامل ہیں، کیوں کہ یہاں چلغوزے کی ایک کثیر پیداوار ہے جس کی نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیا کے کئی ممالک میں بڑی مانگ ہے، جن میں دبئی، مسقط، جدہ، لندن اور اسرائیل وغیرہ شامل ہیں۔ کوہِ سلمان پر پائے جانے والے چلغوزے دنیا کے بہترین چلغوزے ہیں۔

میں خود کو پست قامت سمجھ کر سر جھکا کے چلتا تھا۔ ایک دم سے میرا سر اُٹھ گیا اور میری روح پر رکھا بوجھ آہستہ آہستہ سرکنے لگا۔

☆......☆

واپسی سے ایک دن پہلے میرے میزبانوں نے میری دعوت کا انتظام کیا، جو ڈھاکہ کے ایک سرکاری اسپتال کے لان میں تھی۔

دعوت کے دوران، وہاں بندیا بھی موجود تھی۔ اُسے وہاں دیکھ کر مجھے بڑی حیرانگی ہوئی۔

ڈاکٹر عمر نے ''سسٹر آمنہ'' کہہ کر اُس سے میرا تعارف کروایا اور میں حیران پریشان بندیا کو دیکھنے لگا۔ بندیا میری آنکھوں میں تحریرِ حیرت پڑھ چکی تھی۔

دعوت کے دوران میں نے ڈاکٹر عمر سے کہا کہ یہ تو ہندو ہیں۔'' تب ڈاکٹر عمر بولے۔

''ہاں سسٹر آمنہ پہلے ہندو ہی تھیں لیکن مشرقی پاکستان میں سن 71ء میں ہونے والے فسادات میں ایک رات گول باغ میں چند فسادیوں نے اِن کی عزت تار تار کر دی تھی، صرف زندگی کی ڈور تھی جو جڑی رہ گئی تھی۔ اِس حادثے نے سالوں سسٹر آمنہ کو ایک زندہ لاش بنائے رکھا لیکن وقت تو خود ہی زخم دیتا ہے اور خود ہی مرہم رکھتا ہے، وقت نے آہستہ آہستہ سسٹر آمنہ کے زخم بھی بھر دیے۔ ٹھیک ہونے کے بعد انہوں نے اسلام کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور مسلمان ہوگئیں۔ اب انہوں نے اپنا آپ اسپتال کے مریضوں کے لیے وقف کر دیا ہے۔'' ڈاکٹر عمر اور نہ جانے کیا کیا کہتا رہا لیکن میرے تو لگتا تھا دونوں کانوں میں کسی نے سیسہ پگھلا کر ڈال دیا ہو۔ میرا دل اور دماغ دونوں سُن ہو چکے تھے۔ واپسی کے لیے قدم بڑھایا تو سامنے بندیا کو کھڑے پایا۔

''تم نے اسلام کیوں قبول کیا؟'' بندیا کو دیکھ کر میں نے پوچھا، مجھے میری آواز کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''میں جاننا چاہتی تھی کہ اسلام میں وعدہ خلافی کی کیا سزا ہے، لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے جانا کہ مومن تو وعدہ خلاف ہو ہی نہیں سکتا اور ویسے بھی جو مرد اپنے مذہب، اپنے دین سے وفادار نہ ہو سکا، وہ ایک عورت سے کیا وفا کرے گا۔'' بندیا نے اپنی بات پوری کی اور میری طرف دیکھے بغیر چلی گئی۔

مجھے اُس پل یوں لگا جیسے دنیا کے تمام انسان بہت بلند قامت ہیں اور سب سے بلندی پر تو بندیا تھی اور میں اِن سب میں ایک ''بونا'' نہ جانے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں کتنے ''بونوں'' کا ہاتھ ہوگا۔

رنگِ فسانہ

صاعقہ علی جیلانی

بیس سال بعد

عورت تو قدرت کی ایسی تخلیق ہے، جس کے بنا ہر شے ادھوری ہے، جس کے نہ ہونے سے زندگی کے رنگ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ زندگی کی ہر خواہش اور مرد کے چہرے کی مسکراہٹ عورت کی وجہ سے تکمیل پاتی ہے۔ وہ ماں ہو، بہن ہو یا بیٹی، بہو ہو، اس کا وجود ہر روپ میں......

عورت کی عظمت سے جڑا ایک خیال، افسانے کی صورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیس سال سے میں جس محاذ پر کھڑی ہوں۔ آج تک کبھی اپنا دفاع نہیں کر پائی اور پھر میں نے مورچہ چھوڑ کر اپنی شکست تسلیم کرلی۔ میری زندگی کی لو جیسے بجھ ہی تو چکی تھی۔

میری امیدوں کا واحد مرکز، میرا اکلوتا بیٹا کامل شاہ! زندگی کی کل متاع، آس کا وہ بندھن جسے دیکھ کر میری آنکھوں کی جوت جگمگا جاتی مگر اس نے اپنے باپ کا دوسرا روپ بن کر میری امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا اور یوں فصلِ گل سے پہلے ہی سارے پھول مرجھا گئے، جو بہار کے انتظار میں نکھرنے کے لیے بے قرار تھے۔ انہیں خزاں کے چند جھونکوں نے جڑ سے اکھاڑ دیا۔

بیس سال سے جس کے جوان ہونے کا میں انتظار کررہی تھی۔ اسی انتظار نے مجھے کیا صلہ دیا...... پہلے کیا پیر عبدالخالق شاہ کم تھا عورت کی تذلیل کے لیے کہ کامل شاہ کو اپنے جیسا بنا کر، اپنا محاذ مضبوط کرلیا تھا۔ بیٹا بھی باپ کے نقشِ قدم پر چل کر بڑا نازاں تھا۔

میں نے دکھ سے سوچ کر آنکھیں میچ لی تھی۔ بھلا آنکھیں بند کرنے سے حقیقت بدل سکتی ہے؟

میں نے تو ساری عمر یہی سوچا تھا کہ عمر کی آخری جنگ میں ہی جیتوں گی۔ جب بیٹا جوان ہوگا تو میری ہی زبان بنے گا کیونکہ مجھے اپنی تربیت پر بھروسہ تھا اور یہ بھی تو میری خام خیالی تھی کہ میری ہمیشہ یہ سوچ رہی کہ شاید عمر کے اس حصے میں پیر عبدالخالق شاہ سدھر جائیں اور اولاد تو بڑے بڑوں کو ٹھیک کردیتی ہے مگر یہاں معاملہ الٹا ہوگیا۔ میرا بیٹا مجھے سبق پڑھا رہا تھا۔ باپ کی بجائے مجھے ٹھیک کررہا تھا۔

جس کے باپ نے زندگی بھر میری حق تلفی کی تھی۔ نہ جانے انہیں عورت ذات سے کون سا بیر تھا۔ شاہ جی نے گاؤں میں اسکول بھی اس لیے نہیں بننے دیا کہ لڑکیاں پڑھ کر کیا کریں گی؟ کون سا ان کو ملک چلانا ہے۔

پیر عبدالخالق شاہ گرلز اسکول کا کام رکوا کر بڑا خوش ہوئے تھے۔ کتنے دن وہ مسرور رہے تھے اپنے اس کارنامے پر۔

اس وقت بھی میرے خیالات کا تسلسل باپ بیٹے کی دھواں دار گفتگو نے توڑا تھا، جو کچھ دیر پہلے ہی میرے سامنے والے صوفے پر آکر بیٹھے تھے۔

میں حسبِ عادت نماز پڑھنے والے تخت پر لیٹی رہی۔ جن کے شوخ جملوں نے میرے اوپر جھنجھلاہٹ طاری کردی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میرا دھیان ان دونوں کی گفتگو طرف چلا گیا تھا۔

''کامل شاہ محبت تو بہت ساری لڑکیوں سے کی جاتی ہے مگر شادی کے لیے کسی ایک کا انتخاب کیا جاتا ہے۔'' شاہ جی نے بیٹے کو کسی بات کا جواب دیا۔

اس کا سوال میں سن نہیں سکی تھی۔

''بابا آپ نے کتنے عشق کیے؟'' سوال میں زبان کی چاشنی لہجے سے ٹپک رہی تھی۔

''کوئی گنتی نہیں، کئی حوریں آئیں اور چلی گئیں۔ کوئی ماتمِ عشق ہمارا نہیں تھا۔'' پیر عبدالخالق نے فخر سے کہا۔

''وفا کس کس کے ساتھ کی تھی۔'' بیٹے کے سوال میں بڑی تیزی اور جوش تھا۔

''بیٹا جی ہم نے عورت کو اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ اس کے ساتھ وفا کی جاسکے۔''

میں نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر شاکی نگاہوں سے پیر عبدالخالق شاہ کو دیکھا جو فخر سے اپنے کارنامے کامل شاہ کو سنا رہے تھے اور کامل شاہ نے بھی سر کو ہلا کر باپ کی بات تائید کی تھی۔

میں نے گھور کر کامل شاہ کو دیکھا مگر میری نگاہوں کا اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ ڈھٹائی

سے مسکراتا رہا۔ نہ اسے میری نگاہوں میں شکایت نظر آئی، نہ ہی دکھ۔

کچھ دیر بعد جب شاہ جی کمرے سے چلے گئے میں نے اس کے رویے کو نظر انداز کر کے اپنے مطلب کی بات کی۔

''آج شام مجھے تمہارے ماموں کے گھر جانا ہے۔ کئی دنوں سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور میں کافی دن سے تمہارے فارغ ہونے کا انتظار کررہی تھی۔ پر تمہیں اس بوڑھی پر ترس ہی کب آتا ہے۔''

''ارے اماں! عورت بوڑھی ہونے کے بعد بھی اس قدر میکے شوق سے کیوں جاتی ہے؟''

اس کے بے تکے سوال پر میں گنگ رہ گئی۔ اس سے بات کر کے جیسے میں نے اپنی شامت کو بلایا تھا۔

اس کے ذہن کی کس کس گتھی کو سلجھاتی، جس کے بے حیا سوال نے مجھے دکھی کردیا تھا۔

''عورت کیا انسان نہیں ہوتی یا بڑھاپا رشتے ناتے توڑ دیتا ہے۔'' میں نے گھور کر اسے دیکھا۔

''پتا نہیں۔'' اس نے کندھے اچکا کر لاپروائی سے جواب دیا۔ تب ہی میرا دل چاہا کہ اس نافرمان کے منہ پر ایک نہیں کئی تھپڑ جڑ دوں۔ پر وہ گستاخ ہو چکا تھا۔ کیا پتا میرا ہاتھ ہی روک دیتا۔

اسی خیال نے خود پر ضبط کرنے پر مجبور کیا تھا۔

☆......☆

پھر وہ دن بھی میری زندگی میں جلد ہی آگیا تھا۔ جب کامل شاہ نے باپ کی نافرمانی کر کے اپنی پسند کی دلہن باپ کے سامنے لاکر کھڑی کی تھی۔

''بہو ہے آپ کی، قبول کیجیے اسے۔''

پیر عبدالخالق شاہ کو شدید دھچکا لگا تھا، جس نے زندگی کے کسی لمحے میں سوچا تک نہیں تھا کہ منہ کی کھانی پڑے گی۔ کیا کیا خواب دیکھے تھے۔ انہوں نے بیٹے کی شادی کے اور اسے ہمیشہ یہی باور کرایا تھا کہ خواہ باہر لڑکیوں سے دوستی کرلے لیکن شادی خاندان میں ہی کراؤں گا۔ تیری شادی اتنی دھوم دھام سے کروں گا کہ دنیا دیکھے گی مگر اپنی پسند کی شادی کر کے کامل شاہ نے باپ کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

پیر عبدالخالق شاہ گنگ ہونٹوں سے کتنی دیر دلہن کو دیکھتے رہے۔ صدمے نے بولنے کی ہمت جو چھین لی تھی۔ دکھ ان کے رگ وپے میں سرائیت کر گیا تھا۔ اپنی بے بسی پر شاید پہلی بار ان کی آنکھوں میں نمی آئی تھی۔

عبدالخالق شاہ جی کو سو فیصد امید تھی کہ کوئی بھی فیصلہ انہیں بتائے بغیر نہیں کرے گا۔ ان کے اعتبار کا ملبہ جلد کامل شاہ نے ان کے سامنے بکھیر دیا تھا۔ جو انہوں نے میرے لیے بویا تھا، آج انہیں وہ خود کا شا پڑا تھا۔ میں نے سرد آہ بھر کر لمحے بھر کے لیے سوچا تھا۔

کامل شاہ کی شادی میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی کیونکہ جو اس کی سرگرمیاں تھیں اس کے لحاظ سے بھگا کر شادی کرنا کون سی بڑی بات تھی مگر مجھے اس لڑکی، جو اب میری بہو بن چکی تھی کی فکر تھی۔ مجھے اس روتی بلکتی لڑکی پر ترس بھی آرہا تھا جو اس گھر میں ایک اور راجو بی بی بننے چلی آئی تھی۔

وہ لڑکی کامل شاہ سے محبت کرتی تھی اور اس سے شادی کی خواہش مند بھی تھی مگر اس طرح بھاگ کر نہیں۔ کامل شاہ نے کسی بہانے سے اُسے اپنے پاس بلوایا اور نکاح پر زبردستی رضامند کیا تھا۔

دلہن کتنی دیر تک پیر صاحب کی شفقت کی منتظر رہی پر شاہ جی نے اپنے مان مرتبے کے غرور میں ایک نگاہ بھی اس لڑکی پر ڈالنا گوارہ نہیں کیا۔ تب ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کامل شاہ کو خیال آیا، یہاں ٹھہرنا فضول ہے۔ ابھی تو باپ صدمے کی کیفیت میں ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کی عزت افزائی کردے۔ وہ دلہن کو لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

پیر عبدالخالق شاہ نے دل پر پتھر رکھ کر اس صدمے کو سہا تھا۔

☆......☆

اور پھر کچھ ہی دنوں میں ان کا رویہ کامل شاہ کے ساتھ نارمل ہو گیا تھا۔ اس سے بات کیے بغیر ان کا گزارہ نہیں ہوتا تھا۔ باقاعدہ اب کامل شاہ کو ٹریننگ دی جا رہی تھی کہ بیوی کو کس طرح قابو میں رکھنا ہے اور ان ہدایات پر فوری عمل بھی ہو رہا تھا۔

میری بہو صلح پسند تھی اور خاموش رہنے والی ہے خاموشی تو سو بلا ٹالتی ہے نا۔ میرے ساتھ بھی اس کا رویہ بہت اچھا تھا۔ میرے حصے کی ذمے داری بھی اس نے سنبھال لی تھی۔ نوکرانیوں کے ساتھ مل کر حویلی کی ساری ذمے داریاں بھی وہ خوش اسلوبی سے نبھا رہی تھی۔

ایک عورت ہونے کے ناتے میری تمام تر ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں۔ بھلے میں منہ سے کچھ نہ بولتی تھی مگر اس کی بے عزتی پر میرا دل کڑھتا ضرور تھا۔

کامل شاہ نے جو سلوک اس کے ساتھ روا رکھا تھا، اب تک اس کی قوتِ برداشت ہی تھی، جو وہ ہر بات کو خاموشی سے سہہ رہی تھی۔ پر مجھے ایسا لگتا تھا کہ جب وہ پگھلے گی تو لاوے کی طرح پھٹ پڑے گی۔ وہ جتنی کمزور دکھائی دیتی ہے اتنی ہے نہیں۔

☆......☆

چند دنوں بعد ہی خدشات سچ ثابت ہو گئے۔ جب میں کامل شاہ کی پاٹ دار آواز سن کر اپنے کمرے سے نکلی تھی۔

''عورت کو تھوڑی سی ڈھیل دے دو تو بے لگام گھوڑے کی طرح دوڑتی ہے اور اپنی اوقات بھول کر مرد کا مقابلہ کرنے لگتی ہے۔ پر یہ اس کی بھول ہے، وہ مرد سے جیت نہیں سکتی۔ میں نے تمہیں سو بار منع کیا ہے مت روکا کرو، میرے کاموں سے مجھے۔'' وہ دھاڑ کر بولا تھا۔

''عورت اتنی ہی بے حقیر ہے تو پھر کیوں کرتے ہو سارا سارا دن لڑکیوں سے باتیں، جو بعد میں ہمارے جھگڑے کا سبب بنتی ہیں۔ رہا سوال ہار جیت کا تو میں نے کبھی تم سے مقابلہ نہیں کیا۔ وجہ یہ نہیں ہے کہ تم مضبوط ہو، مرد ہو بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ بس تم خوش رہو، اپنی فتح کے غرور میں۔ کامل شاہ عورت اتنی کمزور اور کم حیثیت بھی نہیں جو تم مردوں نے اس کی حیثیت دو کوڑی کی بنا رکھی ہے۔ ارے عورت تو قربانی کا دوسرا نام ہے۔ عورت تو قدرت کی ایسی تخلیق ہے، جس کے بنا ہر شے ادھوری ہے۔ جس کے نہ ہونے سے زندگی کے رنگ بے معنی رہ جاتے ہیں۔ زندگی کی ہر خواہش اور مرد کے چہرے کی مسکراہٹ عورت کی وجہ سے تکمیل پاتی ہے۔ وہ ماں ہو، بہن ہو یا بیٹی، بہو ہو، اس کا وجود ہر روپ میں خوب صورتی کا احساس ہے۔''

کامل شاہ سکتے کے عالم میں اپنی بیوی کو دیکھے جا رہا تھا۔ نہ جانے اس کے منہ میں زبان کہاں سے آ گئی تھی۔

''اور جیسا کہ سورہ النحل میں خدا نے فرمایا ہے کہ ''اور ہم نے تمہارے لیے تم میں سے یعنی تمہارے جیسے جذبات رکھنے والی بیویاں بنائیں۔'' اور خدا نے حقوق برابر رکھے ہیں اور ہمارے خدا کا بھی فرمان ہے کہ تم میں سے اچھا وہ ہے جس کا اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا سلوک ہو، عورت کی عزت کرنی سیکھنی ہے تو قرآن مجید کا مطالعہ کرو تاکہ تمہیں

حق اور فرض کی بات سمجھ آ سکے اور تم عورت کے مقام کو سمجھ سکو۔

وہ رسان سے اپنی بات ختم کر کے چپ ہو گئی تھی۔

کامل شاہ کا سر خود بہ خود اثبات میں ہل گیا تھا۔ یہ اس کی شعوری کوشش نہیں تھی پر اس کے اندر کے انسان نے اسے اس حقیقت کو ماننے پر مجبور کر دیا تھا۔

پیر عبدالخالق شاہ کے چہرے پر جو کچھ دیر پہلے مسکراہٹ تھی اب وہ معدوم ہو گئی۔ وہ اپنی مسکراہٹ سے کامل شاہ کا حوصلہ بلند کر رہا تھا۔ وہ ایک ٹکٹ میں دو تماشے دیکھنے والا شخص تھا۔ اس وقت کامل شاہ نے اس کی [illegible] شبہ پر بیوی سے جھگڑا کیا تھا۔

کامل شاہ کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا اور پیر عبدالخالق شاہ آج زندگی میں پہلی بار مجھ سے نظریں ملانے سے کترا رہا تھا۔ میں نے پہلی بار اسے شرمسار دیکھا تھا اور آج مجھے لگا تھا۔ یہ میری بہو نہیں بولی ہے۔ بیس سال بعد راجو بی بی کو زبان مل گئی ہے۔ جو میں بیس سال تک نہ کہہ سکی تھی وہ آج میری بہو نے اتنی تھوڑی سی دیر میں کہہ دیا تھا۔ شاید اس نے آج میرا حساب چکا دیا تھا۔

مجھے لگا تھا آنے والے وقت میں یہ لڑکی میرے بیٹے کو سدھار دے گی۔ کیونکہ ہر دور پیر عبدالخالق شاہ کا نہیں ہوتا۔ بیس سال کے بعد ہی کیوں نہ وہ وقت آئے مگر جیت راجو بی بی کی ضرور ہوتی ہے۔

آج ایک اور راجو بی بی نے پیر عبدالخالق شاہ کا دل فتح کیا تھا۔

بیس سال کے بعد اللہ نے میری دعا سن لی تھی۔ میرے لبوں پر مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی۔ جیسے دیکھ کر میری بہو کے لبوں کو بھی مسکراہٹ چھو گئی تھی۔

خود فریبی

میں بس رہا ہوں
عجیب نگری میں بس رہا ہوں
جہاں کی کچی حویلیوں سے
لہو کے چشمے اُبل رہے ہیں
سسک رہے ہیں، بلک رہے ہیں
کہ لوگ سارے ہی خود فریبی میں جل رہے ہیں
میں بس رہا ہوں
عجیب نگری میں بس رہا ہوں
جہاں پہ چہرے لہو سے تر ہیں
وجود سارے بکھر رہے ہیں
نقوش مٹتے ہی جا رہے ہیں
کہ دل میں نشتر اُتر رہے ہیں
میں بس رہا ہوں
عجیب نگری میں بس رہا ہوں
جہاں کا سورج بھی بادلوں میں چھپا ہوا ہے
کہ چاند گرہن میں آ چکا ہے
ستارے سارے ہی بجھ رہے ہیں
کہ گرد چہروں پہ اَٹ چکی ہے
کہ لوگ فردا سے بے خبر ہیں
یہ لوگ ماضی سے کٹ چکے ہیں
میں بس رہا ہوں
عجیب نگری میں بس رہا ہوں
میں بس رہا ہوں

محمد مدنی فدا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرح اسلم قریشی

دل کا دامن سیاہ......

شادی کے دوسال کے چوبیں مہینوں میں آپا بیس مرتبہ میکے آکر بیٹھیں۔ امی اور دادی کچھ کہتیں تو ڈھنائی سے فرماتیں" یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ باپ نہیں رہا تو کیا ہوا، میں ہوں تو اپنے باپ کی ہی اولاد۔ اس گھر پر جتنا حارث، کشف اور مدحت کا حق ہے، اُتنا ہی......

اَنا پرستی کے دکھوں کو سمیٹتی تحریرِ خاص

آپا کی شادی کو ابھی بمشکل ڈیڑھ ماہ ہی ہوا تھا کہ شکوے شکایات کی بھنبھناہٹ شروع ہوگئی۔

''وہ کہتے ہیں، ہر کام کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھا کرو۔'' آپا نے تنک کر دادی کے سامنے رونا رویا۔

''ہاں تو کیا غلط کہتا ہے......؟ بیوی کو ہر کام شوہر کی مرضی سے کرنا چاہیے۔'' دادی نے اطمینان سے کہتے ہوئے کتھے والی انگلی چاٹ کر پاندان پرے کھسکا دیا۔

''خوامخواہ......ہماری امی نے تو کبھی ابو سے ہر کام کے لیے نہیں پوچھا۔

''تجھے کیا پتا؟ تسلیم نے تو ابتداء میں ہی سرِ تسلیم خم کردیا تھا۔ وہ تو دھیرے دھیرے کو آپ فیصلہ کرنے کا استحقاق حاصل ہوا، تو آج اس پوری راجدھانی کی اکلوتی ملکہ ہے میری بہو۔'' اپنی نئی نسل کی بغاوت پر آمادہ پوتی کے مقابلے میں اس وقت انہیں اپنی بہو لاکھ درجہ بہتر نظر آرہی تھی۔

''امی کا نام تو تسلیم تھا، ناں اس لیے انہوں نے سرِ تسلیم خم کردیا مگر میرا نام تمکنت ہے اور تمکنت میں خم نہیں آسکتا۔'' آپا نے ڈھٹائی سے الفاظ چبا چبا کر کہا۔

چاول چنتی مدحت سر جھکا کر ہنس دی۔

''دفع دور......مجال ہے جو ماں کے خون کی پھٹک بھی آئی ہو تیرے اندر۔ بھلا بتاؤ۔ ابھی چار دن نہ ہوئے شادی کو اور بنو چلیں میاں سے بغاوت کرنے۔'' دادی نے آپا کی کمر میں دھمو کا جڑا تو وہ تڑپ کر کھڑی ہوگئیں۔

''لڑکیاں میکے میں جاکر دکھ سکھ کہتی ہیں یہاں تو یہ حق بھی حاصل نہیں۔ ماں ہے تو کچھ سننے کو تیار نہیں۔ دادی ہیں تو الٹا مجھے موردِ الزام ٹھہرا رہی ہیں اور یہ بہن صاحبہ۔ یہ تو کسی قابل ہی نہیں۔ پتا نہیں

کیسے گزارہ کرے گی سسرال میں۔'' آپا کی دہائی اپنی ذات سے شروع ہوکر مدحت کی ذات پر ختم ہوئی اور وہ ہکا بکا چاول کے تھال پر ہاتھ دھرے اِس سارے معاملے میں اپنا قصور تلاش کرتی رہ گئی۔

''خیر......اب تک تو جو کہنا تھا، آپ لوگوں سے کہہ دیا مگر اب میں خود نمٹ لوں گی۔ خالد سے بھی اور اس کے گھر والوں سے بھی۔'' آپا تن فن کرتی پرس اٹھا کر یہ جا اور وہ جا۔ پیچھے دادی اور ماں پکارتی رہ گئیں۔

''یا اللہ! کیسے گزارہ کرے گی، یہ لڑکی۔'' ماں نے اپنا سر پکڑلیا۔

''کرنا پڑے گا۔ جب تک ہم حمایت نہ لیں گے تو پھر کس برتے پر گردن اکڑائے گی۔ ذرا تھوڑے دن صبر رکھ دلہن......دیکھنا اس کے تو اچھے بھی سدھریں گے۔ نالائق، بدتمیز......چار جماعتیں پڑھ کر نسائی فرائض سے ہی نابلد ہوگئی۔'' اپنے زمانے کی آٹھ جماعت پاس اس کی دادی وافر مقدار میں اردو کے ثقیل الفاظ استعمال کررہی تھیں۔

وہ ہونق بنی ان الفاظ کی ہجوں اور معنی میں الجھی ہوئی تھی۔ ''اور تُو......خبردار جو بہن کے نقش قدم پر چلی۔ جہنم کی آگ میں جلیں گی ایسی عورتیں جو شوہروں کی نافرمانی کرتی ہیں اور ماں باپ کا سسرال میں نام بدنام کرتی ہیں۔'' دادی کی توپوں کا رخ اچانک ہی اس کی طرف مڑا تھا اور وہ جو دادی کے استعمال شدہ الفاظ کی ہجوں میں لگی ہوئی تھی، ان کے جھنجھوڑنے پر حواس باختہ سی کھڑی ہوگئی۔

''نن......نہیں دادی...... میں تو کچھ بھی نہیں کروں گی، قسم سے......جو وہ کہیں گے وہی کروں گی۔'' بڑی بڑی آنکھوں میں لبالب آنسو بھرے وہ بے ساختہ بولی تھی۔

دادی نے فوراً ہی اپنی اس فرمانبردار پوتی کی چٹا چٹ کئی بلائیں لے ڈالیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

☆......☆

آپا کے ازدواجی حالات دن بدن بگڑتے ہی چلے گئے۔

شادی کے دو سال کے چوبیس مہینوں میں آپا بیس مرتبہ میکے آکر بیٹھیں۔ امی اور دادی کچھ کہتیں تو وہ ڈھٹائی سے فرماتیں۔

''یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ باپ نہیں رہا تو کیا ہوا، میں ہوں تو اپنے باپ کی ہی اولاد۔ اس گھر پر جتنا حارث، کشف اور مدحت کا حق ہے اتنا ہی میرا بھی ہے۔''

دادی لعن طعن پر اتر آتیں۔ امی برا بھلا کہتیں، آخر میں آپا کے مرنے کی دھمکی پر سب خاموش ہو جاتے۔ یہ تو اب روز کی کہانی ہوگئی تھی۔

مدحت سے ماں کے آنسو برداشت نہ ہوتے تھے، جو بیٹی کا گھر اُجڑنے کے خوف سے بے موسم برسات کی مانند ہمہ وقت برستے رہتے تھے۔ دوسرے مدحت کے سسرال والوں کی نکتہ چینی...... جو تمکنت کے آئے دن میکے آکر بیٹھ جانے پر اس کو سہنا پڑتی تھی۔ خود اس کے لیے بھی باعثِ خفت تھی کہ جانے اس کے سسرال والے اور منگیتر، اس کے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے یا اُسے بھی تمکنت کی طرح ضدی اور جھگڑالو سمجھتے ہوں گے۔

دادی کے سجدے طویل ہوتے جارہے تھے اور امی کی چپ...... بیٹی ذات تھی، گھر سے باہر بھی نہیں کرسکتی تھیں اور اب تو تمکنت ایک بیٹی کی ماں بھی بن چکی تھی۔ وہ بیٹی اور نواسی کی خاطر آئے دن داماد کے سامنے شرمندگی کا اظہار کرتیں۔ انہیں ''آگے یقیناً اچھا ہوگا'' کا عندیہ دیتیں۔

خالد اپنی بیوی سے تو نالاں تھا مگر سسرال والوں سے اسے کوئی شکایت نہ تھی اور کچھ اس کی شرافت بھی تھی جو وہ ہر بار گھٹنے ٹیک کر بیوی کو لے جاتا، مگر یہ سب صورتِ حال تمکنت کے گھر والوں کے لیے بڑی تکلیف دہ تھی۔ خاص طور پر مدحت !! وہ ایسی زندگی سے بے حد خوفزدہ ہو چکی تھی، جو دونوں فریقوں کو زبردستی ایک ساتھ رہنے پر مجبور کردے اور جو ساتھ رہتے ہوئے بھی اُن دو سرحدوں کی مانند ہوں، جہاں ایک سمت سے دوسری سمت کی جانے والی پیش قدمی یا تو کسی غرض پر مشتمل ہو یا نفرت پر۔ جہاں محبت کا اظہار ضرورت کے تحت کیا جائے اور نفرت کے اظہار کے لیے کسی ضرورت کی بھی حاجت نہ ہو۔

وہ اپنی آپا کی ہدایت کے لیے دل سے دعاگو رہتی اور اپنی بہتر ازدواجی زندگی کے لیے خود سے روز ایک نیا عہد کرتی کہ عنقریب اسے بھی اپنی زندگی نئے رخ پر بسر کرنا تھی۔

☆......☆

جلد ہی وہ دن بھی آگیا، جب وہ خوف سے کیے گئے عہد و پیماں دہرائی ولید کی زندگی میں داخل ہوگئی۔

''ولید...... میں سوچ رہی تھی ڈرائنگ روم کی سیٹنگ تبدیل کردوں اگر آپ کہیں تو...... کرلوں......؟''

''مینا خالہ کے بیٹے کے ولیمے میں ساڑی باندھ لوں......؟''

''بہت دن ہوئے کڑی نہیں پکی...... پکا لوں......؟''

''گرمیوں کے سوٹ لانا تھے۔ باجی (نند) کے ساتھ چلی جاؤں......؟''

''کون سا رنگ لوں......؟''

''کیسے سلواؤں......؟''

''نئے سلواؤں یا پرانے چلالوں......؟''

''کیاری میں نئے پودے لگادوں......؟''

یہ وہ چھوٹے بڑے مسائل تھے جن کے حل کے لیے، اُس نے شوہر نامدار کی طرف دیکھنا عبادت سمجھا۔

شادی کیا ہوئی کہ وہ اپنی مرضی سے جینا ہی بھول گئی۔ وہ خود کیا ہے۔ اس کی پسند ناپسند کیا ہے؟ وہ کیا چاہتی ہے؟ اِن سوالوں کو اس نے اپنی زندگی سے ایسے نکال پھینکا جیسے باغبان اپنے باغ کی لمبی عمر اور شادابی کے لیے فضول جھاڑ جھنکار کو جڑ سے اکھاڑ کر باہر کردیتا ہے۔

اس کی دادی اور ماں اس سے بہت خوش تھیں۔ دادی ہر وقت پلو اٹھا کر دعائیں دیتیں۔ امی اس کا حوصلہ بڑھاتیں اور وہ ان دونوں کو مطمئن دیکھ کر آسودہ ہو جاتی، کم از کم اس کی چھوٹی بہن کشف کو تو وہ باتیں نہ سننی پڑیں گی، جو آپا کی وجہ سے مجھے سننا پڑتی ہیں۔ بقول ولید کے وہ ایک چھاپ جو آپا کی وجہ سے ان کے گھرانے پر لگ چکی تھی، وہ ایسی تھی جو زم زم سے دھو کر بھی نہ ہٹے۔

وہ اپنے صلح جُو طرزِ عمل کے باوجود معزز گھرانے کی بیٹی کا اعزاز حاصل نہ کرسکی تھی۔ کہنے کو وہ اپنے سسرال میں اکیلی تھی۔ نہ ساس، نہ سسر، دو نندیں وہ بھی شادی شدہ، ایک جیٹھ جو بیوی بچوں کے ساتھ الگ رہتے تھے مگر کسی کے نہ ہوتے ہوئے بھی ولید اسے جتانا نہیں بھولتا تھا کہ اس کے معزز بہن بھائی کے خیالات مدحت کے گھرانے کے بارے میں کیا ہیں؟ جھگڑالو، بدزبان، بیٹیوں کو شہ دینے والے، بے لگام...... یہ وہ القابات تھے جو ولید کی بہنیں اور بھائی، مدحت کو براہِ راست بھی تمغے کی طرح عطا کرتی رہتی تھیں۔

''اُس کی نادانستگی میں کی جانے والی معمولی سی خطا کو بھی غلط تربیت کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا۔ ولید کسی بات پر ناراض ہوتا اور وہ ناراضگی ختم کرنے کو وضاحت دیتی تو زبان دراز، صفائی پیش کرتی تو ہٹ دھرم، روتی تو ڈرامہ باز، منت سماجت کرتی تو چالباز کہلاتی۔ ولید تو جیسے اسے کوئی رعایت دینے کو تیار ہی نہ تھا۔ آپا کے طرزِ عمل کو مثال بنا کر اس پر بے جا پابندیاں عائد کردی گئیں اور وہ چپ چاپ سہہ گئی۔

سال میں دو مرتبہ میکے جائے گی، اس نے بنا حیل و حجت مان لیا۔ آس پڑوس سے میل ملاپ نہ رکھے گی، اس نے سرِ تسلیم خم کردیا۔ رشتے داروں سے تقریبات میں یا فوتگی میں شرکت کی حد تک ملے گی۔ وہ بلا چوں و چرا ان مان گئی مگر وہ ایک طعنہ، گویا اس کی خوشیوں کا سب سے بڑا دشمن بن چکا تھا اور وہ تھا ''تمہاری آپا کی طرح کی عورتیں'' انہیں ایسا رکھنا چاہیے، ایسے سدھارنا چاہیے، ایسا سلوک کرنا چاہیے۔''

یہ سب سن سن کر اس کے کان پک گئے مگر اس نے دل میں اٹھتے ابال کو کبھی زبان پر لانے کی جرأت نہ کی۔ اس کی زبان پر تالے کیا لگے، اس کے خیالات بے لگام ہو گئے۔ ولید نے آنکھوں کو چار دیواری میں قید کیا کیا، وہ گویا دوربین بن گئیں۔

گھر کی تنہائی میں اردگرد سے ابھرنے والی آوازیں اسے مصروف رکھنے لگیں، بقول ولید وہ اسے زمانے سے دور رکھ کر، اسے زمانے کی ہوا سے بچا رہا تھا تاکہ اس کے آپا کی طرح ''پَر'' نہ نکلیں۔ جب کہ پابندیوں کا زہر اسے زمانے کے وہ داؤ پیچ سکھا رہا تھا جو بغیر پروں کے اُڑنا سکھادے۔

محلے کے ہر گھر کے راز اس کے دروازے کی جھری پر ایسے کھلتے چلے گئے، جیسے پرتوں والے پراٹھوں کی تہیں، بے آواز، نمکین، ذائقہ دار، تربتر، سوندھی سوندھی، ایک نوالہ منہ میں رکھتے ہی دوسرے کی ہڑک پیدا کرنے والے۔ اب اسے ان پابندیوں سے کوئی شکایت نہ رہی تھی۔ یہ پابندیاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی تو تھیں، جن کی بدولت اس کی نگاہوں، سماعتوں اور سوچوں نے نہ جانے کتنے نئے راستے دریافت کر لیے تھے، جن پر ہر روز کی چہل قدمی، اسے مسافت کے بدلے تجربے کی نئی سوغات سونپ دیتی۔

وہ کم بولتی اور بہت سوچتی۔ منظر دیکھے بغیر آوازوں کے ذریعے منظر تخلیق کر لیتی۔ دروازے اور کھڑکی کی جھری سے دور، بہت دور لوگوں کی حرکات وسکنات سے خود سے صورتِ حال ترتیب دے لیتی۔

سچ تو یہ تھا کہ اب اسے حقیقی معنوں میں جینا آ گیا تھا۔ خاموش رہ کر جواب دینا آ گیا تھا۔ نگاہوں سے حقارت کا تاثر دے کر ذلیل کرنا آ گیا تھا۔ دوسروں کو بے وقعت کرنے والوں کو آئینہ دکھانا آ گیا تھا اور وہ سب کچھ آ گیا تھا جو اس کے باعزت سسرال والوں کی خواتین کے نزدیک عورت کا حسن ہوتا ہے، یعنی تھوڑا سا سمجھوتہ اور باقی منافقت۔

ظلم سہہ کر بظاہر خاموشی!!! تابعداری دکھانا اور اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر ایک کی چار سنانا۔ یہ منافقت نہیں تو اور کیا تھا...... مگر اسے یہ سب کچھ آ گیا تھا۔ وہ ہر طرح کے حالات میں ایک معنی خیز چپ کی چادر میں بکل مار کر پڑ جاتی۔

☆......☆

اتوا کا دن تھا۔ اُس کی بڑی نند، نندوئی، جیٹھ، جٹھانی اپنے بچوں کے ساتھ دوپہر سے آئے ہوئے تھے۔ وہ دوپہر کے کھانے کے برتن، باورچی خانے میں دھو کر جوں ہی ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھی تو ولید نے تیوریاں چڑھا کر اسے گھورا۔

''تم ایسے ہی آ گئیں۔ میں تو سمجھا، تم چائے یا کافی بنا رہی ہو؟''

''اچھا! میں ابھی بنا لیتی ہوں۔ وہ سرعت سے اٹھی تھی۔ ''لیکن......'' وہ جاتے جاتے پلٹی۔

''چائے بناؤں یا کافی؟'' وہ ولید سے مخاطب تھی۔

ولید نے دانت پیس کر اسے دیکھا۔

''کس قسم کی عورت ہو تم؟ کبھی کوئی کام اپنی عقل سے بھی کر لیا کرو۔ مہمان بیٹھے ہیں اور مجھ سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا بناؤں؟ ڈیڑھ سال ہو گیا تمہیں تمیز سکھاتے سکھاتے...... کب تک میری انگلی تھام کر چلو گی...... یہ کر لوں...... وہ کر لوں......؟ یہ بھی تو عورتیں ہیں۔'' ولید کا اشارہ اپنی بہن اور بھابی کی طرف تھا۔ ''مجال ہے جو صائمہ یا بھابی نے اپنے شوہروں پر کوئی بوجھ ڈالا ہو۔ ہر کام ایسی سمجھ بوجھ سے کرتی ہیں کہ سب حیران رہ جاتے ہیں۔ ایک تم ہو۔ میرا بوجھ کیا بانٹو گی الٹا میرے اعصاب پر بوجھ بنی ہوئی ہو۔''

مدحت پر گویا گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اتنے مہمانوں کی موجودگی میں وہ سرتاپا عرق ریز ہو گئی۔ ذلت کے احساس نے قدم بڑھانا دوبھر کر دیا تو اس نے مدد طلب نظروں سے ولید کی سمت دیکھا۔ جیسے پوچھنا چاہ رہی ہو کہ بتاؤ مجھے شرم کے پاتال میں اترنا چاہیے یا اذیت کے تحت الثریٰ میں......؟ آج میری یہ مشکل بھی تم ہی آسان کرو۔ ہر کام سدا تم سے ہی پوچھ کر کیا ہے ناں۔''

مگر وہ خاموش کھڑی رہی۔ بہت دیر تک اس نے سب کی شکلیں دیکھیں۔ ولید کے طعنے جاری تھے۔ اس نے صاف محسوس کیا کہ اس کی جٹھانی اور نند دونوں کی آنکھوں میں تمسخر تھا۔ نندوئی بے نیازی سے سر جھکائے اپنے موبائل سے کھیل رہے تھے اور جیٹھ اپنے بھائی کی باتوں پر تائیدی انداز میں سر ہلا رہے تھے۔ اس وقت بھی اس کی خاموشی کے تجربے نے اسے سہارا دے کر کچن تک پہنچایا۔

واپس آئی تو ہاتھوں میں ٹرے تھی۔ جس میں چائے اور کافی دونوں تھیں۔ اس نے نند کے شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں کافی کا مگ پکڑایا۔ جٹھانی نے بھی کافی اٹھالی۔ نندوئی اور جیٹھ ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ وہ ٹرے ان کے قریب لے گئی مگر آگے بڑھائے بغیر نند سے پوچھا۔

''باجی...... الطاف بھائی کو چائے دوں یا کافی......؟'' بلاتوقف جواب آیا تھا۔ ''چائے دے دو۔''

''اور بھائی جان......'' اس نے جٹھانی کی سمت دیکھا، اسی اثناء میں جیٹھ کافی کی طرف ہاتھ بڑھا چکے تھے مگر بھابی کی آواز پر بھائی جان کے ہاتھ کا زاویہ فوراً ہی بدلا تھا۔

''آپ کافی مت پینا۔ آپ کا ویٹ ویسے ہی بڑھ رہا ہے۔''

''یہ لیجیے بھائی جان...... بھابی نے آپ کو اس بوجھ سے بھی آزاد کر ڈالا۔''

اس نے کہتے ہوئے مسکرا کر مگ انہیں پکڑایا تو نہ جانے کیوں ان کی کان کی لوئیں تک سرخ ہو گئیں۔ مدحت کے لہجے میں تمسخر نہیں تھا مگر آنکھوں میں تھا۔

''اب آپ اپنی مرضی سے کپ اٹھا لیں۔'' اس نے ولید سے کہا اور ٹرے میں بچا ہوا آخری کپ اٹھا کر بولی۔

''اگر شوہر کی مرضی کو ترجیح دینا جرم ہے تو یہ جرم میں کرتی رہوں گی۔''

اس کے لہجے کی شگفتگی اور الفاظ دونوں نے ولید کی مردانہ انا کو تقویت بخشی تھی، تب ہی وہ بے ساختہ ہنس دیا، مگر اسے حیرت اس وقت ہوئی جب اس کے دونوں ہم صنف مسکرا بھی نہ سکے، مدحت البتہ ضرور ہنسی تھی۔

غزل

شاخِ پرواز پر نہیں آتے
جن پرندوں کے پر نہیں آتے

آ ہی جاتے ہیں یہ اچانک سے
حادثے پوچھ کر نہیں آتے

جان جاتی ہے اُن کی یادوں میں
جانے والے مگر نہیں آتے

قافلے کیا دکھائی دیں ہم کو
راستے ہی نظر نہیں آتے

جو تمہاری گلی سے ہو آئیں
عمر بھر پھر وہ گھر نہیں آتے

زبیر حسن زبیری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُمِ مریم

لگیسریں اور تقدیریں

اگر یہ بات ناقابلِ برداشت ہوتی تو خدا کبھی اسے جائز قرار نہ دیتا سمیعہ، تم جانتی ہو نا، خدا کسی پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا، پھر ضروری نہیں کہ خدا اپنے بندوں کی ہمیشہ آزمائش ہی کرے، میں نے تمہیں دونوں راستے سمجھا دیے ہیں۔ اب تم سوچ لو.....

زندگی کا ایک رنگ، افسانے کی صورت

زندگی عذاب بن کے رہ گئی ہے۔ اخراجات کسی پہاڑ کی طرح سر پر چڑھے ہوئے ہیں اور آمدنی محدود۔ آئے دن خاندان میں ہونے والی تقریبات میں دینے دلانے، بچوں کے اسکولوں اور ٹیوشنز کی فیسیں، یونیفارم، کتابوں کے خرچے، عید تہواروں پر ہونے والے لمبے لمبے خرچے اور ایک محدود سی صاحب بہادر کی سیکری!! انہیں کیا فرق پڑتا ہے کہ بیوی کیسے دانتوں سے پکڑ پکڑ کر پیسہ خرچ کرتی ہے۔ وہ تو بس مہینے بعد ساری رقم بیوی کے ہاتھ پر دھر کے خود ہر فکر سے آزاد ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، بیوی جانے اور اس کا سر درد۔''

کمرے میں بکھری بچوں کی چیزیں سمیٹتے ہوئے سمیعہ مسلسل بول رہی تھی۔ گاہے بگاہے غصے بھری، قہر آلود نگاہ ریموٹ سے چینل سرچنگ کرتے سرمد پر بھی ڈال لیتی جو کانوں میں گویا کڑوا تیل ڈالے بیٹھا ہوا تھا۔ کسی میوزیکل پروگرام کے چینل کو سلیکٹ کر کے سرمد نے آواز بڑھائی تو سمیعہ کا پارہ کچھ اور چڑھ گیا۔

''کچھ احساس بھی ہے آپ کو؟ یہ دہائی میں آپ کے آگے ہی دے رہی ہوں۔'' اس نے کسی قدر رُخ کر کہتے ہوئے سرمد کے ہاتھ سے ریموٹ چھین لیا تھا۔

''تو کیوں دے رہی ہو؟ پتا ہے نا یہی کمائی ہے میری جو تمہیں دیتا ہوں۔ اپنے اخراجات کو کنٹرول کر لو، چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا سیکھ لو، سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔'' سرمد نے جواباً کسی قدر ناگواری سے کہا اور درشتی سے ریموٹ پھر سے اٹھا لیا، جسے سمیعہ پٹخ چکی تھی۔

''ہاں ہاں دھر دیں الزام مجھ پر۔ اپنی شاہ خرچیاں دیکھی ہیں کبھی؟ مہنگے برانڈ کے سگریٹ پیتے ہیں، ہزاروں روپوں کا ایک سوٹ خریدتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دل کی بھڑاس نکالنے لگی۔

"میں اس وقت لڑائی کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میرا ایک اسٹیٹس ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے میں فقیروں کی طرح اُٹھ کر آفس چلا جایا کروں۔ تمہاری اِسی کل کل کی وجہ سے پچھلے چھ مہینوں سے میں نے اپنا کوئی نیا لباس نہیں خریدا۔ اس نے غصے سے ریموٹ پھینکا۔

سمیعہ جانتی تھی وہ ٹھیک کہہ رہا ہے مگر خاموش ہو کر خود کو غلط ثابت کرنا نہیں چاہتی تھی جب ہی تیزی سے بولی تھی۔

"اگر آپ میری بات مان لیں تو سارے مسئلے چٹکیوں میں حل ہو سکتے ہیں۔ چلے جائیں نا وادی، لے کر آئیں اپنے والدین سے اپنا حصہ جائیداد میں سے۔"

سرمد کے چہرے پر ناگواری شکنوں کی صورت سمٹ آئی۔ "کتنی بار کہہ چکا ہوں، یہ بات مت کہا کرو مجھ سے۔"

"کیوں نہ کہوں؟ آپ کی طرح احمق نہیں ہوں میں کہ جذباتی ہو کر اپنا حق چھوڑ دوں۔" وہ پھنکارنے لگی تو سرمد نے طنزیہ نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔

"تمہارا حق کدھر سے ہو گیا وہ، ہاں؟ وہ میرا حصہ تھا جو والدین کی نافرمانی کے باعث میں کھو چکا ہوں۔" اس نے جیسے جتایا تھا مگر سمیعہ کی ڈھٹائی عروج پر تھی۔

"کون سی نافرمانی؟ پسند کی شادی کوئی جرم نہیں تھا جو آپ کے والدین ہر چیز سے آپ کو دستبردار کر دیں۔"

"میں نے ان کی پسند کی لڑکی کو چھوڑ کر تمہیں اپنایا تھا سمیعہ۔ تم سب کچھ جانتی ہو، وہ میرے سگے چچا کی بیٹی تھی۔ ابھی تک میرے نام پر بیٹھی ہو گی۔ یہ ظلم ہوا ہے اس پر۔" سرمد کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا جس نے سمیعہ کو چونکا دیا۔ اس نے بغور سرمد کو دیکھا پھر طنز سے بولی۔

"پچھتاوا ہو رہا ہے منگیتر کو چھوڑنے کا؟" اس کی کاٹ دار نظروں کے جواب میں سرمد نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

"بہرحال آپ وہاں جائیں گے اور اپنا حصہ بھی وصول کریں گے۔ میں ترس ترس کر جینا پسند نہیں کرتی، سمجھے آپ۔"

"یہ کوئی زبردستی نہیں ہے۔ جب تک میں ایسا نہیں چاہوں گا، تم کچھ نہیں کر سکتیں اور میں ایسا کبھی نہیں چاہوں گا۔ سرمد نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جتایا تھا اور اُٹھ کر ایک جھٹکے سے باہر چلا گیا۔ سمیعہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہونے لگا۔

☆.....☆

"کہیں جا رہے ہیں آپ؟" وہ اندر آئی تو سرمد کو بہت محبت بھرے انداز میں تیار ہوتے دیکھ کر چونک کر سوال کیا۔

"ہاں وادی جا رہا ہوں۔ اماں جی کی طبیعت خراب ہے، مجھے بلوایا ہے۔ دُعا کرنا سب خیریت رہے۔" وہ واقعی پریشان تھا۔ موبائل اور والٹ وغیرہ کوٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔

"اونہہ بہانے ہوتے ہیں یہ ساری ماؤں کے، بہرحال جب جا رہے ہیں تو میرا کام بھی کرتے آیئے گا۔" وہ ناگواری سے بولی۔

سرمد نے تیز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ "تم بھی ماں ہو، اگر تم بہانے کرتی ہو گی تو پھر میری ماں نے بھی کر لیا ہو گا۔" اس کی زبان کی دھار اکثر سرمد کو تکلیف دیا کرتی۔

"میں کہہ کہہ کر تھک گئی مگر آپ پر اثر نہیں ہوا۔ اب کیسے ایک پیغام پر دوڑے چلے جا رہے ہیں۔" اس نے اپنی ناراضگی کی اصل وجہ بتائی۔

سرمد نے دانت پیس کر اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔ "اگر آپ جائیداد میں سے اپنا حصہ لے کر نہ آئے تو یاد رکھیے گا میں نے آپ کو گھر میں گھسنے بھی نہیں دینا ہے۔" وہ اس کے پیچھے کیراج تک آئی تھی۔

سرمد نے اس پر ایک نگاہ بھی نہیں ڈالی اور گاڑی نکال کر لے گیا۔

☆.....☆

جس وقت وہ وادی پہنچا شام اپنے سرمئی پر وادی پر پھیلا چکی تھی۔ سرسبز و شاداب درخت، اونچے بلند پہاڑ، گھٹائیاں ہر شے پر برف کی سفید چادر بچھی تھی۔ اس وقت اس کی گاڑی بہت سست روی سے چل رہی تھی اس کے اوپر رسیوں سے بندھا ہوا پل لٹک رہا تھا، نیچے جوشیلا دریا تھا جس کے پانی میں اس وقت روئی کے گالوں کی طرح برف کے گالے گر رہے تھے۔ سرد ہوائیں نوکیلے نیزوں کی طرح وجود کے آر پار ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

جس وقت اس کی گاڑی حویلی کے گیٹ کے سامنے جا کر رکی کھڑکی سے چوکیدار نے سرسری نظر اٹھا کر آنے والے کو دیکھا تھا مگر اگلے لمحے چونک گیا۔

"سلام چھوٹے سائیں! چھ سال کی جدائی کے بعد جو حویلی کے ملازموں کے لیے جوں کا توں تھا۔ اسے جانے کس احساس نے مزید رنجیدہ کر دیا۔ گاڑی کھلے گیٹ سے اندر لے جا کر اس نے پورچ کی میں روک دی، اب نگاہ کے سامنے پرشکوہ حویلی اور سرسبز خوب صورت لان تھا۔

یہاں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ ملازم اپنے کاموں میں مصروف اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے۔ اسے دیکھتے ٹھٹکے اور سلام کرنے لگتے۔ وہ جواب دیتا ہوا سیدھا اماں جی کے کمرے میں آیا تھا۔ جہاں اس وقت بابا سائیں بھی تھے۔

دروازے پر آہٹ کی آواز سن کر بابا سائیں نے گردن موڑی، اسے روبرو پایا تو کچھ لمحوں کو آنکھوں کی پتلیاں ساکن رہ گئیں مگر وہ بہت مضبوط اعصاب رکھتے تھے دوسرے ہی پل وہ رعونت، ناگواری اور نخوت کے تاثرات سمیت منہ پھیر چکے تھے، پھر اٹھے اور ایک جھٹکے سے باہر نکلتے چلے گئے۔ جب کہ اماں جی نے بغیر کسی ناراضگی کے مظاہرے کے، اپنے بازو پھیلا دیے۔

وہ آگے بڑھا اور ان کے بازوؤں میں سماتا چلا گیا۔

☆.....☆

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آتا، میرا بچہ، میرا جگر گوشہ میرے پاس ہے۔ دوبارہ مجھے مل گیا ہے۔" اماں جی اسے ایک پل کو بھی خود سے الگ نہ ہونے دیتی تھیں اور اس وقت بھی اسے یک ٹک دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

"مجھے معاف کر دیں اماں جی، مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔"

"ماں کا دل اولاد کے معاملے میں سمندروں سے بھی زیادہ وسیع بنایا ہے رب سوہنے نے پتر! میں تو تجھے کب کی معاف کر چکی۔ کوئی شکوہ بھی باقی نہ رہے گا، اگر جو میری اک بات مان لے؟" اس نے دیکھا ان کی آنکھوں میں خوف کے سائے بھی لہرا رہے تھے۔ اس نے ان کے ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگا لیے۔

"آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر ہے اماں جی۔ ایک بار کہیں تو، آپ کو پتا ہے آپ سے دور ہو کر، آپ کو خفا کر کے میں چین اور سکون کے ساتھ پل خوشی کو بھی ترسا ہوں۔" وہ جذب سے بولا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”روشانے سے شادی کر لے پتر، ورنہ اسے بھی زرلالے کی طرح سے قرآن سے منسوب کر دیا جائے گا۔ اب یہی فیصلہ ہوا ہے۔ زرلالے کا بھی قرآن سے نکاح کر دیا گیا تھا۔ جب تم نے اسے چھوڑا۔ برادری کی پنچائیت نے اس کے لیے یہ فیصلہ کیا تھا۔ بہت روئی تھی وہ، بہت احتجاج کیا تھا مگر کسی نے رحم نہ کھایا اس پر۔ نہ تیرے بابا سائیں نے، نہ چاچا سائیں نے اور اسی ظلم کا نشانہ بنا کر، سفید کپڑے پہنا کر قرآن اور جائے نماز، تسبیح حوالے کر کے ایک کمرے تک محدود کر کے باقی ہر خوشی اور زندگی کے احساس کا در بند کر دیا تھا اس پر۔ وہ پاگل ہو گئی تھی اس تنہائی کی وحشت سے۔ ایسی ہی دیوانگی کے عالم میں ایک روز اس نے چھری سے اپنی شہ رگ کاٹ لی تھی۔ مر گئی وہ، سب کو ندامت اور پچھتاوے کا احساس دے کر۔ اب تیرے چاچا اور بابا سائیں روشی کے لیے ایسا نہیں چاہتے مگر اس کے برابر کا لڑکا خاندان میں کوئی نہیں ہے۔ جرگے کا فیصلہ اس کے لیے یہی قرار پایا ہے۔ صرف تیری ہاں ہی اسے اس زیادتی سے بچا سکتی ہے۔ پتر انکار مت کرنا، تجھے اللہ سائیں کا واسطہ ہے۔“

اماں جی اس کے سامنے ہاتھ جوڑے روتی، سسکتی ہوئی التجائیں کر رہی تھیں جبکہ وہ انکشافات کی زد پر آیا ہوا گویا پتھر ہو چکا تھا۔

☆......☆

حالات اور واقعات کے گھیراؤ میں وہ کچھ ایسے گھرا تھا کہ فرار کا کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا۔ بابا سائیں نے اسے معاف کرنے کی بھی شرط یہی رکھی تھی اگر وہ ایسا نہ بھی کرتے تب بھی شاید وہ اماں جی کے آنسوؤں سے پُر التجاؤں سے نظر نہیں چرا سکتا تھا۔ دوسری مرتبہ انہیں مایوس نہیں کر سکتا تھا۔ بس اس کے ایک بار ہاں کرنے کی دیر ہوئی اور بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان گھری خوبصورت حویلی میں خوشیاں ناچ اٹھیں۔

پوری حویلی کو سجایا گیا اور اسی شام روشانے کو اس سے نکاح کے بندھن میں باندھ دیا گیا۔

اسے وادی آئے تیسرا دن تھا اور اس کی شادی کر دی گئی تھی۔ قسمت کا یہ نیا رخ اس کے سامنے تھا جس کے متعلق اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں سیل فون پر سمیعہ اور بچوں سے اس وقت بات کر رہا تھا جب اماں جی، دلہن بنی روشانے کو لے کر اس کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔ وہ ایکدم ٹھٹک گیا تھا اور کسی قدر بوکھلا کر رابطہ منقطع کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”مجھے بلوا لیا ہوتا اماں جی، اگر کوئی کام تھا۔ آپ اتنی بیماری میں بستر چھوڑ کر کیوں آئیں؟“

”تجھے کیسے بلوا لیتی؟ دلہن کو چھوڑنے آئی ہوں تیرے کمرے میں۔ اب میری بیماری کی فکر نہ کر۔ تُو نے جو خوشی مجھے دی ہے ناں اس نے مجھے بھلا چنگا کر دیا ہے۔“ انہوں نے کھنک دار آواز میں کہتے ہوئے کچھ توقف کیا پھر آہستگی سے گویا ہوئیں۔

”پتر یہ نمانی اب اللہ سوہنے کے بعد تیرے حوالے ہے۔ میں جانتی ہوں، دو بیویوں کے مرد پر بہت سی اضافی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ اسے حقوق و فرائض کے ساتھ توازن اور انصاف کے تقاضوں کو بھی نبھانا پڑتا ہے۔ تُو نے جو کام کیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ خدا سے دُعا کروں گی اللہ سچل سائیں! تجھے انصاف کے تقاضوں پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔“ انہوں نے اس کا ماتھا چوما، کاندھا تھپکا اور پلٹ کر کمرے سے نکل گئیں۔

سرمد کی نگاہ بے ساختگی میں ہی روشانے کی سمت اٹھ گئی۔ سرخ کامدار پشواز اور زیورات سے سجی وہ نوخیز، شاداب اور دلکشی کا مکمل پیکر تھی۔ وہ کتراتے ہوئے انداز لیے کسی قدر نروس نظر آئی تھی۔

سرمد نے بے ساختہ نگاہ چرا کر ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ زرلالے سے بھی چار سال چھوٹی تھی اور جب چھ سال قبل آخری بار سرمد نے اسے دیکھا تھا تو وہ بارہ تیرہ سال کی بچی تھی۔ وہ بچی جو اس کے کاندھوں سے لٹک کر اکثر اس کے ساتھ شہر چلنے کی فرمائش کیا کرتی تھی، آج اس کی بیوی کے روپ میں اس کے سامنے تھی۔ حالات اور محبتیں بھی کبھی کبھار انسان سے کیسے کیسے خراج وصولتی ہیں۔ اس نے ایک گہرا سانس اندر کھینچا تھا۔

”تم وہاں کیوں بیٹھ گئی ہو روشی! یہاں آ کے ریلیکس ہو کر بیٹھو۔“ کچھ توقف کے بعد سرمد نے اسے مخاطب کیا تو دانستہ لہجے میں اپنائیت اور بے تکلفی کو شامل کیا تاکہ وہ خود کو ریلیکس محسوس کرے۔

”جی نہیں بہت شکریہ۔ میں یہاں زیادہ ریلیکس محسوس کر رہی ہوں۔“

وہ جو اپنے ہاتھ میں موجود گجرے کی پتیاں نوچ رہی تھی کسی قدر سنجیدگی سے بولی مگر سرمد کو جس چیز نے چونکایا، وہ اس کے چہرے و انداز کی سرد مہری، بیگانگی اور تلخی تھی۔ اس نے بغور اسے دیکھا اور ایک گہری تجزیاتی نگاہ ڈالی تھی۔

”لیکن ساری رات تو تم صوفے پر نہیں گزار سکتیں۔ یہاں بیڈ پر تو آنا ہے نا، پھر ابھی کیا حرج ہے؟“ اس سوال سے سرمد نے گویا اپنی کھوج اور اس کی سوچ کو کھولنا چاہا اور وہ تڑخ اٹھی تھی۔

”آپ نے جو احسانِ عظیم کر دیا ہے نا مجھ پر، وہی پتھر اتنا بھاری ہے کہ میں اسے اٹھائے ہانپ رہی ہوں۔ مزید نوازشوں کی بارش برسانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے میں ساری رات صوفے پر ہی گزارنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ آپ کے نزدیک آنے کا مجھے کوئی شوق نہیں

جب جاگ گیا ہو وہ

بنائی میں نے اِک تصویر
بہت سارا وقت لگا کر
پھر جاگ گیا وہ
پہلے دِن غائب ہو گیا آسمان
دوسرے دِن سمندر
تیسرے دِن پہاڑ
چوتھے دِن جنگل
پانچویں دِن تُم
اور چھٹے دِن میں
ایک سفید کاغذ باقی رہ گیا فریم میں
دیوار پر سجا
پھر آرام کیا، اُس نے ساتویں دن
اور میں بھی سو گئی

تنویر انجم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ ہوگئی آپ کی تسلی؟'' طنزیہ کاٹ دار لہجہ، سلگتی آنکھیں چہرے کے کبیدہ تاثرات نے سرمد کے حواس ٹھٹھرا کے رکھ دیے تھے۔ اسے سنبھلنے میں کچھ وقت لگا۔

''تم خفا ہو مجھ سے؟'' اس نے بہت محتاط سے انداز میں سوال کیا تھا۔

''خفا؟ میں نفرت کرتی ہوں آپ سے۔ آپ کے جرم کے لحاظ سے ناراضگی کا لفظ تو بہت چھوٹا ہے میرے نزدیک۔ مجرم ہیں آپ میری زرلالے آپی کے۔ میں نے ان کی خون آلود لاش دیکھی ہے۔ ان کی آنکھوں کی اُن وحشتوں کی گواہ ہوں۔ اس دیوانگی کی گواہ، ان اذیتوں کی جو آپ کی وجہ سے ان کا نصیب بن گئی تھیں۔ آپ قاتل ہیں میری بہن کے۔ کبھی معاف نہیں کروں گی میں آپ کو۔''

وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور اس کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے ہسٹریائی انداز میں کہتی ہوئی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ سرمد اس پل کسی دفاعی عمل کو اپنانے کی بجائے گھویا خود سے بھی نظریں چرا رہا تھا۔

☆......☆

اگلی صبح وہ بیدار ہوا تو روشانے کمرے میں نہیں تھی۔ اس کا عروسی جوڑا اور زیورات وغیرہ صوفے پر ڈھیر تھے۔ کمرے میں ہنوز نائٹ بلب روشن تھا اور دروازہ اَدھ کھلا۔

وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

کہاں چلی گئی تھی وہ۔ رات وقفے وقفے سے اس کی گونجنے والی سسکیوں سے مضطرب ہوتا وہ بستر پر کروٹیں بدلتا رہا تھا حالانکہ کتنا جی چاہا تھا، خود سے خفا اس نازک سی لڑکی اور اپنے درمیان سارے فاصلے مٹا ڈالے اور اس کے ان رستے ہوئے زخموں پر پھاہے رکھے جو اسے آنسوؤں سے رلا رہے تھے

مگر وہ بہت بدگمان تھی اس سے اور کچھ اتنی غلط بھی نہیں تھی۔ مکمل طور پر نہ سہی مگر کسی حد تک زرلالے پر ہونے والی زیادتی میں وہ بھی شریک رہا تھا۔ اسے علم تو تھا اپنی روایات کا، پھر اس نے کیوں نہ ان باریکیوں کو سوچا۔ واش روم اور ٹیرس پر اسے ناپا کر وہ پریشان سا پلٹا تو روشانے کو بڑی سی خوب صورت کڑھائی کی شال میں لپٹے اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ ایکدم پُرسکون ہوا تھا۔

''کہاں چلی گئی تھیں اتنی صبح صبح۔ میں پریشان ہو رہا تھا۔''

وہ سردی سے اس کی سرخ ہو جانے والی ستواں ناک اور ہونٹوں کو دیکھتا ہوا نرمی سے بولا تو روشانے کے چہرے پر نخوت آ گئی۔

''کیوں پریشان ہو رہے تھے؟ ہمارا آپس میں تعلق کیا ہے؟'' شال اتار کر تہہ لگاتے ہوئے وہ صوفے کی ہتھی پر پڑا اپنا گلابی دوپٹہ اوڑھتے ہوئے پھنکاری تھی۔ یہ سن کر سرمد ایکدم خاموش سا ہو گیا۔ جب کہ وہ آتش دان کے نزدیک کرسی پر بیٹھ کر آگ تاپنے لگی۔ سرمد واش روم گیا تب وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر نم آنکھیں موند گئی تھی۔

حویلی کے پچھواڑے بنے قبرستان میں آج پہلی بار وہ زرلالے کی قبر پر جا کے دل کھول کر روئی تھی تو اس کی وجہ بھی وہی شخص تھا جس سے وہ سیدھے منہ بات کرنا بھی گوارا نہ کر رہی تھی۔

یہاں کی روایت کے مطابق اب وہ بیاہتا تھی اور بہت سے ایسے کام کرنے کی مجاز جو دوسری وہ لڑکیاں یا عورتیں نہیں کر سکتی تھیں جو بن بیاہی یا پھر شوہروں کی عدم توجہی کا شکار تھیں۔ سرمد کا نام اس کے نام کے ساتھ جڑتے ہی وہ خود مختار ہو گئی تھی۔

☆......☆

''بی بی سین، آپ کا اور چھوٹے سائیں کا ناشتا

ادھر ہی لے آئیں یا سب کے ساتھ کریں گی؟ بڑی سین پوچھ رہی ہیں۔'' دستک دے کر ملازمہ اندر آئی تھی اور اب اسے مخاطب کر کے بولی تھی۔

''نہیں اماں جی سے کہو، ہم وہیں آ رہے ہیں۔ سب کے ساتھ ہی ناشتا کریں گے۔'' اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتی سرمد جو اسی وقت واش روم سے باہر آیا تھا، تولیے سے سر خشک کرتا ہوا بولا تو ملازمہ سر ہلا کر مؤدب ہو کر پلٹ گئی۔ سرمد نے تولیہ بیڈ پر پھینکا اور برش اٹھا کر بال بنانے لگا۔ ہلکے بادامی کرتا شلوار میں اپنے غضب کی دراز قامت اور اسمارٹنس کے ساتھ وہ ایک بار پھر چھ سال پہلے والا جاگیردار سرمد شاہ بن گیا۔ اُس نے آئینے میں ایک نگاہ خود کو دیکھا اور اس کی جانب چلا آیا۔

''چلیں؟'' اس نے اسی پل بج اٹھنے والے اپنے موبائل کو نظر انداز کر دیا تھا۔ روشانے نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''آپ جائیں، میں نے نہ آپ کو روکا ہے نہ آپ کے ساتھ بندھی ہوئی ہوں۔''

''بندھ تو خیر آپ ہم سے گئی ہی ہیں۔ چاہے نہ چاہتے ہوئے ہی سہی۔'' سرمد نے دانستہ شرارت کی تھی مگر روشنی تپ اٹھی۔

''ہاں جانتی ہوں، آپ کے لیے کیا مجبوری کا بندھن ہے یہ۔'' وہ پھٹ ہی پڑی۔

''میں نے اپنا نہیں آپ کا حوالہ دیا ہے۔ اگر میں نہ چاہتا تو کوئی مجھے فورس نہیں کر سکتا تھا۔'' اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی جتایا تو روشانے کی آنکھیں ایکدم بھر آئیں۔

''میں جانتی ہوں کوئی پھول نہیں جڑے مجھ میں، بس ایک قربانی دی ہے آپ نے، مگر کاش قربانی ہی سہی، آپ نے زرلالے کے لیے......''

بات ادھوری چھوڑ کر وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک اٹھی۔ سرمد کے اعصاب کشیدگی اور درماندگی کا شکار ہوئے تھے۔

''میں مانتا ہوں کہ میری بھی غلطی تھی مگر قدرت کو یہ سب ایسے ہی منظور تھا۔ اس بات کو بھی تو سمجھو۔'' اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر وہ نرمی سے اس کے آنسوؤں کو اپنی پوروں پر سمیٹ رہا تھا۔ روشانے پر فطری سا اثر ہوا تھا، لمس کی اپنائیت، لہجے کی پھوار اور نگاہ کا بامعنی نرم سا تاثر وہ ہچکچائی اور پھر آنسوؤں سے جل تھل آنکھوں سے اسے تکنے لگی تو سرمد نے اس کے شانے پر بازو پھیلا کر خود سے نزدیک کر لیا۔

''معاف کر دو نا مجھے، میں تمہارے سارے دکھ سمیٹ لوں گا۔'' اس نے آہستگی سے سرگوشی کی۔ روشانے اس لمحے کے سحر سے آزاد ہوئی تو بدک کر دور ہو گئی۔

''ایک غاصب اور دھوکے باز کا اعتبار کر لوں؟ پاگل نہیں ہوئی ابھی۔ میں اپنی آدی کے قاتل کو کبھی معاف نہیں کر سکتی۔'' اس کے لہجے کا تنفر اور آنکھوں کی تلخی پھر لوٹ آئی۔ سرمد ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

☆......☆

وہ تیار ہو کر نیچے آیا تو اماں جی اپنے کمرے میں موجود تھیں۔ روشانے ملازماؤں کو دوپہر کے کھانے کے متعلق ہدایات دے رہی تھی۔ وہ آ کر اماں کے پاس بیٹھ گیا مگر اماں کی متبسم نگاہوں کا مرکز وہ نہیں روشانے تھی جو اب ملازمہ کو لان سے گلاب کے پھول توڑ کر لانے کا حکم دے رہی تھی۔

''نہیں تم رہنے دو میں خود لے آتی ہوں۔'' معاً کچھ سوچ کر اس نے منع کیا اور اپنا دوشالہ سنبھالے خود کمرے سے نکل گئی۔

''کتنی مطمئن اور خوش باش ہے میری دھی، یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خواب میں نے زرلالے کے لیے دیکھے تھے مگر خیر اللہ سائیں جو کرتا ہے بھلا ہی کرتا ہے۔ اس کی مصلحتیں ہم نہیں جانتے۔'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

سرمد نے کھنکار کران کی توجہ حاصل کی تو انہوں نے اپنی چمکتی نگاہیں اس پر ٹکا دیں، جن میں محبت تھی، سرشاری اور سکون تھا۔

''آج مجھے واپس جانا ہے اماں جی! بچے اور سمیعہ اکیلے ہیں وہاں۔ مجھے آئے بہت دن ہو گئے۔ اللہ کا شکر ہے آپ بھی ٹھیک ہیں اب۔''

''روشانے کو ساتھ لے جاؤ گے؟'' انہوں نے چونک کر سوال کیا تو وہ بے ساختہ گڑبڑایا۔

''اماں جی، روشانے یہاں زیادہ پُرسکون رہ سکتی ہے۔ پھر آپ لوگ بھی تنہا نہیں ہوں گے۔''

''تم آتے تو رہو گے نا؟'' ان کے لہجے میں خدشات تھے۔

وہ آہستگی سے مسکرادیا۔ ''مجھے اپنی ذمہ داری کو نبھانے اور حقوق کی ادائیگی پر شک ہو سکتا ہے اماں جی مگر آپ کو اپنی دعاؤں کی قبولیت پر نہیں۔'' اماں جی اتنی خوش ہوئی تھیں کہ بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

''اللہ سائیں میرے پتر کو سدا خوش، آباد رکھے، آمین۔ روشانے کو اپنے جانے کا بتا دیا؟ اسے تو کسی قسم کا اعتراض نہیں؟''

''کیا اعتراض ہوگا اماں جی، وہ تو ایک طرح سے آج رات کو سکون کی نیند سوئے گی۔'' اس نے اسی پل اندر آنے والی روشانے کو دیکھ کر کہا۔

''چل ہٹ شریر نہ ہو تو، وہ تیری شرارتوں پر مصنوعی ناراضگی سے کہتی ہوگی۔ کوئی بھی وفادار عورت اپنے شوہر کو خود سے دور کر کے خوش نہیں رہا کرتی پگلے۔'' اماں جی کے لہجے میں یقین بول رہا تھا۔

سرمد کی نگاہ روشانے سے جا ملی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اچانک یوں چوری پکڑے جانے پر وہ فی الفور نظریں جھکا گئی تھی۔ انداز میں خفگی کا عنصر نمایاں تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرادیا۔

''کسی ناراضگی کے باعث تو خود سے دور کر کے خوش رہ سکتی ہے ناں؟'' سوال اماں جی سے ہوا تھا مگر نگاہیں روشانے پر تھیں، جو گلاب کے پھول کرسٹل کے گلدان میں سجا رہی تھی۔ اس کی بات پر ہونٹ بھینچ کر رہ گئی تھی۔

''چھوڑ پتر! ہمیں کیا، تیری بیوی تو تجھ سے خفا نہیں نا؟ اب جا رہا ہے تو پھر اپنے بابا سائیں کو بھی بتا دے۔'' اماں جی نے جیسے بات ختم کی تھی۔ وہ گویا روشانے کی جان بھی چھڑانا چاہ رہی تھی گویا۔

''جی بہتر!'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ روشانے رخ پھیرے، ہنوز اپنے کام میں مگن تھی۔

وہ باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆

''میں جا رہا ہوں۔'' اس نے بیگ ملازم کے ہاتھ نیچے بھجوایا اور الماری میں سر دیے، کسی کام میں مصروف روشانے کو مخاطب کیا۔

''تو پھر میں کیا کروں؟'' جواباً وہ نروٹھے پن سے بولی۔ پلٹ کر دیکھنے کے تکلف کے بغیر سرمد نے کھسیا کر سر کھجایا۔

''میرا مطلب ہے، تمہیں شہر سے کچھ منگوانا ہو تو بتا دو۔'' اُس سے یہی بن پڑا تو بول گیا۔

''بہت شکریہ اس نوازش کا۔ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔'' وہ رکھائی سے جواب دے رہی تھی۔

''یاد ہے جب تم چھوٹی سی ہوا کرتی تھیں، تب میرے ساتھ شہر جانے کی کتنی ضد کیا کرتی تھیں؟'' سرمد نے اس کی خفگی کو محسوس کرنے کے باوجود اسے

روشانے نے پلٹ کر سلگتی نظروں سے اسے

...تب میں چھوٹی ہوا کرتی تھی۔'' اس نے جیسے ...لیا تھا۔ سرمد کی آنکھوں میں موجود شرارت ...ہو گئی۔ وہ ہر صورت اسے منانا چاہتا تھا۔ اپنے ...ے اس بوجھ کو سرکانے کی خاطر جو یہاں کی چھپی ...یقتوں کے انکشافات نے بخشے تھے۔

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں تب تم چھوٹی تھیں مگر ...م بڑی ہو گئی ہو اور بے حد پُرکشش بھی۔ اب ...نہیں اپنے ساتھ لے جانے میں کوئی مسئلہ نہیں ...ہلو گی؟''

''ہمت ہے اپنی بیوی سے مجھے متعارف کرانے ...'' اس کے لہجے میں تمسخر در آیا۔

''اگر نہ ہوتی تو نہ یہ قدم اٹھاتا، نہ یہ آفر کرتا۔'' ...ایکدم سنجیدہ ہوا تھا۔ روشانے نے سر زور سے ...ا۔

''مگر مجھے شوق نہیں ہے نہ آپ کی ہمتیں جج ...نے کا، نہ میں اس تعارف کے لیے مری جا رہی ...۔'' وہ پھنکار کر بولی تھی۔

سرمد نے ہونٹ بھینچ لیے اور مزید ایک لفظ بھی ...بغیر کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

☆......☆

''دیکھا غلط تو نہیں کہتی تھی میں، ارے والدین کا ...کوئی مقابلہ کر سکتا ہے۔ وہ تو جیسے منتظر تھے آپ ...نا صرف معاف کر دیا بلکہ اپنی شفقت اور محبت ...دل کھول کر لٹائی۔'' سمیعہ بے حد سرشاری وہ ...ی چیزیں سمیٹتی پھر رہی تھی جو واپسی پر اماں جی ...بابا سائیں نے اس کے ساتھ کر دی تھیں۔ تازہ ...ہوں کے کریٹ، خشک میوہ جات کے پیکٹ، ...س دیسی گھی، پنجیریاں، چاولوں کے تھیلے، گندم ...بوریاں اور نہ جانے کیا کچھ ٹرک میں بھر کے

یہاں بھجوایا تھا اور اس کے علاوہ جو رقم اور سونے کے زیورات سمیعہ کو ان کی شادی کے تحفے کی صورت دیا گیا تھا وہ پا کر سمیعہ پھولی نہیں سما رہی تھی۔

''بابا سائیں اور اماں جی خود ملنے کیوں نہیں آئے؟ نہ انہوں نے ہمیں وہاں آنے کی دعوت دی؟'' یہ خمار ذرا اترا تو سمیعہ کو ایک نئی فکر لاحق ہوئی تھی۔

سرمد جیسے اس کے دوسرے سوالوں پر خاموش رہا تھا، اب بھی رہا تو سمیعہ اس کے نزدیک آ گئی۔

''سرمد یہ ہے تو حیرانی کی بات نا؟ اگر ان لوگوں نے ہمیں معاف کر دیا ہے تو ہم سے ملنا کیوں نہیں چاہا۔ میں تو چلو اَن چاہی سہی۔ ان سے ان کے بیٹے کو چھینا تھا مگر یہ بچے تو ان کی اپنی نسل ہیں نا؟'' اُس نے نرمی سے کہا تھا۔

''مجھے کیا پتا بھئی۔ اب مجھ سے اس قسم کے سوال مت کرو اور ایک کپ چائے تو بنا کر لا دو۔ سر درد کر رہا ہے۔'' وہ کچھ بے زاری سے بولا تو سمیعہ اسے گھورتی ہوئی اُٹھ کر چلی گئی۔

اماں جی نے سرمد کو روشانے کے حوالے سے کچھ بھی بتانے سے منع کیا تھا گو کہ سرمد کو یہ بات مناسب نہیں لگی تھی مگر اماں جی کے اصرار پر اسے ماننا پڑا تھا، ورنہ وہ ہر معاملے کو کلیئر رکھنا چاہتا تھا۔

''وہ تنگ دل عورت نہ بھی ہو پتر مگر پھر بھی شوہر کی محبت کو بانٹنا آسان کام نہیں ہوتا۔ کیا حرج ہے، اگر ہم اسے اس دکھ سے بچا لیں، روشنی نے کون سا کبھی وہاں جا کے اس کے پاس رہنا ہے۔''

''اس نے بھی کبھی آپ سے آپ کا بیٹا چھین کر پورے سرمد پر قبضہ جما لیا تھا اماں جی۔ یہ سوچنے کی زحمت کیے بغیر کہ ان بوڑھے والدین اور اس نازک احساسات کی لڑکی پہ کیا بیتی ہوگی جو اس سے منسوب ہو چکی ہے اور اس کے بعد اس پر زندگی کی ہر خوشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دروازے بند کر دیے جائیں گے۔" انہیں خبر بھی نہ ہو سکی تھی، کب روشانے نے وہاں آ کر ان کی بات سن لی تھی اور ایک دم چیخ کر بولی تھی۔

اماں جی اس کے تاثرات دیکھ کر گھبرا اٹھی تھیں۔ وہ چونکہ اس کی شدت پسندی سے آگاہ ہو چکا تھا جب ہی ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔

"پتر جو بیت گیا ہے اسے بھلانے میں ہی عافیت ہے۔ دلوں میں گنجائش تو نکالنی پڑتی ہے نا۔" انہوں نے روشانے کو اپنے ساتھ لگا کر تھپکا تھا مگر وہ کچھ اور بھی بپھر گئی تھی۔

"نہیں نکال سکتی یہ گنجائش میں۔ اپنی ادی کو کھویا ہے میں نے۔ اپنی واحد ماں جائی کو۔" وہ سسک اٹھی تھی۔

"اللہ سائیں نے ایک رشتہ لے کر دوسرا بخشا بھی تو ہے۔ کتنا سوہنا دولہا دیا ہے تجھے۔" اماں جی اسے ساتھ لگا کر تھپکتے۔ ہوئے بہلا رہی تھیں۔

"نہیں چاہئیں مجھے اپنے بچے کھچے رشتے۔" وہ ہذیانی انداز میں چلانے لگی اور سرمد سے اماں کی شرمندگی کا سامنا دشوار ہو گیا تو وہاں سے اٹھ آیا تھا۔ بعد میں ان کے سوال اسے پریشان کر گئے تھے۔

"روشانے خوش ہے نا تیرے ساتھ؟ وہ تجھے تنگ تو نہیں کرتی۔ ابھی بچی ہے، نادان ہے معاف کر دینا پتر اسے۔" اور وہ انہیں تسلی دلاسے دیتا رہا تھا۔

"کہاں گم رہتے ہیں ہر وقت۔ چائے پڑی پڑی ٹھنڈی ہو گئی ہے۔" سمیعہ کی آواز پر وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا تو گود میں دھری فائل لڑھک کر کمبل سے پھسلتی، نیچے کارپٹ پر جا گری۔

"کیا پوچھ رہی ہوں میں؟" وہ فائل اٹھانے کے بعد چائے کی سمت متوجہ ہوا تھا، جب سمیعہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کہاں کھوؤں گا۔ خوامخواہ شک مت کیا کرو" وہ کلس کر کہتا پھر سے فائل کھول کر اسٹڈی کرنے لگا سمیعہ نے بدتمیزی سے فائل کھینچ لی۔

"زرلالے سے مل کر حواسوں میں نہیں رہے تم، شادی تو نہیں کر آئے اس کے ساتھ؟" وہ آنکھیں اس پر ٹکاتے ہوئے ہونٹ سکوڑ کر بولی سرمد کا چہرہ ایک پل کو متغیر ہوا۔

"فضول باتیں مت کرو میرے ساتھ۔ کدھر ہیں؟" اس نے ناگواری سے کہہ کر موضو سے ہٹنا چاہا۔

"مجھے تمہاری حرکتیں مشکوک لگ رہی ہیں ہر وقت وادی سے آنے والے فون اور یہ تم انداز..... کل پھر وادی کیوں جا رہے ہو؟" اسے گھور رہی تھی۔ سرمد نے سرد نظروں سے ا دیکھا تھا۔

"جب میں نے تم سے شادی کی تو ہمار روایات کے مطابق زرلالے کو قرآن سے منسو کر دیا گیا۔ مرگئی ہے وہ۔"

وہ کسی قدر تلخی سے بولا تو بجائے تاسف کے نے سمیعہ کی آنکھوں میں ایک عجیب سا اطمینان از دیکھا تو خود پہ شاکی ہو گیا۔

یہ تھا اس کا انتخاب، جس کی وجہ سے اس اپنے والدین سے منہ موڑا اور ایک بے گناہ لڑکی اس کی بھینٹ چڑھنا پڑا۔

"پھر اتنی جلدی تم وادی کیوں جا رہے ہو اس کا شک اتنی جلدی اور آسانی سے دور ہونے نہیں تھا۔

"اپنے والدین سے ملنے اور کیوں جاؤں گا چھ سالوں سے تمہارے ساتھ تھا، تم نے ایک بار بھی کہا کہ ان سے ٹوٹا ہوا تعلق بحال کر لوں؟" کسی قدر تلخی سے بولا۔

"میرا دماغ خراب نہیں ہوا تھا کہ میں تمہیں نے کی ایک سبیل کرتی۔"

اس کے لہجے کی حقارت نے سرمد کو آگ لگا "دماغ تمہارا نہیں میرا خراب ہوا تھا کہ تم جیسی ت کی وجہ سے اپنی جنت سے منہ موڑ کر بیٹھ گیا۔"

وہ بھی ہمیشہ کی طرح جھگڑا دبانے کو چپ ہونے بائے ہر بات کا جواب دینے لگا تو یہ تلخ کلامی دہ جنگ کی صورت اختیار کر گئی جس سے کم از کم دتو ہرگز فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس وقت بھی تلملا کر ہوئے بولی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کل حویلی جانے کی۔ ہرگز بھی تمہیں جانے کی اجازت نہیں دے "

"تم سے اجازت مانگ کون رہا ہے؟" سرمد حیک آمیز لہجے پر سمیعہ کے تن بدن میں آگ گی۔

"میں ہنگامہ کھڑا کر دوں گی سرمد اگر تم اب گئے۔" اس نے باقاعدہ آنکھیں نکال کر دھمکی ی۔

سرمد نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ پھر لہجے میں بولا تو لہجہ متوازن مگر مقابل کو آگ نے والا تھا۔

"تم سے جو ہو سکے وہ کر لینا۔ میں تمہاری وجہ اب نئے سرے سے جڑنے والے رشتوں کو نہ چاہتا ہوں نہ کمزور کرنا۔"

سمیعہ اس کی بات کے جواب میں کچھ دیر کینہ توز ں سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد ایک جھٹکے اٹھ کر کمرے سے چلی گئی مگر اصل حیرت اسے وقت ہوئی جب اگلے روز وہ وادی جانے کو تیار یہاں تک کہ گھر سے نکل بھی آیا اور سمیعہ نے ج تو کیا مگر اسے روکنے کی معمولی سی کوشش بھی نہیں کی۔

☆......☆

اماں جی کے علاوہ بابا سائیں بھی اسی ایک ہفتے کے اندر دوبارہ حویلی میں دیکھ کر جتنے مطمئن اور سرشار ہوئے تھے، اس کا اظہار انہوں نے برملا کیا تھا۔ البتہ اسے روشانے کے چہرے کے سرد تاثرات نے ضرور تشویش میں مبتلا کیا تھا۔ شاید اس کے دل میں سرمد کے لیے واقعی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ یہ خیال ملول اور افسردہ کر دینے والا تھا۔

"یہ تمہارے لیے ہے۔" رات کو کمرے میں آنے کے بعد اس نے ایک بار پھر اسے سونے تک محدود ہوتے دیکھا۔ تب بھی معمول کے نارمل لہجے میں مخاطب کیا تھا۔

روشانے کی سوالیہ نگاہیں اس کے بڑھائے مخملیں کیس پر جم گئیں۔ "کیا ہے یہ؟ اور مجھے کیوں دے رہے ہیں؟"

"یہ تمہارا رونمائی کا گفٹ ہے۔ ہماری شادی اتنی ایمرجنسی میں ہوئی تھی کہ میں کچھ بھی نہ دے سکا تمہیں۔"

اس کی وضاحت پر روشانے نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا اور کاٹ دار لہجے میں گویا ہوئی۔ "آپ کو ابھی بھی اندازہ نہیں ہوا کہ میں آپ کو مجبوراً قبول کرنے پر آمادہ ہوئی ہوں۔ میرے پاس نہ کوئی اختیار تھا نہ راستہ۔ آپ کو اپنے ہاں کی عورتوں کی بے زبانی اور بے اختیاری کا اندازہ تو ہو گا؟"

"فی الحال تو میں تمہارے اختیارات کی شہنشاہی ملاحظہ کر رہا ہوں اور آئی تھنک، یہ میری ہی ڈھیل کا نتیجہ ہے کہ تم مجھ سے یوں اکڑ کر بات کر رہی ہو۔ اگر میں بھی اپنے ہاں کے دیگر مطلق العنان مردوں کی طرح ہوتا تو تمہاری حیثیت اس وقت کچھ اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتی۔'' اسے جتنی ناگواری محسوس ہوئی تھی، روشانے کی بات سن کر، اس کی ہلکی سی جھلک ہی اس کے لہجے میں اتری تھی کہ روشانے کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ وہ ایک دم کچھ پزل، کچھ خائف ہو کر اسے تکنے لگی۔

''اگر آپ زبردستی کوئی تعلق قائم کرنا چاہیں گے، تو میری نفرت میں اضافہ ہو گا۔'' خود کو کمپوز رکھنے کے باوجود اس کا لہجہ لرزتا ہوا سا تھا۔ سرمد نے ایک گہرا طویل مگر تھکا ہوا سانس بھر کے اس سے نگاہ ہٹالی۔

''اور میں زبردستی کا ہی قائل نہیں ہوں۔ روشنی میں نے یہ رشتہ محبتوں کی پائیداری کے لیے قائم کیا ہے، نفرتوں کے حصول کی خاطر نہیں۔ بس اتنی سی بات ہے اگر سمجھو تو؟''

اپنی بات مکمل کر کے وہ ٹیرس کا دروازہ کھول کر، بالکونی میں چلا گیا۔ روشانے مخملیں کیس کو گھورتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔

☆.....☆

سیڑھیوں سے اترتے ہوئے جانے کیسے اس کا پاؤں رپٹ گیا۔ ریلنگ تھام کر بچنے کی کوشش کرتے اس کا وجود دو مضبوط بازوؤں کے حصار میں تھا۔ اس نے کچھ سٹپٹا کر سر اونچا کیا۔ سرمد شاہ اس کے بے حد نزدیک تھا۔

''سوری جانے کیسے میرا پیر مڑ گیا تھا۔'' وہ اتنی حواس باختہ تھی کہ فوری وضاحت پیش کرتی اپنی سانسیں سنبھالنے لگی جو لمحہ بھر کی قربت نے اتھل پتھل کر دی تھیں۔

''اٹس او کے، بلکہ مجھے تو اِس پاؤں کو اسپیشل تھینکس کہنا چاہیے کہ اس کی وجہ سے آپ ہمارے قریب آئیں۔'' شوخ لہجہ شرارت سے بھرپور تھا۔ آنکھوں میں بھی ایک دلکش سا رنگ اتر آیا تھا۔

روشانے خفیف سی ہو کر رہ گئی۔ سرمد نے بھی محو ہو کے اس کے چہرے پر اترے رنگوں کی خوبصورت برسات کو دیکھا، وہ اگلے ہی لمحے چھپاکر سے باقی ماندہ سیڑھیاں پھلانگ گئی۔ تب سرمد خود بھی مسکراتا ہوا نیچے چلا آیا تھا۔

وہ اماں جی سے لگی بیٹھی تھی۔ سرمد ان کے دوسری جانب چلا آیا۔

''اب چلوں گا، اماں جی اجازت۔'' اس کے آہستگی سے کہنے پر اماں جی نے ہنسی خوشی اجازت دے ڈالی۔ وہ اٹھنے لگا تو نگاہ روشانے سے جا ملی جو کچھ پریشان سی ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں ملا ہونے پر اس نے آہستگی سے سر جھکا لیا۔ کچھ دیر بیٹھی، پھر اُٹھ کر باہر چلی گئی۔ سرمد اپنے بیگ سمیت پورٹیکو کی طرف آیا تو اسے لان میں ٹہلتے پا کر لمحہ بھر کو اِس کے پاس ٹھہرا۔

''او کے ٹیک کیئر، اللہ حافظ۔ ویسے اگر تم چاہو تو میں رک بھی سکتا ہوں۔'' وہ آگے بڑھتے رک کر اسے دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

روشانے جو اسے ہی دیکھ رہی تھی بے اختیار گڑبڑائی۔ ''اور میں ایسا کیوں چاہوں گی؟'' وہ تنک کر بولی۔

سرمد نے معنی خیز نگاہ اس پر ڈالی۔ ''اب نہ سہی کبھی تو چاہو گی۔ بندہ امید پر زندہ رہے گا۔'' وہ مصنوعی آہ بھر کے کہتا ہوا مسکراتا ہوا گیراج میں جا گیا، جہاں بابا سائیں اسے الوداع کہنے کو منتظر کھڑے تھے۔ روشانے ہونٹ بھینچے اس کی گاڑی کو دور جاتے دیکھتی رہی۔

☆.....☆

اِس کے گھر پہنچنے تک ایک بڑا جھگڑا اِس کا منتظر تھا۔ سمیعہ کی وہ گمبھیر چپ کتنی خطرناک تھی، اس کا اُسے اب جا کے اندازہ ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے حویلی کے اندر کی وہ معلومات کیسے کی تھیں۔ بہر حال وہ نہیں جان سکا تھا۔ سمیعہ اس کی کوئی وضاحت، کوئی صفائی سننے کی ت نہیں سمجھی اور اس پر عیاشی اور دھوکے بازی الزامات کی بھرمار کرتی روٹھ کر چلی گئی۔

"اب میں تب ہی واپس آؤں گی جب تم اس کو طلاق دے دو گے۔" جاتے جاتے وہ بھی دھمکا کر گئی تھی۔

دونوں بچوں کو دانستہ وہ اس کے پاس چھوڑ گئی ہے جلد عقل آئے۔ اس کی عقل کہیں گئی ہوئی تو تھی۔ البتہ اس نئے ایشو نے اسے حد سے زیادہ یس ضرور کر دیا تھا۔

سمیعہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔ اس کے بار بار سمجھانے اور منانے کے باوجود اس کی ایک ہی تھی اگر اپنا گھر بچانا چاہتے ہو تو اسے چھوڑ دو۔ یہ شرط تھی جسے ماننے سے وہ بہر حال قاصر تھا۔

ادھر دادی سے اماں جی اور بابا سائیں کے فون ن آ رہے تھے، اسے دادی کا چکر لگائے دو ہفتے ہے تھے اور وہاں سب کی پریشانی فطری تھی۔

اب بچوں کا بھی مسئلہ تھا۔ وہ انہیں چھوڑ کر نہیں لتا تھا۔ اس رات پھر اماں جی کا فون آیا تو انہیں لیاں دیتے ہوئے بھی وہ اسی مسئلے کی وجہ سے شان تھا اور اتنے فاصلے کے باوجود اس کے سے اماں جی نے اس کی پریشانی کو بھانپ لیا جہ جاننے پر اتنا اصرار کیا کہ اسے بتاتے ہی پڑی تھی۔

"کچھ نہیں اماں جی بس سمیعہ کو میری دوسری ی کا پتا چل گیا ہے۔ بچوں کو چھوڑ کر خود اپنے ین کے ہاں چلی گئی ہے۔"

"تو یہ وجہ ہے تمہارے نہ آنے کی۔ پتر منا لے ۔ اپنا گھر تو برباد نہ کر۔"

ان کی صلاح پر وہ زخمی سے انداز میں مسکرا دیا اور ان کے سامنے سمیعہ کی شرط رکھ دی جسے سن کر وہ ایکدم خاموش ہو گئی تھیں۔

"تو اب کیا کرے گا پتر تُو؟ کہیں تُو روشانے کو....." خوف اور خدشات کی یورش نے انہیں فقرہ مکمل نہ کرنے دیا۔

"اماں جی آپ فکر مت کریں، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ فی الحال میں اسے اس کے حال پر چھوڑ رہا ہوں۔ دماغ درست ہو گا تو واپس آ جائے گا۔"

"اور بچے؟ انہیں تُو کیسے سنبھالتا ہو گا؟ ایسا کر پتر انہیں یہاں ہمارے پاس چھوڑ جا۔"

"اماں دونوں اسکول جاتے ہیں، کیسے چھوڑوں وہاں۔" وہ خود بے حد پریشان تھا۔

"کچھ دنوں کو ہی ملانے کی خاطر لے آ۔ ہماری نسل ہیں وہ، ہمارا ان سے ملنے کا حق ہے۔ پتا نہیں تجھے خیال کیوں نہیں آتا۔" وہ ایکدم شکوہ کرنے لگیں تو سرمد کو ان کی ماننا پڑی تھی۔

اسی شام وہ بچوں کے ساتھ وادی روانہ ہو گیا تھا۔

☆.....☆

تنگ سی گلی تھی، جس میں جا بجا کوڑے کے ڈھیر گندگی اور آوارہ بھونکتے ہوئے کتے تھے۔ یہ مخالف راستہ تھا جو قبرستان کو جاتا تھا اور سرمد نے دانستہ یہ طویل راستہ اختیار کیا تھا۔ اک بوڑھا فقیر وہیں بیٹھا اپنی دن بھر کی ریزگاری گن رہا تھا، اسے دیکھتے ہی بڑبڑا کر مٹھی دبائی اور صدا لگانے لگا۔

اس کے قدم ٹھٹھک گئے۔ والٹ نکال کر ایک نوٹ کھینچا اور اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ بوڑھے فقیر کی آنکھیں ابل آئیں۔ اس نے حیرت سے سو کے نوٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھا پھر اسے با آواز بلند دعائیں دینے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اسی طرح چلتے ہوئے عقب میں نکل آیا۔ حویلی کے پچھواڑے پہ شاہوں کے پرکھوں سے چلتا ہوا قبرستان تھا۔ یہاں نسل در نسل ان کا خاندان دفن تھا اور اب زرلالے کی قبر بھی وہیں تھی۔ وہاں کچھ بھی نہ بدلا تھا۔ وہی خودرو پودوں اور گھاس سے بھری کچی زمین اور سنگِ مرمر کی جابجا پھیلی پختہ قبریں۔ حویلی کی پچھلی دیوار سے پھیلا ہوا ایک پھل کا قدیم درخت جس پر طوطے ٹیں ٹیں کرتے اور کچے پکے پھل کتر کتر کر نیچے پھینکتے جاتے۔ جس کی گھنی شاخوں میں چڑیاں بسیرا کرتی تھیں۔ اس کی نظریں درخت کی جڑ کے پاس خشک گلاب کی پتیوں سے ڈھکی قبر پہ جا رکیں وہ آگے بڑھا تو خشک پتے اس کے پیروں تلے آ کر چرمرائے، شاخوں میں اونگھتی ہوا ہڑبڑا کر جاگی اور شائیں شائیں کرنے لگی۔ چڑیاں ایکدم چہچہائیں اور پھر سے اڑنے لگیں۔ طوطوں کی ٹیں ٹیں نے اس خوابیدہ ماحول کو جگا دیا۔ ایک گلہری درخت سے کودی، کچھ حیرت سے اسے دیکھا، پھر تیزی سے جڑ کے پاس غائب ہوگئی۔ اس نے دھندلائی ہوئی نظروں سے قبر پر منڈلاتی سفید تتلی کو دیکھا اور اپنے کپڑوں کی پروا نہ کرتے ہوئے گھٹنوں کے بل قبر کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"میں تمہارا مجرم ہوں زرلالے! مجھے معاف کرو۔ گزرا ہوا وقت لوٹ کر نہیں آسکتا، اگر مجھے اس پر قدرت ہوتی تو میں تم پر ہونے والے اِس ظلم کے سلسلے کو روک دیتا۔ اِس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتا۔ یہ ملال مجھے بے چین رکھتا ہے کہ تم میری کوتاہی کی وجہ سے اس دنیا سے چلی گئیں۔" ندامت کے آنسو قطرہ قطرہ پلکوں کی دہلیز کو پھلانگتے قبر کی خشک مٹی پر گرے اور جذب ہوگئے۔ خشک پتوں پر قدموں کی آہٹ ابھری مگر وہ چونکا نہیں تھا۔ فاتحہ پڑھی، دعائے مغفرت کے بعد اٹھا اور رخ پھیرتے ہی ساکن رہ گیا۔

بلیک شلوار سوٹ پر انتہائی اسٹائلش سی شال اوڑھے، روشانے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے سلگتی نظروں سے متوجہ تھی۔

"آپ کا پچھتاوا اور ندامت بھی اَب میری ادی کو واپس نہیں لاسکتے ہیں۔ ویسے یہ دکھاوا کب سے کررہے ہیں آپ؟" وہ پھنکاری تھی سرمد نے گہرا سانس بھرا اور ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ اسے کوئی صفائی نہیں دینا چاہتا تھا۔

"یہ پھول تم ڈالتی ہو قبر پر اچھی بات ہے۔ اپنا کام کرلو، میں منتظر ہوں۔ اکٹھے چلیں گے۔"

"میرا اور آپ کا کوئی بھی راستہ اکٹھا نہیں ہے۔ میں اکیلی آئی تھی، واپس بھی چلی جاؤں گی۔ آپ تشریف لے جائیے۔" وہ ترشی سے کہتی پھولوں کی تازہ پتیاں قبر پر پھیلانے لگی۔ سرمد نے بے بسی سے اس کے سرد چہرے کو دیکھا تھا۔

☆......☆

اسامہ اور زارا دونوں اماں جی کے بستر میں گھسے بیٹھے تھے اور مختلف سوال ان سے کر کر کے گویا انہیں زچ کررہے تھے مگر اماں جی نہایت خوش دلی سے ہر بات کا جواب دینے میں مصروف تھیں ابھی کچھ دیر قبل بابا سائیں بھی یہیں تھے۔ بلکہ چاچا سائیں اور چاچی جی بھی سرمد اور بچوں کی آمد کا سن کر ملنے آئے تھے اور ابھی کچھ دیر قبل گئے تھے۔

"بیٹا اب آپ لوگ جا کے سو جاؤ۔ دادو کو تنگ نہیں کرو۔" انہوں نے ابھی عشاء کی نماز بھی پڑھنی ہے۔" سرمد کے ٹوکنے پر اماں جی نے دونوں کو ایک ساتھ خود سے چپکا لیا اور اس کی تردید کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"یہ مجھے تنگ نہیں کررہے ہیں، تم فکر نہ کرو اور یہ میرے ساتھ ہی سوئیں گے۔ تجھے نیند آرہی ہے تو

جا اپنے کمرے میں۔"

"مگر آپ کو نماز تو پڑھنی ہے نا اماں جی؟" تب ہی روشانے اندر چلی آئی وہ اماں جی کے لیے دودھ کا گلاس لائی تھی۔ اتنے ملازموں کی موجودگی کے باوجود وہ اماں جی اور بابا سائیں کے کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھی۔

"اور بچے آپ کے ساتھ نہیں سوئیں گے انہیں میں سلاؤں گی۔ کیوں بیٹا سوؤ گے نا میرے ساتھ؟" روشانے، نے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ایکدم زارا کا گال چھو کر استفسار کیا تو اس کی بجائے اسامہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"جی میں سوؤں گا آپ کے ساتھ۔" اس نے روشانے کے گلے میں بازو حمائل کردیے تو روشانے مسکراتے ہوئے دونوں بچوں کو ساتھ لے گئی، سرمد گویا بے ہوش ہوتے بچا تھا۔ وہ تو بچوں کو اس کی وجہ سے ساتھ لانے سے خائف تھا کہ جو رویہ اس کے ساتھ تھا، اس کا اسے دیکھتے، وہ ہرگز بھی خوش گمان نہیں تھا مگر یہ تو گویا معجزہ ہوگیا تھا۔

"تُو فکر نہ کر پتر! میں ملازمہ سے کہہ کر بچوں کے سو جانے کے بعد انہیں یہاں منگوالوں گی۔" اس کے تاثرات سے اماں نے جو اندازہ لگایا تھا، اس کے مطابق تسلی دی۔ وہ پہلے چونکا پھر جھینپ کر رہ گیا۔

"یہ بات نہیں ہے، اماں جی! مجھے روشنی سے بچوں کے لیے ایسی توقع نہیں تھی بلکہ میں تو خوفزدہ تھا کہ......" اُس نے حقیقت بتائی۔

روشنی ایسی نہیں ہے پتر! ہماری تربیت کے زیرِ سایہ پروان چڑھی ہے۔ پھر ہمارے ہاں کی عورتوں کو ایسی قربانیاں دینا ہی پڑتی ہیں۔ بڑی عمر کا شوہر تو کبھی جوان بچوں کی مائیں بننا پڑتا ہے، کبھی اپنے سے کئی سال چھوٹے شوہر کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ یہ عورتیں پھر ان عورتوں سے بہتر زندگی جی جاتی ہیں جو زرلالے کی طرح بے بسی، بے کسی اور سیاہ بختی لکھوا کر لاتی ہیں۔ روشنی تو پھر خوش نصیب ہے کہ اسے جوان اور حسین بَر ملا ہے۔ سوکن ہے تو اس کا کبھی سامنا نہیں ہونا۔ صرف بچے ہی ہیں نا، تو ممتا تو ہر عورت کے اندر موجود ہوتی ہے۔ اپنے بچے ہو جائیں گے، تب وہ بھی مکمل ہوجائے گی۔"

اماں جی نے بڑا تسلی بخش اور تفصیلی جواب دیا تھا جَب وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا تو اسی خوشگوار احساس کے زیرِ اثر تھا۔ زارا اور اسامہ روشانے کے ساتھ تھے۔

"دادو کہتی ہیں آپ بھی ہماری مما ہیں۔ رئیلی آپ واقعی ہماری مما ہیں؟" جب اس نے کمرے میں قدم رکھا تو اسامہ کے روشانے سے کیے گئے سوال نے روشانے کو گڑبڑا کے رکھ دیا تھا۔ اس کی بے ساختہ جھجکتی، کتراتی ہوئی نگاہ اٹھی۔ سرمد کے ہونٹوں کے گوشوں میں دبی دبی مسکان تھی۔ روشانے نے سرعت سے منہ پھیرلیا۔

"پپا آپ بتایے نا یہ سویٹ سی آنٹی واقعی ہماری ماما ہیں؟" اسامہ، روشانے کی خاموشی پر اکتا کر اس سے تصدیق چاہنے لگا۔

"جی سویٹ ہارٹ! دادو نے صحیح کہا ہے۔ یہ آپ کی چھوٹی ماما ہیں۔" وہ جواباً شرارتی نظروں سے روشانے کو دیکھ کر بولا تو اس کی اس شرارت کے جواب میں روشانے کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

"یار میں ہی اتنا بڑا ہوں کہ بس مجھے ہی قبول نہیں کیا۔" جب دونوں بچے سو گئے تب روشانے بیڈ سے اٹھ گئی تھی۔ سرمد جو اسی کی وجہ سے صوفے پر تھا۔ شریر سے انداز میں بولا تھا۔ واضح اشارہ بچوں کی طرف تھا۔ روشانے، نے جواب میں سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔

"بچے معصوم ہوتے ہیں۔ میں بڑوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غلطیوں کی سزا انہیں کیوں دوں؟'' وہ تڑخی تو سرمد کی آنکھوں میں شرارت سمٹ آئی۔

''جب تمہارے اپنے بچے ہو جائیں گے، پھر بھی ان سے اسی طرح پیار کرو گی؟'' روشانے کو یقیناً اس سے ایسی بات کی توقع نہیں تھی۔ ایکدم جھینپ گئی۔ اس کے چہرے پر حیا اور خفت کی جو سرخی پھیلی تھی۔

''میرے ساتھ فضول باتیں مت کریں۔ آپ کا بستر خالی ہے، سوئیں جا کر۔'' خفت و خجالت پر اس کی جھنجھلاہٹ غالب آ گئی تھی۔

اس نے کترا کر نکلنا چاہا مگر سرمد نے پہلی مرتبہ اپنا استحقاق استعمال کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ روشانے بُری طرح سے چونکی۔ سرمد کی آنکھوں میں آج کچھ اور ہی رنگ تھے۔ وہ خائف ہونے لگی۔

''اگر نہ سوؤں؟ بلکہ اپنے ساتھ ساتھ تمہیں بھی نہ سونے دوں تو بھی تم کچھ نہیں کر سکتی ہو۔'' روشانے کے حواس ایکدم الرٹ ہوئے تھے۔ اس نے گھبرائی ہوئی متوحش نگاہ سے اس زور آور مرد کو دیکھا تھا۔

''دیکھیں آپ نے کہا تھا کہ آپ زبردستی کے قائل نہیں ہیں۔'' وہ اتنی گھبرائی تھی کہ اسے اس کی بات یاد دلانے لگی۔ سرمد اس کے ہراساں ہونے پر بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

''میں نے کوئی ایگریمنٹ تو سائن نہیں کیا تھا میم! خود انصاف کرو یہ ظلم نہیں ہے کہ دنیا کی نظر میں، میں خوش قسمت ہوں۔ دو دو بیویوں کا شوہر اور حقیقت اتنی روکھی پھیکی کہ دونوں کی دونوں ہی خفا اور دور۔'' اس نے کسی قدر معنی خیزی سے کہا اور ہاتھ کی انگلی پر اس کی گال کو چھوتی لٹ کو لپیٹتے ہوئے اسے شوخ نظروں سے دیکھا۔

''تو جائیں مان لیں ان کی شرط اور واپس لے آئیں اپنی بیوی کو۔'' اس کا ہاتھ جھٹک کر وہ خفگی سے کہتی دور ہوئی تھی۔

''اگر یہ شرط ماننی ہوتی تو میں اسے اس حال پر چھوڑ کر تمہارے پاس نہ آ جاتا۔'' سرمد گویا جتلانا چاہا۔

''یہ فیصلہ بھی آپ کا اپنا ہے۔ میری ایماء پر نہیں کیا گیا ہے جو میں آپ کے تقاضے پورے کرتی پھروں۔'' اس نے تنفر سے کہا تھا اور صوفے پر لیٹ کر سر تک سرخ چادر کھینچ لی تھی۔ سرمد گہرا سانس لے کے رہ گیا تھا۔

☆......☆

وہ سر نیہوڑائے لان میں اترتے زینے پر بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں گھاس کا تنکا تھا، جس سے وہ انگوٹھے کا ناخن کریدے جاتی تھی۔ امی کسی کام سے باہر تھیں۔ اسے یوں گم صم، ویران سا وہاں بیٹھے دیکھا تو ٹھنڈا سانس بھرتی قریب چلی آئیں۔

''کیا سوچا ہے تم نے؟'' ان کے سوال پر وہ یوں چونکی جیسے گہری نیند سے جاگی ہو اور خالی خالی نظروں سے انہیں تکنے لگی۔

''سمیعہ تمہیں نہیں لگتا کہ تم ایک کے بعد دوسری حماقت کرنے جا رہی ہو؟'' انہوں نے اُس کی شاکی نظروں کو محسوس کیا تو کسی قدر غصے سے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے گویا ساتھ ہی کھینچا تانی بھی کرنے لگیں۔

''پہلے تم نے محض دولت و جائیداد کے لالچ میں سرمد کو وہاں بھیجا جب کہ تمہیں پتا بھی تھا کہ وہاں اس کی منگیتر موجود ہے۔ تم کوئی ایسی بھی حسین و جمیل نہیں تھیں کہ وہ اس کے حسن کے جال سے نہ نکل سکتا۔ وہاں اگر اس نے شادی کی تو تمہاری حماقت کی وجہ سے۔ اب اپنا بھگتان تمہیں بھگتنا ہو گا۔ ورنہ سوچ لو، بچوں اور شوہر کے بغیر ایسی ہی بے رنگ اور ویران زندگی گزارنا پڑے گی۔ ایک بات میں تمہیں اور بتا دوں۔ اب تمہاری بھاوجیں تمہیں مزید اس گھر میں برداشت کرنے والی نہیں ہیں۔ آج جو تمہیں دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتی ہیں، کل تمہیں باتیں بھی سنائیں گی اور دنیا ہمیشہ عورت کو ہی قصور وار ٹھہرایا کرتی ہے۔ چاہے وہ قصور وار ہو نہ ہو۔ سرمد تمہیں منانے آتا رہا مگر تم ضد پر قائم رہیں۔ تمہیں یہ سمجھوتا کرنا ہے اس لیے بھی کہ دوسری شادی نہ تو کوئی جرم ہے نہ گناہ۔''

''مگر میں سوتن کا عذاب برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ صرف میرا نہیں ہے یہ خیال میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔'' وہ سسک اٹھی تھی۔

امی نے تاسف سے اسے دیکھا۔ ''اگر یہ بات ناقابلِ برداشت ہوتی تو خدا کبھی اسے جائز قرار نہ دیتا سمیعہ۔ تم جانتی ہو نا، خدا کبھی کسی پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ پھر ضروری نہیں کہ خدا اپنے بندوں کی ہمیشہ آزمائش ہی کرے۔ اکثر انسان کو اپنے اعمال کی سزا بھی بھگتنا پڑتی ہے۔ اب تم سوچ لو، تمہیں دونوں میں سے کس راستے پر چلنا ہے۔ میں نے تو تمہیں دونوں سمجھا دیے۔'' انہوں نے ناراضگی سے کہا اور اٹھ کر چلی گئیں۔

سمیعہ کی آنسوؤں سے دھندلاتی نظروں میں پہلی بار سوچ اور تفکر کا رنگ اترا تھا۔

☆......☆

سرمد اپنے دھیان میں مگن وہاں تک آیا تھا مگر وہاں پہلے سے روشانے کو دیکھ کر گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔ روشانے اسی وقت ہاتھ کی پشت سے گیلی آنکھیں رگڑتے ہوئے مڑی تھی۔ اسے دیکھا اور سر جھکائے قدم بڑھا دیے۔ سرمد نے اپنے ساتھ لائے پھول قبر پر نچھاور کیے اور فاتحہ پڑھنے لگا۔ منہ پر ہاتھ پھیر کے واپسی کو پلٹا تو روشانے کو بوڑھے برگد کے چوڑے تنے سے ٹیک لگائے کھڑے دیکھ کر چونکا۔ وہ بہت اطمینان سے گویا اسی کی منتظر تھی۔

''تم گئی نہیں؟'' وہ قدم بڑھا کر اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔ چہرے پر سنجیدگی رقم تھی۔

''آپ کا انتظار کر رہی تھی۔'' وہ نظریں جھکائے بولی تو سرمد کو گویا جھٹکا لگا تھا۔ پھر کسی قدر خراب موڈ کے ساتھ جتلا کر بولا۔

''اس کے باوجود کہ ہمارے راستے ایک نہیں ہیں؟'' روشانے نے پلکیں اٹھائی تھیں اور بہت دیر تک اسے دیکھا۔

''اب آپ کی بیوی مان گئی ہے۔ آپ کا گھر مکمل ہو گیا ہے۔ شاید تب ہی اب آپ کو میری ضرورت نہیں رہی۔'' رقت آمیز آواز میں کیا گیا یہ شکوہ تھا یا الزام۔ سرمد کو متحیر کر گیا تھا۔ اس نے ٹھٹھک کر اس نازک کامنی سی لڑکی کو دیکھا۔

''تم شاید بھول رہی ہو روشنی، یہ تمہارے ہی کہے الفاظ تھے جنہیں میں تم کو یاد دلانے کا جرم کر رہا ہوں۔''

''تو کیوں کر رہے ہیں یہ جرم آپ؟ اگر میں وہ سب کچھ بھولنا چاہتی ہوں تو ضروری ہے کہ آپ یاد دلائیں مجھے؟'' وہ جھنجھلائی۔ سرمد اس کی بے نیازی پر حیران رہ گیا۔

''بہت بہتر جناب! آئندہ یہ گستاخی نہیں ہو گی، مگر یہ تو بتا دیں یہ معجزہ ہو کیسے گیا؟''

''یہ قسمت کی لکیروں اور تقدیروں کا کھیل تھا سارا، جس کے سامنے انسان ہمیشہ کا بے بس ہے! آپ بھی غلطی پر تھے مگر معاف کرنے میں بہت عظمت ہے۔ سرمد میں نے معافی کے راستے کو اپنایا ہے تو پُرسکون ہو رہی ہوں۔'' اس کے سوال پر روشانے نے گہرا سانس بھر کے جواب دیا۔

''واپسی کا یہ سفر کتنا آسودہ، خوش کن اور دلنشیں ہو گیا تھا کہ پہلی بار روشانے کے قدم ہی نہیں اس کا دل و ذہن بھی سرمد ہمراہ چل رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

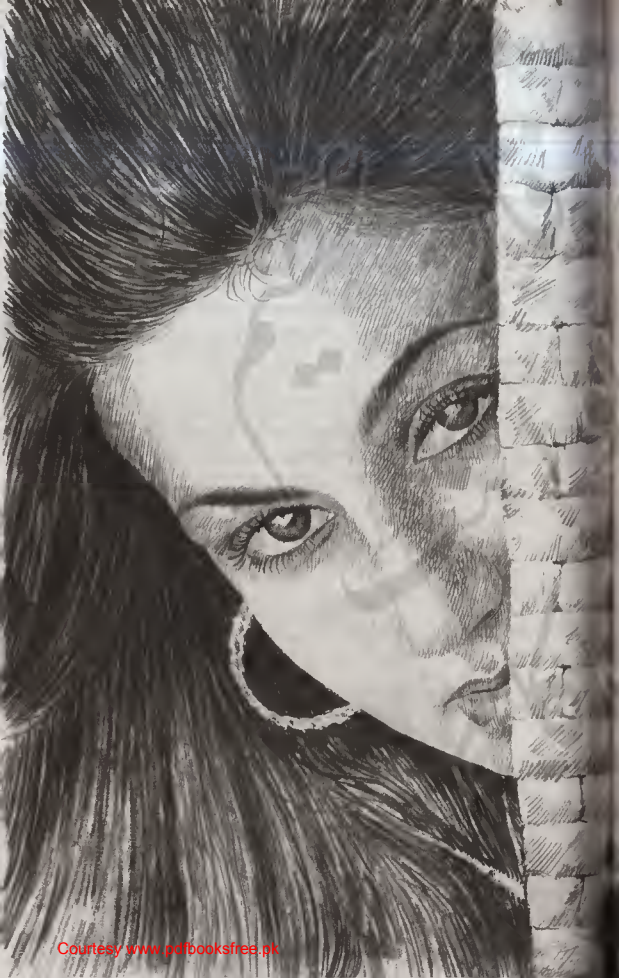

سلسلۂ خاص

ارم زہرا

چاند میرا منتظر

ہمارے اطراف میں سانس لیتے کرداروں سے سجے، سلسلہ وار ناول کی دسویں قسط

گوہر ایک بھرے پرے، روایات سے جڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ قسمت اسے رضا بیگ جیسے بندے سے یونیورسٹی میں ملا دیتی ہے۔ گوہر شادی کے بعد رضا کے گھر آجاتی ہے۔ رضا کی ایک بہن سبیکہ ہے اور ماں صولت بیگم، باپ سائیں رئیس بیگ ہیں۔ صولت بیگم خواہشوں کے حصول کے لیے ہر ناجائز حربہ استعمال کر کے تن تنہا اس خاص مقام تک پہنچی ہیں۔ جہاں امیر زادے ان کی ایک ابرو کی جنبش پہچانتے ہیں۔ سبیکہ بیگ ماں کا دایاں بازو بننے کے لیے تیار ہے۔ دونوں ماں بیٹی ہائی سوسائٹی کی جان بن چکی ہیں۔ گوہر کا بھائی فاضل ہے۔ مطالعے کا بے حد شوقین ہے مگر انٹر تک تعلیم حاصل کر پایا ہے۔ گھر میں ذکیہ بیگم کی راجدھانی ہے۔ بہودیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قدسیہ اور کشور اس گھر میں آل اولاد سمیت ہنسی خوشی، دکھ سکھ بانٹتی زندگی گزار رہی ہیں۔ ذکیہ بیگم کی نواسی ہانیہ بھی یہیں رہتی ہے جو اپنی ماں کے انتقال کے بعد باپ سے بھی دور ہے۔ گوہر کے لیے آہستہ آہستہ رضا کے گھر کا ماحول اجنبی ہوتا جا رہا ہے۔ بہت سارے سوال جواب طلب ہیں اور جب اس پر کچھ حقیقت آشکار ہونے لگی تو ہانیہ ماموں فاضل کے لیے کڑھتی رہتی ہے۔ کسی نہ کسی طور اس نے فاضل کو آگے تعلیم حاصل کرنے کے لیے راغب کرلیا۔ فاضل کی کتابوں سے دوستی اسے لائبریرین کے روپ میں لے آئی۔ سائیں رئیس اپنے گھر سے اب بھی دور ہیں۔ سبیکہ اور صولت بیگم دن بدن کھل کر گوہر کے سامنے آتی جا رہی ہیں۔ رضا کی گوہر سے محبت عروج پر ہے۔ جو ماں بیٹی کے لیے فکرمندی کا باعث ہے۔ سبیکہ فاضل میں دلچسپی لے رہی ہے مگر فاضل اس کے ناز و ادا کے جال میں کسی طور پر نہیں آ پا رہا۔ ذکیہ بیگم کے گھر کی رونقیں آباد ہیں، ہانیہ امتحان میں بہت اچھے نمبر حاصل کر لیتی ہے۔ آگے پڑھنے کے لیے اسکول سے اسے استعفیٰ دینا پڑتا ہے اسکول والے اس کے لیے الوداعی پارٹی کا اہتمام کرتے ہیں اور...... فاضل کی ملاقات فرح نامی لڑکی سے ہوتی ہے۔ وہ اس میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ ہانیہ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیتی ہے۔ وہاں کا ماحول اسے خوب راس آتا جا رہا ہے اور اس کی علمی تشنگی سیراب پانے لگی ہے۔ سبیکہ شہرت کے زینے پر قدم رکھ چکی ہے۔ اس کا بوتیک اعلیٰ پیمانے پر لانچ ہو چکا ہے۔ صولت بیگم، سبیکہ کو اپنی جانشین بنانے کی پوری تگ و دو میں مصروف ہیں۔ سبیکہ ہائی سوسائٹی موو کر رہی ہے مگر اس کا خون اسے اکثر احتساب کے کٹہرے میں کھڑا کر دیتا ہے۔ وہ قسمت کے دوراہے پر کھڑی ہے۔ گوہر اور رضا سائیں رئیس سے ملنے آبائی حویلی پہنچ گئے۔ وہاں ان کا خوب خیر مقدم کیا گیا۔ سائیں رئیس اپنے آبائی گوٹھ سے الیکشن لڑنے کی پوری تیاری کر لیتے ہیں۔ اس بات کی خبر صولت بیگم کو ہو جاتی ہے۔ سبیکہ کی بوتیک کے فنکشن میں اس کی سہیلی سارہ، کچھ بڑے لوگوں کی نظروں میں آ جاتی ہے۔ صولت بیگم سے جب سارہ کے متعلق بات ہوتی ہے تو وہ سبیکہ پر سارہ کو لائن پر لانے کے لیے دباؤ ڈالتی ہیں۔ سبیکہ کو اس سے خود سے نفرت محسوس ہوتی ہے مگر صولت بیگم شاطر کھلاڑی ہیں۔ وہ خود سے سارہ کو فون کر کے گھر بلا لیتی ہیں اور پھر اسے لفظوں کے سحر میں جکڑ کے روشنیوں کی دنیا کے خواب اس کی آنکھوں میں بھر دیتی ہیں۔ ہانیہ کے کالج میں مشاعرے کا انعقاد ہوتا ہے، جس میں ایک سیلبریٹی "ریان علی" مہمانِ خصوصی کے فرائض انجام دیتا ہے۔ اس کی شخصیت ایک سحر لیے ہوئے تمام طلبہ و طالبات پر فسوں پھونک دیتی ہے۔ طلال اس موقع پر بھرپور داد لیتا ہے اور پھر ہانیہ کا انداز ریان علی کو اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے...... **اب آپ آگے پڑھیے:**

''عجیب انداز ہے آپ کا، بابا سائیں کے بجائے آپ غیروں کے حق میں بات کر رہی ہیں۔ کیوں ماما، آپ ہمیشہ ایسا ہی کیوں کرتی ہیں۔ آخر کیا بات ہے۔ آپ بابا سائیں کو کیوں اتنا نظرانداز کرتی ہیں؟'' رضا کا لہجہ الجھن کا شکار تھا۔

''بس پڑھا دی پٹی تمہارے بابا سائیں نے، جس ماں اور بہن کے ساتھ تم نے زندگی گزاری۔ ان کی خوشیوں کو ٹھکرا کر اپنے بابا سائیں کے جھوٹے رعب و دبدبے کو دیکھ کر مسحور ہو گئے۔ تمہیں ذرا احساس نہیں کہ سبیکہ نے تمہیں کتنا مس کیا؟''

''جانتا ہوں مگر میں مجبور تھا اگر آپ لوگ مجھ سے ڈسکس کر لیتے تو میں بوتیک اوپننگ کے بعد چلا جاتا مگر آپ دونوں تو شاید مجھے اس گھر کا فرد ہی نہیں سمجھتے۔'' رضا کی پیشانی پر موٹی موٹی لکیریں اس کے غصے کا اظہار کر رہی تھیں۔

''تم جو اپنی بیوی کو پیارے ہو گئے ہو۔ اب کہاں تمہیں کوئی خبر رہتی ہے۔ ویسے وہ خود سر ہے کہاں، تمہارے بابا سائیں تو اس سے مل کر بہت خوش ہوئے ہوں گے۔ ان ہی جیسی فیملی سے تعلق رکھتی ہے ناں وہ، بالکل تمہارے بابا سائیں کے جیسے خیالات ہیں اس کے بھی۔'' وہ استہزائیہ سی ہنسی کے ساتھ رضا کی طرف مڑیں۔

''ماما پلیز، آپ گوہر کے بارے میں کیسے خیالات رکھتی ہیں۔ وہ تو آپ کی اتنی عزت کرتی ہے۔'' رضا سے اس سے آگے کچھ بولا نہیں گیا۔ بس سر پر ہلکا سا گھونسا مار کر رہ گیا۔

''عزت! Well done ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ تو اس کو میں نے باز رکھا ہوا ہے۔ ورنہ وہ جس طرح مجھے

اور سبیکہ کو اپنے راستے سے ہٹا کر اس گھر کی مالکن بننے کے خواب دیکھ رہی تھی، وہ ناقابلِ معافی ہے۔''

''ماما بس کریں۔ آپ کیوں اس بے چاری پر بے بنیاد الزامات لگائے چلی جا رہی ہیں۔'' رضا نے برہمی سے کہا۔ تو صولت بیگم اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔

''بس، بس واپس آ گئے ہو شہر تو تمیز سے رہو اور اگر تم اور تمہاری بیوی نے گنواروں والا انداز اختیار کیا ہے تو تم دونوں کو وہیں تمہارے بابا سائیں کے پاس شفٹ کر دوں گی۔ پسند کی شادی کیا کرا دی کہ ایک سر پر ناچ رہی ہے اور دوسرا اس کے رقص پر مرمٹے جا رہا ہے۔''

گوہر کے کانوں میں صولت بیگم کی چنگھاڑتی آوازیں، اس دماغ کے تاروں کو منتشر کر چکی تھیں۔ آنسو جو بے قابو تھے اب شدت سے بہہ رہے تھے۔ الفاظ لبوں میں قید ہو چکے تھے۔ بس وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنے ضبط کا امتحان لے رہی تھی۔ رضا کے قدموں میں ہلکا سا لرزہ طاری ہو گیا۔

''اف! گوہر نے ساری باتیں سن لیں۔'' اس کے اندر کا جوار بھاٹا جو بڑی مشکل سے اعصاب کو نارمل رکھے ہوا تھا۔ وہ ایک دم سے پھٹ گیا۔

''پلیز نہیں رو۔'' وہ گوہر کی دہکتی نظروں کا سامنا نہیں کر پا رہا تھا۔

''رضا میں کس جرم کی پاداش میں یہ سزا کاٹ رہی ہوں یا پھر اس لیے ناں کہ میں رضا بیگ کی بیوی ہوں یا شاید اس لیے کہ میں آپ کی بہن کو صحیح راستے پر لانے کی کوشش کر رہی ہوں۔'' وہ سسکی، کنپٹیوں پر رگوں کے بجائے سخت لوہے کی تاروں کا جال بچھا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

رضا ایک طویل گہری سانس بھر کر چپ ہو گیا۔ گھر کی دہلیز جیسے ان کے لیے اجنبی ہو چکی تھی۔

☆......☆

''واہ کیا مشاعرہ تھا۔ طلال تو میدان مار لے گیا۔'' خوشبو یونیورسٹی گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے ہانیہ سے منہ بگاڑتے ہوئے بولی۔

''ہمیشہ اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنے والا لڑکا اس دن سب کے سامنے کیسے اتنی تہذیب سے کلام پیش کر رہا تھا؟''

''اس کے کلام میں واقعی جان تھی اور ویسے بھی سب ہی کو جج نے سراہا۔'' ہانیہ نے راہداری عبور کرتے ہی بینچ کی طرف تیزی سے اپنے قدم بڑھائے تو خوشبو پیچھے رہ گئی۔

''ویسے کیا ڈیشنگ جج ہیں ناں، میرا تو دل چاہتا ہے۔''

''کیا؟'' ہانیہ نے پلٹ کر دور کھڑی خوشبو کو دیکھا۔

''تمہارا دل کیا چاہتا ہے؟'' ہانیہ نے بھی اسی کے انداز میں سوال داغا۔

''یہ تو وقت بتائے گا مس ہانیہ، ابھی تو خوشبو سفر میں ہے۔'' وہ چہکی۔

''تمہاری دماغی حالت پر مجھے شبہ ہو رہا ہے؟''

''میرا مطلب ہے، ابھی تو میں خیالات کے سفر میں ہوں۔''

ایک دم ہی ہانیہ کے چہرے پر مسکراہٹ کا ہالہ نمایاں ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اڑالو مذاق میرا، میں کیا کرتی، گھبرا گئی تھی۔ مجمع دیکھا تھا اف توبہ توبہ۔ کوشش کچھ کر رہی تھی بولنے کی، زبان سے کچھ نکل رہا تھا۔" اب وہ باقاعدہ ہانیہ کے برابر میں بیٹھی نوٹس کے صفحے پلٹ رہی تھی۔

"بھئی اب سیریس ہو جانا چاہیے۔ ایگزیمز کی ڈیٹ اناؤنس ہو چکی ہے۔" ہانیہ نے اسے یاد دلایا تو وہ بھی اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

"ہیلو مادام!" طلال نے ہانیہ کی طرف پھولوں کا بکے بڑھایا۔

"یہ کس لیے؟" وہ حیرت سے الجھ گئی۔

"کل آپ کا نیا انداز تکلم دیکھا تو یہ ناچیز حیران رہ گیا۔ سوچا، آپ کو داد دوں، تو خیال آیا خالی ہاتھ جانا اچھی بات نہیں اس لیے۔"

"اس لیے تم پھول اٹھا کر لے آئے۔" خوشبو نے کاٹ کھانے والی نظروں سے طلال کو گھورا۔

"تو گلاب دینے میں کیا برائی ہے؟" طلال نے دوبدو جواب دیا۔

"یہ تو میں تمہیں ابھی بتاتی ہوں۔ لوفر کہیں کے۔" خوشبو ہاتھ جھاڑتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔

"ویسے تمہیں کون دے رہا ہے یہ تو میں، مس ہانیہ کے لیے لایا ہوں۔ کل ان کی شاعری سے دلچسپی دیکھ کر میں ازحد خوش ہوا تو سوچا......" ابھی وہ آگے کچھ بولتا کہ خوشبو نے اسے خاموش کرا دیا۔

"سوچا کہ موقع ہے لائن مار لوں۔" خوشبو نے لفظ چبا چبا کر ادا کیے۔

"ارے میں نے ایسے کب سوچا اور نہ ہی کہا۔" طلال گڑبڑا گیا تھا۔

"کیوں بھئی یہاں کیا ہو رہا ہے؟" ایم اے فائنل کا ساجد اچانک ہی سامنے آ کر انہیں متوجہ کرتے ہوئے بولا تو تینوں ہی سنبھل گئے۔

"کچھ نہیں ساجد بھائی، یونہی ہم پھولوں کے مسائل حل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔" طلال کی بتیسی نکلی جب کہ ہانیہ محتاط انداز میں کھڑی ہوگئی۔

"پھولوں کے مسائل؟" ساجد نے ذومعنی انداز میں کہا تو خوشبو کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"ہاں بھئی طلال یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے کہ ان خوب صورت پھولوں کی جگہ طلال کے ہاتھوں میں ہے نا کہ اس بینچ پر۔"

خوشبو چیونگم چباتی ہوئی بولی تو ساجد نے تینوں کو ایسے دیکھا جیسے مائیکرواسکوپ سے سلائیڈ پر امیبا۔

"جاؤ یار اپنا کام کرو ہم تو بس ایسے ہی گپ شپ کر رہے تھے۔" طلال نے ساجد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اس کے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بھیجنا چاہا۔

"گرلز اگر یہ تنگ کرے آپ کو تو مجھے یاد کر لیجیے گا۔ اس کی پہلے بھی دو شکایتیں میرے پاس آ چکی ہیں۔" ساجد، ہانیہ اور خوشبو کی طرف مڑا۔

"دو شکایتیں؟" ہانیہ نے برجستہ کہا۔

"ہاں یہ شاید پارٹ ٹائم میں سیلز مین ہے۔ اس کے پاس سے ایسے گلاب اکثر برآمد ہوتے رہتے ہیں۔ اس چکر میں میرے ڈیپارٹمنٹ کی ایک لڑکی سے پٹ بھی چکا ہے۔" ساجد نے خالص رپورٹر والے انداز میں اپنی بات مکمل کی۔

ہانیہ اور خوشبو کھلے منہ کے ساتھ "آ......" کر کے رہ گئیں۔

☆......☆

"اوئی، اماں، بجو، دادی، چاچی ارے کوئی ہے......آ......" صالحہ کی دلخراش چیخ سن کر ایک کے بعد ایک سارے ہی کمرے میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ صالحہ تھر تھر کانپتی پھٹی آنکھوں سے سامنے والی دیوار کو گھور رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" حفصہ نے بے اختیار سوال کیا۔

"ہائے حفصہ، میں مر گئی۔" وہ بدحواس سی پنجوں کے بل اچھل رہی تھی۔

"ارے ہوا کیا ہے؟" جبران نے بیچ میں ٹوہ لی۔

"چھپکلی تھی ابھی اس دیوار پر۔ یقیناً پردے کے پیچھے گھس گئی ہوگی۔" صالحہ نے اٹکتے اٹکتے کہا۔

حفصہ، جبران اور عماد دونوں نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"بتاؤ تو کہاں ہے؟" عماد نے پردے کو آگے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں پلیز رہنے دو۔ وہ ابھی یہیں تھی۔ اف کتنی موٹی اور گندے سے رنگ کی ہے۔" صالحہ پر ہیبت طاری تھی۔

"یہاں کیا تماشا چل رہا ہے؟" کشور بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

"تم لوگوں کی چیخ و پکار سے اماں ڈسٹرب ہو رہی ہیں۔ نماز تو پڑھنے دو ان کو۔"

"ارے چاچی، اس پردے کے پیچھے موٹی سی چھپکلی ہے۔" صالحہ نے ڈرتے ڈرتے کہا تو کشور کی بھی جان نکل گئی۔

"ہاں، ہاں تو بھگاؤ اسے، بھئی میں جا رہی ہوں۔ مجھے بڑے کام ہیں۔ دیکھو اسے مار دینا، پتا چلے ڈھیٹ بنی پورے گھر میں گھومتی رہے۔" کشور ادھورے مشورے دیتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

"یہ بھی پکی ڈرپوک ہیں۔" حفصہ نے آہستگی سے کہا۔

"تو تم کون سی کم ہو۔" عماد نے قہقہہ لگایا۔

"ارے رکو، ابھی ملتی ہے، دیکھنا ایک منٹ میں مار ڈالوں گا۔" جبران بہادر بننے کا یہ گولڈن چانس کیسے مس کر سکتا تھا۔

"ہاں اسے مار کر میرے ہاتھ پر رکھنا۔ اس کو دم سے پکڑ کر باری باری ایک ایک کے پاس لے کر جائیں گے تاکہ سب اچھے سے لعن طعن کر لیں۔" عماد فاتحانہ انداز میں کھڑا تھا۔

"کیا؟ گندے تم اسے دم سے پکڑ کر پورے گھر میں گھومنے کا شوق رکھتے ہو؟ آخ......" صالحہ نے منہ بنایا۔

"ارے پہلے چھپکلی تو ڈھونڈ لوں۔" حفصہ نے شرارت بھرے لہجے میں کہا تو دونوں میں سے ایک پردے کو اِدھر اُدھر کھسکانے لگا تو دوسرا دیوار پر آویزاں فریم اتارنے لگا۔

"یہ مل گئی۔" عماد چیخا۔

"ہائے کہاں ہے؟" حفصہ عماد کے پیچھے بھاگی۔

"مجھے نہیں دیکھنا پلیز، کمبخت بہت موٹی ہے۔ مار دو اسے۔" دونوں آنکھیں میچے ہوئے صالحہ بڑبڑا رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”یہ شیلف کے پیچھے ہے۔“ عماد نے انگلی کا اشارہ کیا تو جبران نے جھٹ چپل اتاری اور کھینچ کر ماری مگر موٹی تازہ چھپکلی بڑے ہی پُرسکون انداز میں بک شیلف کے پیچھے کسی مصور کے پورٹریٹ کی طرح چسپاں ہی رہی۔

”ہائے اللہ کیا مرگئی؟“ حفصہ نے بے اختیار پوچھا۔

”ارے تمہارا نشانہ ہی چوک گیا۔ لاؤ میں یہاں سے مارتا ہوں۔“ عماد نے چپل اٹھائی اور چھپکلی کی طرف پیش قدمی کی تو دونوں لڑکیاں گھبرا کر ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر پیچھے ہٹ گئیں۔

”ایک ہی بار میں مرگئی دیکھا!!“ عماد مری ہوئی چھپکلی کے پاس فاتحانہ انداز میں کھڑا اس کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

”ہائے یہ تو واقعی مرگئی۔“ حفصہ نے قدرے قریب آتے ہوئے چھپکلی کو ایسے دیکھا گویا اسے عماد کے ماہر نشانہ باز ہونے پر شک ہو۔

”اف مر کر بھی کتنی معصوم لگ رہی ہے بے چاری۔“ عماد نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”کہیں یہ ابھی چل تو نہیں پڑے گی۔ سہی سے دیکھو واقعی مری ہے یا ایکٹنگ کر رہی ہے۔ پتا چلا ابھی سامنے والی دیوار پر مزے سے گھوم رہی ہو۔“ صالحہ نے پھٹی آنکھوں سے چھپکلی کو گھورتے ہوئے کہا۔

”اب کیا مجھے اس کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ جاری کرنا ہوگا یا پھر آپ کی تسلی کے لیے میں اس کی دھڑکن چیک کروں۔“ عماد اپنی سینڈل پائیدان پر رکھتے ہوئے بولا۔

”ارے چلو نکلو یہاں سے ہمارا کام تو ہوگیا۔ اب یہ دونوں اسے پھینکتی رہیں گی۔ اف ایک چھوٹی سی چھپکلی سے ڈرتے ہو تم دونوں، ڈرپوک کہیں کے۔“ جبران نے قدرے جھنجلا کے کہا تو صالحہ اور حفصہ کی جان نکل گئی۔

”کیا اس چھپکلی کو ہم پھینکیں گے۔ نہیں پلیز عماد اسے باہر پھینک آؤ۔ کم از کم میں تو اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔“ حفصہ نے فیصلہ سنایا۔

”کس نے کہا تھا اسے مارو، بھگا دیتے، اس سے اچھا تو یہی تھا۔“ صالحہ نے عماد کو گھورا۔

”چھپکلی نہیں ہوگئی، شیر کا بچہ ہوگیا۔“ جبران نے چڑ کر جواب دیا۔

”بھئی ہٹاؤ اسے یہاں سے۔ مجھے تو لگ رہا ہے ابھی یہ زندہ ہو جائے گی۔“ صالحہ کے کہتے ہی جبران بول پڑا۔

”ہاں زندہ ہوتے ہی سیدھے تمہارے کپڑوں میں ہی گھسے گی کیونکہ تم نے ہی اس کی موجودگی کا اعلان کیا تھا۔“

”ہائے حفصہ نہیں، میں مر جاؤں گی۔ خدا کے واسطے اسے یہاں سے ہٹاؤ۔“ صالحہ کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو رواں ہو چکے تھے۔

”اف اتنا غم۔“ عماد ہنسا اور پھر آگے بڑھ کر اس نے جھاڑو کی مدد سے چھپکلی ڈسٹ بن میں ڈال دی اور ڈسٹ بن صالحہ کے آگے سرکا دیا۔

وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹی اور مضبوطی سے حفصہ کا بازو تھام کر کھڑی ہوگئی۔

”کمال ہے کوئی اتنا بھی ڈرپوک ہوتا ہے۔“ عماد نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

”ہیرو بننے کا شوق ہے تو کام بھی کرو۔“

”مطلب کیا ہے آپ کا؟“ عماد نے جبران پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے حفصہ کو دیکھا۔

”یہی کہ ڈسٹ بن کو یہاں سے باہر لے جاؤ۔“ اسے چھپکلی سے شدید گھن محسوس ہو رہی تھی۔

”ہاں، پلیز۔“ صالحہ نے بھی اصرار کیا۔

”لاحول ولا۔“ جبران نے ڈسٹ بن اٹھایا اور گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔

ہانیہ اور خوشبو ابھی یونیورسٹی کے مین گیٹ سے نکلی ہی تھیں کہ ایک سفید کرولا اُن کے سامنے آکر رکی۔

”یہ تو ریان علی ہے ناں؟“ خوشبو نے آنکھیں بند کر کے دوبارہ کھولیں، جیسے خود کو خواب سے جگایا ہو۔

”ہاں ہے تو وہی۔“ ہانیہ نے سوٹ بوٹ میں ملبوس ڈرائیو کرتے ریان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”چلو آؤ ملتے ہیں۔“ خوشبو نے ہانیہ کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا تو وہ واپس کھینچ کر رہ گئی۔

”ہاؤ آر یو سوئیٹ گرلز؟“ ریان نے برجستہ دونوں کو مخاطب کیا۔

”وی آر فائن۔“ خوشبو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”ایک منٹ، میں ذرا گاڑی پارک کرلوں۔“ ریان نے تیزی سے گاڑی پارکنگ لاٹ کی طرف موڑ دی۔ ہانیہ نے خوشبو کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا۔ ”یہ مسٹر دوبارہ یونیورسٹی میں!! اور خوامخواہ فری ہونے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟ میں تو جا رہی ہوں، تم نمٹتی رہنا۔“ ہانیہ نے بیزاری سے اُسے گاڑی لاک کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا، اُن کی طرف آتا نظر آیا تو ہانیہ پشت اُس کی طرف کر کے، دوبارہ خوشبو کو کنوینس کرنے لگی۔

”تم چل رہی ہو گھر یا میں اکیلے ہی جاؤں؟“

”ہاں ناں، گھر ہی جاؤں گی، دھمکی کیوں دے رہی ہو؟“ خوشبو نے کندھے پر پڑا بیگ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

”کیسی ہو سوئیٹ کزن؟“ سوچا، آج تمہیں یونیورسٹی سے پک کرلوں اور پروفیسرز کی سے بھی مل لوں، مشاعرے والے دن سے خاصی آفر کر رہے ہیں کہ ایک کپ چائے اُن کے ساتھ ہو جائے۔“ ریان مسکراتا ہوا خوشبو سے مخاطب تھا۔

”خوشبو کی تو جیسے جان نکل چکی تھی، اتنے عرصے سے جو بات وہ ہانیہ سے چھپا رہی تھی، اُس کے یوں طشت اَزبام ہونے سے وہ بُری طرح بوکھلا گئی تھی۔

”اوہ کزن؟“ ہانیہ نے طنزیہ نظروں سے خوشبو کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور مس ہانیہ آپ کیسی ہیں؟“ ہوا سے اُڑتی زلفوں کو سنوارتے ہوئے، وہ اَب ہانیہ سے مخاطب تھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ اُس نے آہستگی سے کہا اور شولڈر پر پڑے بالوں کو پیچھے کیا۔

”اوہ، مم...... مم ہانیہ میری جان اصل میں، میں تمہیں سرپرائز دینا چاہ رہی تھی۔ وہ کیا ہے ناں کہ ریان......“ خوشبو اپنی بات مکمل کرنا چاہ رہی تھی کہ ہانیہ نے اُسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

”ریان علی تمہارے کزن ہیں ناں؟“ ہانیہ نے چڑ کر جملہ مکمل کیا۔

”آپ کو ہمارے کزن ہونے پر اعتراض ہے کیا؟“ ریان نے آہستگی سے پوچھا۔

”اچھی ایکٹر ہو تم۔“ ہانیہ دبے لفظوں میں خوشبو کو گھورتے ہوئے بولی۔

”اُفوہ ریان بھائی، میں نے اس سے یہ بات چھپائی ہوئی تھی۔ سارا سرپرائز آپ نے ختم کر دیا اور اب یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھ سے ناراض ہو رہی ہے۔'' خوشبو نے جلدی، جلدی تیز لہجے میں اپنی بات مکمل کی۔

''اوہ آئی سی، سوری کیوٹ گرل۔ چلیں مس غصہ دور کیجیے، آپ کی خوب صورتی کو زیب نہیں دیتا۔'' خوشبو کے چہرے سے نظریں ہٹاتے ہوئے، وہ اب ہانیہ سے مخاطب تھا۔

''اے کاش، یہ ایک دفعہ کی بات مان جائے۔'' خوشبو نے کان پکڑتے ہوئے ہانیہ کو دیکھا اور مسکین سی شکل بنالی۔

ہانیہ کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''سختی تپش ہے آج، چلو تم دونوں کو آئس کریم کھلاتا ہوں۔'' ریان کے دل کی بات اُس کی زبان تک آ ہی گئی۔

''نہیں بھئی، میں لیٹ ہو رہی ہوں۔ مجھے گھر جلدی جانا ہے۔'' ہانیہ کے چہرے پر اُبھرتے تاثرات میں نفی کا عنصر واضح تھا۔

''تو بس سے تو جانے میں اتنا وقت ضائع ہو جائے گا۔ ہم تمہیں گھر پر ڈراپ کر دیں گے۔ پلیز چلو۔'' خوشبو نے التجائیہ انداز میں کہا۔

ریان، ہانیہ کی شخصیت کی دلکشی میں کھویا ہوا تھا۔ تپا، تپا لہجہ، آنکھوں میں برہمی اُس کے چہرے پر انوکھا حسن پیدا کر رہی تھی۔

''دیر ہو رہی ہے پلیز چلو۔ سوچنے کا ٹائم نہیں ہے۔'' خوشبو نے ہانیہ کا ہاتھ گھسیٹا تو ریان بھی سنبھل گیا۔

''یہ لو KEY تم گاڑی میں بیٹھو، میں ذرا پروفیسرز کی اپنی شکل دکھا کر آ جاؤں۔'' وہ گاڑی کی چابیاں خوشبو کو پکڑاتا ہوا ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گیا۔

''خوشبو کی بچی، میرا دل چاہ رہا ہے تمہارا گلا گھونٹ دوں۔'' ہانیہ نے غصے میں دونوں ہاتھ خوشبو کی طرف بڑھا دیے۔

''تو گھونٹ دو، مجھے کوئی اعتراض نہیں، بشرطیکہ تم یہ کر سکو۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ہانیہ اُسے دانت پیس کر گھورنے لگی۔ ''تم نے مجھے چیٹ کیا، سچ مجھے تم سے ایسی توقع نہیں تھی۔''

''بھئی چیٹ ویٹ نہیں کیا، بس یہ نہیں بتایا کہ مشہور شاعر و سنگر ریان علی میرے فرسٹ کزن ہیں، اگر بتا بھی دیتی تو کیا فرق پڑتا۔'' اُس کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''میری بلا سے لیکن مجھے کیوں پھنسایا ہوا ہے۔ میں گھر جا رہی ہوں۔ گھر کے کسی فرد نے مجھے ایک غیر مرد کی گاڑی میں دیکھ لیا تو میرا تو وہ بھرتا ہی بنا دیں گے۔'' ہانیہ سخت خائف نظر آ رہی تھی۔

''اوہ کم آن، تم میرے ساتھ ہو یار، کچھ نہیں ہوتا بس آئس کریم کھا کر تمہیں، تمہارے گھر ڈراپ کریں گے، بس۔'' خوشبو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''خوشبو کی بچی، تم جانتی ہو، میں ایسی لڑکی نہیں ہوں پلیز۔'' ابھی وہ مزید کچھ بولتی کہ ریان تیزی سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتا ہوا بیٹھ گیا۔

''آپ دونوں نے مجھے ڈرائیور سمجھا ہوا ہے؟'' اُس نے خوشبو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھئی ابھی مجبوری ہے۔ دوستی پرانی ہے، ساتھ دینا پڑے گا مجھے۔'' خوشبو نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ ریان کو دیکھا اور بیگ گود سے ہٹا کر سیٹ پر رکھ دیا۔

''او کے جناب۔''

گاڑی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔

''کوئی خاص آئس کریم پارلر چلنا ہے یا کہیں کی بھی آئس کریم چلے گی؟'' ریان نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

''ارے ہمیں تو آئس کریم سے مطلب ہے، کہیں کی بھی ہو۔'' خوشبو نے کہا۔

ایک تو اس کی نگاہوں نے کیا بے دست و پا
اس پر یہ مشکل کہ ابدال بھی من مانی کرے

ریان نے با آواز بلند شعر سنایا تو خوشبو پر بھی گہرا ثر طاری ہو گئی۔

''ریان بھائی، پلیز حالات سازگار نہیں ہیں، اس وقت داد کے بجائے کچھ الٹا سیدھا سننے کو مل گیا تو موردِ الزام مجھے نہیں ٹھہرایے گا۔'' خوشبو نے ترچھی نظریں ہانیہ کی جانب دوڑائیں۔

''میری شاعرانہ حس خوب صورتی کو دیکھ کر بیدار ہو جاتی ہے۔'' ریان نے شوخی سے کہا۔

''خوب صورتی، اوہو۔'' خوشبو نے ہانیہ کو آنکھ ماری۔

''یہ آپ کی دوست اتنا کم کیوں بولتی ہے؟'' ریان نے خوشبو کو Rear View Mirror میں دیکھتے ہوئے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''ارے شکر کریں کہ یہ بولتی ہیں۔''

''یعنی کم گو ہیں۔ کم بولنا بھی کوالٹی ہے ڈیئر کزن، چلو تمہارا فیورٹ آئس کریم پارلر آ گیا۔'' آئس کریم پارلر کے سامنے گاڑی پارک کرتے ہوئے ریان بولا تو ہانیہ نے سکون کا سانس لیا۔

''چاکلیٹ اور وینلا کے دو اسکوپ۔'' خوشبو ہلکی سی ہنسی ہونٹوں میں دبائے اور آنکھوں کو طائرانہ انداز میں گھماتی ہوئی بولی۔

ہانیہ تو جی جان سے سلگ کر رہ گئی۔

''سوری ہانیہ، کیا کروں، تم سے ملنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے موصوف۔'' وہ دانتوں میں انگلی دباتے ہوئے پوری بات بلا تامل کہہ گئی۔

ہانیہ نے ہاتھ میں پکڑا رجسٹر اُس کے سر پر مارا تو وہ سر جھکا کے رہ گئی۔

☆.....☆

آج سہیکہ کی تیاری کا ڈھنگ ہی نرالا تھا۔ جینز اور شرٹ پر کھلے بال، کانوں میں پڑے پرل کے ٹاپس، جس کے دائروں پر گولڈن گلیٹر جیسی چمک اپنی طرف متوجہ کیے دے رہی تھی۔ گلے میں پرل کے موتیوں کا ہار، میچنگ نیل پالش اور ساتھ ہی میچنگ سینڈل، جس کی ہائی ہیل اُس کے وقار کو اور چار چاند لگائے دے رہی تھی۔

''تو سہیکہ بیگ اِس ڈیل کے لیے مکمل تیار ہے؟'' سہیکہ نے ایک طائرانہ نظر اپنے سراپے پر ڈالی اور سائیڈ ٹیبل سے بیگ اُٹھاتے ہوئے لیپ ٹاپ سنبھالا پھر جلدی سے گاڑی پورچ سے نکالتی، اب وہ اُس ٹی نیشنل کمپنی کا رخ کر چکی تھی۔ ٹھیک تین بجے کی اُس کی میٹنگ تھی اور وہ ٹائم سے پہلے پہنچنا چاہتی تھی۔ جب ہی اُس نے گاڑی کی ریس بڑھا دی۔

اِسی دوران سیل کی بیل نے اسے متوجہ کیا۔

''ہیلو سارہ کیسی ہو؟'' سہیکہ نے بڑی خوشدلی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ارے ہارڈ ڈھائیو کر رہی ہوں۔ لمبی بات نہیں کر سکتی۔ یہ بتاؤ کوئی خاص کام؟''

''اوہ ہو یہ تمہارا اپنا Opinion ہے جو دل میں آئے کرو، میں کچھ نہیں جانتی، ماما کی تو عادت ہے کنوینس کرنے کی۔'' ہارن دیتے ہوئے وہ گاڑی اب سائیڈ پر کر رہی تھی۔ ''اچھا سارہ، ابھی میں ایک میٹنگ کے لیے نکلی ہوں، تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔''

سیل فون گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر رکھتے ہی سیکہ نے ایک عالیشان سی بلڈنگ کے احاطے میں گاڑی پارک کر دی، تین بجے کی اپائنمنٹ تھی اور وہ مقررہ وقت سے پہلے ہی پہنچ گئی تھی۔ کاؤنٹر پر اُس نے اپنا کارڈ دیا اور پھر قدرے انتظار کے بعد اُسے سیکریٹری اندر لے آئی۔

''ہیلو میڈم۔''

خوش شکل، رعب دار لہجہ، لمبا قد..... وہ شخص سیکہ کو پہلی ہی نظر میں جاذبِ نظر لگا۔

''ہائے، آئی ایم سیکہ۔'' سیکہ نے فراخ دلی سے ہاتھ بڑھایا اور مصافحہ کیا۔

''نائس ٹو میٹ یو، آئی ایم فائق۔'' ہاتھ کے اشارے سے اُسے بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔

''Well، آپ نے میری بھیجی ہوئی کوٹیشن اور ڈیزائن Accept کیے تھے۔ آج میں کچھ اور نئے ڈیزائن لائی ہوں۔'' سیکہ نے تیزی سے لیپ ٹاپ آن کرتے ہوئے کہا۔

''Sabika`s Boutique سے۔ او کے Display کیجیے۔''

گھنگریالے بال، گورا رنگ، سوٹ بوٹ میں ملبوس یہ شخص خاصا خوبرو نظر آ رہا تھا۔

''یہ دیکھیے!'' سیکہ نے لیپ ٹاپ کا رخ'' فائق کی جانب کر دیا۔

''میڈم یہ بتانا آپ پسند کریں گی کہ آپ کے ڈیزائن میں نیا کیا ہے؟'' لہجہ دھیما مگر قدرے طنزیہ تھا۔

''ارے سارے ہی ڈیزائن نئے ہیں یہ سب میری اپنی Creation ہیں۔ آپ یہ مغلئی ڈیزائن دیکھیے، اتنا خوب صورت بارڈر اور اِس پر بنتی کیریوں پر دیکھیے، کتنا نفیس ورک ہوا ہے۔ یہ کرتی جینز کے ساتھ بہت جچ رہی ہے۔ آپ ماڈل کا Look تو دیکھیے۔'' سیکہ کو یوں ڈیزائن کا ٹھکرانا ذرا پسند نہیں آیا۔

''اوہ کم آن ویسٹرن ڈیزائن میں مغل ٹچ اور باؤڈر۔'' میڈم مجھے اپنی کمپنی کا نام نہیں ڈبونا۔ شاید آپ اِس فیلڈ میں نئی ہیں۔ آپ کے Previous ڈیزائن Much Better تھے۔ اِس لیے میں نے آپ کو کال کر لی تھی۔ بہتر ہوگا کہ آپ مزید اپنے کام میں Improvement لائیں۔''

''What'' آپ سیکہ بیگ کی ڈیزائننگ کو ٹھکرا رہے ہیں، آپ جانتے نہیں کہ.....'' ایک پل کے لیے سیکہ کا دماغ گھوم گیا۔

''سیکہ بیگ، پلیز! اگر آپ مہذب انداز میں بات کریں تو بہتر ہوگا۔ ویسے بھی آپ بہت جلدی میں نظر آ رہی ہیں، بہتر ہوگا کہ آپ ابھی مزید ہوم ورک کریں۔'' فائق نے کمالِ بے نیازی اور دلائل سے اُس کے ڈیزائن کو ریجیکٹ کیا تھا۔

''لڑکیوں سے اِس طرح بات کی جاتی ہے۔'' سیکہ کا دل چاہا اُٹھے اور اُسے اُس کی بدتمیزی کا مزہ چکھا دے مگر وہ دل پر جبر کیے بیٹھی رہی۔

''مِس آپ ابھی غصے میں ہیں۔ پہلے ہماری برانڈ اور ڈیزائن کو اچھی طرح Search کر لیں، پھر اُس کے مطابق ہمیں ڈیزائن بنا کر دیجیے گا۔ یقیناً ہم آپ کے ساتھ ڈیل کریں گے۔ But now I am

sorry۔'' وہ سیٹ سے کھڑا ہو چکا تھا۔

آج نہ سیکہ کی خوب صورتی کام آئی اور نہ اُس کا انداز اور اُس کی محنت پر تو اُس کے ایک جملے نے پانی پھیر دیا تھا کہ اِس میں نیا کیا ہے؟''

وہ کتنی ہی دیر تک گم صم بیٹھی رہی، اُسے اپنے احساسات اور کیفیت پر اتنا قابو نہیں تھا کہ وہ اندر اٹھنے والے طوفان کا مقابلہ کر سکتی، بس خاموشی سے بیٹھی وہ خود کو اِس اذیت ناک لمحوں کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ فائق لنچ ٹائم کے لیے جا چکا تھا۔

''اُف اتنی تذلیل.....'' اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے آفس سے نکل گئی۔

☆.....☆

اپنے کمرے میں آتے ہی وہ بستر پر ڈھ سی گئی۔ فائق کے رویے اور جملوں نے اُس سے سوچنے اور سمجھنے کی ملاحیتیں جیسے چھین لی تھیں۔

''میں کیوں اُس کا منہ نہ نوچ سکی اور میں خاموشی سے سب کچھ سنتی چلی گئی، کچھ بھی نہیں کر سکی۔'' آج اسے ایک اور دنیا کا سامنا تھا۔ خود کو ملٹی نیشنل کمپنی کا مالک کہتا ہے، لیکن اُسے بات کرنے کی ذرا بھی تمیز نہیں۔'' خود کو کوس رہی تھی، لیپ ٹاپ سے اُس نے ساری پکچرز Delete کر دی تھیں اور تو اور اپنے بنائے ہوئے نیو اسکیچز بھی وہ غصے میں ٹکڑے ٹکڑے کر چکی تھی۔

''کیسی ہو سیکہ Congrats ڈیئر، تمہارے بوتیک کی اوپننگ میں، میں نہیں آ پائی لیکن دل کی گہرائی سے تمہارے Future کے لیے دعا گو ہوں۔ کل رات ہی پہنچی تھی تو تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔'' وہ بے نیازی سے لیٹی ہوئی سیکہ سے مخاطب تھی۔

''کیا سو رہی ہو؟ چلو ٹھیک ہے تم آرام کرو، میں بعد میں آتی ہوں۔'' گو ہر آہستگی سے مڑی، لیکن سیکہ کی سسکیاں سن کر پلٹ گئی۔ ''کیا ہوا سیکہ، کیا رو رہی ہو؟'' وہ بے اختیار اُس کے سرہانے بیٹھ گئی۔

''نہیں میرے سر میں شدید درد ہے۔'' اپنی فیلنگز کو دباتے ہوئے اُس نے سر اُٹھایا تو گوہر کی جان نکل گئی۔ اُس کے سرخ پڑتے چہرے اور لال انگارہ آنکھوں کو دیکھتے ہی وہ پریشان ہو گئی۔

''سب خیر تو ہے ناں، کیوں پریشان ہو؟''

''کچھ نہیں بھابی، آئی ایم فائن، بس یونہی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ بابا سائیں کیسے ہیں؟'' وہ بڑی نرمی اور آہستگی سے سوال کر رہی تھی۔

بیڈ کی شکن آلود چادر، اوندھا تکیہ، الٹا پڑا لیپ ٹاپ پوری کہانی بیان کر رہا تھا مگر سیکہ کا مسلسل کچھ نہیں، گوہر کی سمجھ سے بالا تھا۔

''بابا سائیں خیریت سے ہیں، تمہیں بہت مس کر رہے ہیں۔'' ایک اپنائیت نگاہ سیکہ کے چہرے پر ڈال کر وہ دوبارہ کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

''ہم سے دور رہ کر جب وہ مطمئن ہیں تو ہمیں کیا ضرورت اُن کو پریشان کریں۔'' وہ اپنی کنڈیشن کو نارمل کرتے ہوئے بولی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' گوہر نے پھر اُسے اکسایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم جیسے لوگوں سے تمیز سے بات کرلو، تو سر پر کیوں چڑھ جاتے ہو، کہاناں میں ٹھیک ہوں اور ہاں میری بوتیک اوپننگ میں تم نہیں آئیں۔ مجھے اِس کا کوئی دکھ نہیں لیکن تمہاری وجہ سے میرا بھائی جو مجھ سے دور ہوتا جارہا ہے تو اِس کی ذمہ دار، تم ہو صرف تم۔'' ایک دم ہی اُس کی آنکھیں برس پڑیں اور وہ اضطرابی انداز میں دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے سسکیاں لینے لگی۔

''بات کچھ اور ہے سبیکہ، تم بتانا پسند نہیں کرو تو وہ الگ بات ہے۔''

''آئی سی اب تم اِس حد تک آ گئی ہو کہ میرے Personal معاملات میں بھی تم بولو گی۔'' وہ اُٹھی اور واش روم میں گھس گئی۔

''تم لاکھ مجھے ٹھکرادو سبیکہ، تمہارے دل کی پتھریلی زمین پر اپنی محبت کی جڑیں ضرور پیوست کر کے رہوں گی۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔'' گوہر کے چہرے پر اِک نئی سوچ جنم لیتی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

☆......☆

''کیسے ہیں آپ؟'' فاضل کو رجسٹر پر جھکے ہوئے دیکھ کر فرح نے آہستگی سے پوچھا۔

''اوہ آپ، آج سورج کہاں سے نکلا ہے بھئی، پلیز بیٹھیے۔'' فاضل کے چہرے پر خوشی نمایاں تھی۔

''آپ سے ملنے آئی تھی میں نے سوچا کوئی کتاب ایشو کروالوں گی۔'' وہ اُلجھے اُلجھے غائب دماغ پروفیسر کی طرح بولی۔

''یوں کہیے کہ کتاب ایشو کروانے کے بہانے، آپ نے سوچا، مجھ سے مل بھی لیں گی۔'' فاضل نے جملہ درست کیا تو پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بیٹھ گئی۔

''میں تو ڈر گیا تھا کہ دوبارہ آپ کے چاند سے چہرے کا دیدار ہوگا بھی یا نہیں؟'' فاضل نے دل کی بات کہنے میں ذرا دیر نہیں لگائی۔

''جی میں کچھ شیئر کرنا چاہ رہی تھی آپ سے......'' وہ براہ راست فاضل کے چہرے کو تکتے ہوئے بولی۔

''اچھا!'' چہرے پر خوش دلی تاثر سموئے ہوئے فاضل اُس کے چہرے میں کھو گیا۔ جہاں ایک رنگ جا رہا تھا اور دوسرا آ رہا تھا۔

''فاضل صاحب میں......'' اِس سے آگے وہ کچھ کہہ نہیں سکی۔ بظاہر وہ گرم جوشی اور اپنائیت کا مظاہرہ کر رہی تھی مگر اِس گرم جوشی کی تہہ میں جو سرد مہری چھپی تھی اُسے فاضل محسوس کر رہا تھا۔

''آپ کچھ کہنا چاہ رہی تھیں؟'' فاضل نے اُسے کریدا، فرح کا حال دیکھ کر اُس کی فطری مسرت بھی ہوا ہو چکی تھی۔

''کچھ نہیں رہنے دیں۔ کچھ سوچوں کو لفظوں کی قبا پہنا کر بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اُن کا کام تو پریشان ہی کرنا ہے۔'' اُس کے لفظ احساس دلا رہے تھے کہ وہ دل شکستگی کا شکار ہے۔

''عجیب سی بات ہے۔ آپ خود اتنی اُلجھی ہوئی ہیں کہ آپ کو دیکھ کر اور سُن کر میں بھی اُلجھ گیا ہوں۔ خیر یہ بتائیے، چائے پییں گی؟''

''جی ضرور۔''

''لیکن نہیں، مجھے جلدی جانا ہے۔ بس آپ سے بات کرنے آئی تھی۔'' وہ تیزی سے کھڑی ہو گئی۔

''اور کتاب؟'' فاضل کو شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''پھر کبھی سہی۔'' وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے تیزی سے لائبریری سے نکل گئی۔

''آخر یہ مس فرح، مجھ سے چھپا کیا رہی ہیں۔ کیا کہنا چاہ رہی تھیں جو کہہ نہیں پائیں۔'' فاضل ہلکی سی سانس خارج کرتے ہوئے خود سے بولا تھا۔

☆......☆

سر سے پاؤں تک وہ گلابوں کا شجر لگتا ہے
باوضو ہو کے بھی چھوتے ہوئے ڈر لگتا ہے

اجنبی نمبر سے موصول ہوا یہ شعر، ہانیہ کو ایک لمحے میں ہی سمجھ آ گیا تھا۔

''اوہ خوشبو کی بچی، میں جانتی ہوں۔ یہ تمہاری ہی حرکت ہے۔ یقیناً یہ ریان علی کا نمبر ہے۔

وہ تو ہے تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اک نظر تم میرا محبوب نظر تو دیکھو

''اوہ خدایا، یہ ریان علی!! کیا ہو گیا ہے انہیں۔'' ہانیہ نے خود کو شعر کے حصار سے نکالا۔

''ہانیہ ڈیئر، یہ میں ہوں ریان، گستاخی کی معافی۔ یقیناً اِس وقت سو رہی ہوں گی آپ۔''

''اِس Msg کے موصول ہوتے ہی ہانیہ نے موبائل آف کر دیا اور پھر اچانک ہی اُس کے گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھر آئی۔ ایک پل میں ہی اُسے اپنا آپ بہت اہم لگنے لگا۔ وہ جو خود کو ہمیشہ غیر اہم سمجھتی تھی کہ جیسے زبردستی مسلط ہو سب پر، اچانک ہی اُسے احساس ہوا کہ کوئی ہے جو اُسے اہمیت تو دے رہا ہے۔'' لیکن یہ سب کچھ جھوٹ نہ ہو، وہ ریان علی جس پر لڑکیاں مرتی ہیں۔ ایک آٹوگراف لینے اور تصویریں کھنچوانے کے لیے جتن کرتی ہیں۔ وہ ریان علی ہانیہ کو پسند کرنے لگا ہے۔

''آہا!'' استہزائیہ ہنسی کے ساتھ وہ کروٹ لینے پر مجبور ہو گئی اور بے اختیار موبائل آن کرنے لگی۔

باوضو ہو کے بھی چھوتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔

''آج سے پہلے اپنی شخصیت کی اِس سحر انگیزی سے وہ واقف نہیں تھی۔ وہ تو لاپروا، سادہ سی، سب کی خوشیوں میں خوش رہنے والی لڑکی تھی جو نانی ماں نے کہا مان لیا، جو ممانیوں نے کہا سن لیا مگر آج ریان کا ایک شعر اُسے خود اپنی نظروں میں اہم بنا گیا تھا۔

''اچھے وقت سے مجھے ہمیشہ ڈر لگتا ہے، جانے کیوں بہت جلدی گزر جاتا ہے یا پھر شاید مجھے ہی راس ہی نہیں آتا......''

وہ اپنے آپ سے مخاطب تھی۔ وہ خوش بھی تھی لیکن پھر بھی اداسی نے اُس کے اطراف کو گھیر لیا۔ سر بُری طرح دکھنے لگا تھا۔ آنکھوں میں عجیب سی جلن تھی۔ آج ہونے والی ریان سے ملاقات اُس کے تصور میں آباد تھی۔ بار، بار اُس کا دلچسپی سے دیکھنا، شوخ جملوں کی بارش، یہ سب اُسے اچھا بھی نہیں لگا لیکن دل اندر سے کچھ اور ہی گواہی بھی دے رہا تھا۔

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیر بار منت درباں کیے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اِن Msg کے موصول ہوتے ہی وہ بدحواس سی ہو کر اُٹھی اور پھر بیٹھ گئی۔ اُس کے چہرے پر کسی بچے کی طرح معصومیت تھی۔

''میں صبح ہی خوشبو سے بات کروں گی، وہی ریان علی کو سمجھائے گی، منع کرے گی۔ اگر یہ بات آگے بڑھ گئی اور نانو یا فاضل بھائی کو پتا چل گئی تو......''

اُف کتنی شرمندگی کی بات ہے، نہیں......نہیں۔ مجھے صبح ہی خوشبو سے بات کرنی چاہیے۔''

وہ اپنا فیصلہ خود کو سناتی ہوئی، سونے کی ناکام کوششیں کرنے لگی۔

☆......☆

''کیوں سبیکہ کیسی رہی تمہاری میٹنگ؟'' صولت بیگم متبسم نگاہوں سے سبیکہ کو دیکھا۔

''اُف......'' وہ اسی سوال سے بچنا چاہ رہی تھی۔

''ڈارلنگ یہ کیا انداز ہے؟ بتاؤ تو مسٹر فائق کا کیا رسپانس تھا؟ تمہارے اسکیچ پسند تو آئے ناں انہیں؟''

''نام نہیں لیں، آپ اُس فائق کا؟'' ہاتھ میں دبا کشن وہ بدتمیزی سے ہوا میں اچھالتے ہوئے بولی۔ جیسے خود پر چھا جانے والی دحشت کی دُھند سے خود کو آزاد کیا ہوا۔

''جذباتی، کم عقل لڑکی، تمہیں ہوتا کیا جا رہا ہے؟ جتنا اللہ نے تمہیں حسن دیا ہے، اتنی ہی کم عقل دی ہے۔'' وہ قدرے لجاجت سے بولیں۔

سبیکہ کے چہرے پر ایک بار پر پُراسرار خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

''سمجھ گئی، تمہاری جذباتیت نے تمہیں منہ کے بل گرا دیا ہے۔ ہزار بار کہا ہے کہ کول مائنڈڈ رہا کرو مگر تم......'' وہ لہجے کو قدرے پُرسکون کرتی، اب سبیکہ کے انتہائی نزدیک آ چکی تھیں۔

''چلو شاباش اُٹھو اور فریش ہو جاؤ میں خود مسٹر فائق سے بات کرتی ہوں۔''

''نو......قطعی نہیں، اگر آپ نے ایسا کچھ کہا تو میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی۔ میری طرف سے فائق جہنم میں جائے۔'' وہ شدید غصے کے عالم میں دونوں ہاتھوں سے سر تھامے، اَب کھڑی ہو چکی تھی۔

''جانتی ہیں مام، اُس نے میری ساری ڈیزائننگ Reject کر دی ہیں، اِس بات کی تو اُسے بھاری قیمت چکانی پڑے گی، سبیکہ بیگ کو نظر انداز کرنا اتنا آسان نہیں۔'' وہ طیش کے عالم میں برداشت کی انتہاؤں سے گزر رہی تھی۔

''اوہ کم آن، بی ریلیکس، تمہاری نادانی پر مجھے ہنسی آ رہی ہے۔ جانے تمہاری عقل کہاں ہے، اتنا اشتعال۔''

''ماما پلیز، مجھے اس وقت آپ اکیلا چھوڑ دیں۔ میں آپ کی طرح نہیں ہوں۔ بہلاوے اور بہکاوے مجھے نہیں آتے۔ یہ کام آپ ہی کر لیتی ہیں۔ مجھے تو بس اُس فائق کو سبق سکھانا ہے اور اُس کے لیے اب میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ کچھ بھی......'' وہ غصے کی آگ کو اَب کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تم اپنے ہی غصے میں راکھ ہو جاؤ گی اور کچھ نہیں۔ تمہاری ماں ایسے ہی نہیں یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ عورت اگر مرد کا دل نہیں جیتے گی تو پھر کیسے منزل تک پہنچے گی۔ تم فطری اصولوں کو توڑ نہیں سکتیں۔ غصے کے بل پر لڑی جانے والی جنگ تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ صرف تباہی کی طرف......اپنی اداؤں سے، پیار کی چاشنی سے اپنا مقصد حاصل کرو، کیونکہ عورت کے ہتھیار تو یہی ہیں اور پھر دیکھنا منزل خود تمہارے قدم چومے گی۔'' صولت بیگم

قدرے پُرسکون انداز میں اپنے بال سنوار رہی تھیں۔

''کیا چاہتی ہیں آپ، میں اپنی اتنی تذلیل کے بعد بھی اُس فائق کے در پر جاؤں۔'' وہ اپنے بالوں کو سنوارتی صولت بیگم کی طرف مڑی۔

''ہاں پہلے اُس سے دوستی کرو، اپنی خوب صورتی کا احساس دلاؤ۔ اپنی اہمیت جتاؤ، پھر مفاد کی طرف آؤ؟'' وہ مضبوط لہجے میں بول رہی تھیں جیسے کسی سربستہ راز سے سبیکہ کو آگاہ کر رہی ہوں۔

''میں اور اُس فائق سے جا کر ملوں؟'' اگلے ہی پل اُس کے حلق تک میں کڑواہٹ گھل گئی۔

''ماما، وہ میری ڈیزائننگ ریجیکٹ کر چکا ہے۔ اُسے میرے کام میں کچھ نیا پن نظر نہیں آیا۔ مجھے ہر حال میں اُسے بتانا ہے کہ سبیکہ بیگ سب سے الگ ہے، وہ جو کہہ دیتی ہے، وہ کر کے رہتی ہے۔''

''تو تم کیا کرنا چاہتی ہو؟'' صولت بیگم اُسے گھورتے ہوئے بولیں۔

''میں......ہاں میں اپنی ساری ڈیزائننگ اب خود Launch کروں گی۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے قدرے توقف سے بولی۔

''کیا تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ ابھی بوتیک اوپننگ سے فارغ ہوئے ہیں، اَب تم بغیر اسپانسر کے اپنے ڈیزائن Launch کرنا چاہتی ہو؟'' صولت بیگم ہونق لہجے میں بولیں۔

''تو اِس میں کون سی بڑی بات ہے۔ وہ سارے ڈیزائن جو اُس فائق نے ریجیکٹ کر دیے ہیں۔ وہ اِسے دکھانا چاہتی ہوں کہ میرے ڈیزائن کی کتنی ڈیمانڈ ہے۔'' سبیکہ زعم سے بولتے ہوئے صولت بیگم کے سامنے آ چکی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں جیسے سورج ڈھلنے کا منظر اتر آیا تھا۔

''ماما پلیز، ہیلپ می، مجھے چیک کی ضرورت ہے اور اِس کام میں صرف آپ میری مدد کر سکتی ہیں۔'' اِس کی آنکھوں میں بے چارگی اور کرب جھلک رہا تھا اور لہجے میں بے یقینی نمایاں تھی۔

''تم جذباتیت کا شکار ہو اور اگر یہ شدت اختیار کرتی چلی گئی تو تمہاری پی آر پر اثر انداز ہو گا، سبیکہ خود کو اِس سچویشن سے باہر نکالو۔'' وہ آہستگی سے اُس کے دونوں بازو پکڑے اُسے سمجھا رہی تھیں۔

''مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ آپ میری Hellp نہیں کرنا چاہتیں تو مت کریں۔ فضول تقریروں سے مجھے سخت چڑ ہے۔ پلیز چھوڑ دیں مجھے اکیلا۔'' وہ ایک بار پھر چراغ پا ہو رہی تھی۔

''ہاں بہتر یہی ہے کہ تم اِس چار دیواری میں بیٹھ کر کڑھتی رہو۔ اپنی من مانی کی تمہیں عادت پڑ چکی ہے۔ ساتھ ہی میرا بھی دماغ خراب کر رہی ہو، میں ابھی اتنا ہیوی اماؤنٹ تمہیں نہیں دے سکتی، پہلے بزنس کرنے کے گُر سیکھ لو، پھر دیکھیں گے۔'' وہ استہزائیہ سی ہنسی کے ساتھ بولیں۔

''آپ کو میرے اِموشنز کی بالکل پروا نہیں۔'' سبیکہ کا لہجہ سوالیہ تھا۔

''یہ اموشنز نہیں، بے وقوفی ہے اور بے وقوف لوگ مجھے پسند ہیں لیکن اگر وہ دولت مند ہوں تو......'' وہ انتہائی ٹھنڈے لہجے میں بولیں۔

''ماما......!'' سبیکہ زچ ہو گئی۔

''ماما کی جان، ضد چھوڑو اور اُٹھو خود کو سنوارو، دل چاہے تو نیچے آ جاؤ۔ تمہاری قدر کرنے والے موجود ہیں۔ طبیعت خود ہی سنبھل جائے گی۔ میں تو خوش خبری سننے آئی تھی، مجھے کیا خبر تھی کہ میری بیٹی میری صحبت میں رہ کر بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے باپ کے نقشِ قدم پر ہی چل رہی ہے کہ جدھر قدم بڑھائے، وہیں سے ناکام لوٹے۔''
''میرے بابا کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہیں گی آپ۔'' وہ صولت بیگم کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔
''تمہارے بابا؟'' جاؤ وہیں شفٹ ہو جاؤ، ایک وہاں سے مسرور لوٹا ہے، تم بھی جاؤ وہیں۔ کچھ دن بدبوؤں میں رہوگی تو اِمپورٹڈ رُوم اسپرے سے مہکتا یہ تمہارا کمرہ تمہیں خود یہاں گھسیٹ لائے گا۔ اِس ماں کی تو تمہاری نظر میں کوئی اہمیت ہی نہیں۔'' وہ تیزی سے مڑیں اور غصے سے قدم اٹھاتی کمرے سے نکل گئیں۔
سبیکہ کی دبی، دبی سسکیاں اب کمرے کے در و دیوار سے ٹکرا رہی تھیں۔

☆......☆

''نانی ماں! آپ کو کچھ مارکیٹ سے منگوانا ہے؟'' ہانیہ آہستگی سے اُن کے قریب بیٹھتے ہوئے مخاطب ہوئی۔
''شکر ہے، میری بچی کو شاپنگ کا خیال تو آیا، کس کے ساتھ جا رہی ہو؟'' انہوں نے پیار سے پچکارتے ہوئے اُس کے گال کو چھوا۔
''کشور مامی کے ساتھ۔ انہیں دو تین لینن کے سوٹ خریدنے ہیں، میں نے سوچا، میں اپنے لیے کچھ دیکھ لوں۔'' ہلکے پیازی رنگ کے شلوار سوٹ اور ہم رنگ دوپٹے میں وہ نوشگفتہ پھول لگ رہی تھی۔
''بھئی اچھے اچھے سے رنگ کے سوٹ خریدنا اپنے لیے، جب دیکھو بزرگوں والے رنگوں کے کپڑے زیب تن کیے رہتی ہو۔''
''ارے ہماری ہانیہ جس رنگ کا بھی لباس پہن لے، وہ اُسی میں سج جاتی ہے۔'' کشور ایک اچٹتی سی نظر ہانیہ پر ڈالتے ہوئے ذکیہ بیگم کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔
''بہو، لباس نا صرف انسان کی بیرونی بلکہ اندرونی کیفیت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ اِسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ تین چیزوں کو ہمیشہ پاک رکھو۔ جسم، لباس اور خیال۔'' ذکیہ بیگم ہانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔
''اچھا ناں میری پیاری نانی ماں، میں آپ کے لیے ایک چکن کا سوٹ لے آؤں؟'' ہانیہ مسکراتے ہوئے بولی۔
''نہیں بھئی، تم لوگوں کی عمریں ہیں، میں بوڑھی جان کہاں گھر سے نکلتی ہوں۔ تم لوگ کپڑے بناؤ، اللہ تمہیں اور نصیب کرے۔'' ذکیہ بیگم اب کشور کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
''سنبھل کر جانا بہو اور قدسیہ سے بھی پوچھ لو، ہو سکتا ہے اُسے بھی کچھ لینا ہو؟''
''جی، امی پوچھ لیتی ہوں۔'' کشور سعادت مندی کا مظاہرہ کرتی ہوئی اُٹھ گئیں۔
''یہ لیجیے اماں، آپ کی چھالیہ اور پان۔'' فاضل نے جھنجھلاتے ہوئے پیکٹ، ذکیہ بیگم کی جانب بڑھایا۔
''خیر تو ہے سب؟ یہ اِس قدر چہرے پر اُلجھن کیوں ہے؟'' ذکیہ بیگم نے چشمے کا فریم ناک پر درست کرتے ہوئے پوچھا۔
''اماں! ابھی موڈ کچھ ٹھیک نہیں ہے، کچھ دیر میں بات کرتا ہوں آپ سے۔'' فاضل تیزی سے بولتا ہوا اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا۔
''اے لو، اسے آج کیا ہوا۔ یہ موٹی کتابیں پڑھ پڑھ کر تو خود ایک کتاب بن کر رہ گیا ہے۔'' وہ ہانیہ سے مخاطب ہوئیں جو خود کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔
''اے بچی، اب تمہیں کیا ہوا؟ کوئی پریشانی ہے؟'' ذکیہ بیگم کے لہجے میں بے چینی اُمڈ آئی۔

''ارے نہیں نانی ماں، میں بس یہی سوچ رہی تھی کہ میرے پاس جتنے پیسے ہیں، اُن میں دو سوٹ تو آ جائیں گے، کیوں ناں ایک میں صالحہ کو گفٹ کر دوں؟''
''صالحہ کو کیوں، کیا اُس کی سالگرہ آنے والی ہے؟'' ذکیہ بیگم نے پوچھا۔
''نہیں، وہ اسکول ٹیچر ہیں ناں تو اُسے نئے، نئے کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہوگی۔ اب آپ تو جانتی ہیں کہ قدسیہ مامی، ایک سوٹ دلا کر اتنا جتاتی ہیں کہ وہ بے چاری دوبارہ اُن سے کچھ نہیں کہہ پاتی۔'' ہانیہ کے چہرے اور لہجے میں پریشانی تھی۔
''اُس کا باپ زندہ ہے، ماں بھی موجود ہے۔ تجھے کیا ضرورت پڑی ہے اُس کے بارے میں پریشان ہونے کی۔ میں اسد سے بات کروں گی۔ قدسیہ تو واقعی کنجوس ہے بلا کی۔'' ذکیہ بیگم منہ بسورتے ہوئے بولیں۔
''ڈانٹ نہ پڑ جائے بے چاری صالحہ کو۔'' ہانیہ کو اب ایک نئی فکر ستانے لگی تھی۔
''ارے میری بچی، ایک مشہور کہاوت ہے کہ کیڑے آپ کو اس وقت کھاتے ہیں جب آپ مردہ ہوں مگر پریشانیاں آپ کو زندہ کھا لیتی ہیں۔ اس لیے سوچ بچار اور پریشان ہونا بند کرو، بس مسکراتی رہا کرو۔'' ذکیہ بیگم نے ہانیہ کی پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔
''اونہہ جب دیکھو، نواسی کو گلے سے لگائے رکھتی ہیں۔'' قدسیہ جو چادر میں لپٹی ہوئی سیڑھیاں اتر رہی تھیں، کشور سے بول پڑیں۔ کشور نے ایک نظر قدسیہ کے چہرے پر ڈالی اور پھر تیزی سے ذکیہ بیگم کی طرف بڑھ گئیں۔
''امی بھابی کو بھی کچھ سامان لینا ہے، تو پھر ہم نکلتے ہیں، چلو ہانیہ جلدی سے اُٹھو؟''
''تم بھی چل رہی ہو کیا؟'' قدسیہ نے ہانیہ سے منہ بگاڑ کر پوچھا تو وہ ہونق سی ہو گئی۔
''جی مامی۔'' ہانیہ منمناتے ہوئے بولی۔
''بتایا تو ہوتا تم نے کہ ہانیہ بھی چل رہی ہے ہمارے ساتھ۔'' قدسیہ کشور کی طرف مڑیں۔
''تو کیا ہوا؟'' کشور نے حیرت سے سوال داغا۔
''اِدھر آؤ میرے ساتھ۔'' قدسیہ کشور کا بازو پکڑے اُن سے قدرے دور ہو گئی۔
''صالحہ کے لیے ایک دو سوٹ لینے ہیں مجھے، اُس کے اسکول میں کوئی پارٹی ہے۔ اب ہانیہ کی موجودگی میں کچھ اچھا نہیں لگے گا مجھے اور اب اتنا بجٹ تو ہے نہیں میرا کہ اُسے بھی دلا دوں۔'' قدسیہ روکھے پھیکے لہجے میں کشور کے کان میں سرگوشی کر رہی تھی۔
ہانیہ، ذکیہ بیگم کے کندھے پر اپنا سر ٹکائے قدسیہ مامی کے اِس رویے کو کھوج رہی تھی جو ہمیشہ کی طرح منفی تھا مگر آج اسے جس انداز میں نظر انداز کیا تھا، یہ واقعی اُس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔
''میری بچی برے خیالات نہ لاؤ دل میں، ہماری زندگی کی تشکیل ہماری سوچوں سے ہوتی ہے۔ ہمارے ذہنی رجحانات ہی ہماری قسمت کا تعین کرتے ہیں، تم اپنا دل بُرا نہیں کرو۔ اِس قدسیہ کے مزاج کو میں پرکھ چکی ہوں، ہمیشہ کی بدمزاج ہے۔ شاباش میری بچی۔'' ذکیہ بیگم نے دُکھ بھرے لہجے میں ہانیہ کے سوالیہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ آنسو آنکھوں میں جذب کر کے رہ گئی۔
''چلو، ہانیہ جلدی سے اُٹھو، مذاکرات ہو گئے؟'' کشور نے مسکراتے ہوئے ہانیہ کو چھیڑا۔
''ہاں بھئی جلدی چلو، وہاں سے آ کے مجھے رات کا کھانا بھی پکانا ہے۔'' قدسیہ نے تنبیہی نظروں سے ہانیہ کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا، شاید کشور کے سمجھانے پر وہ بادلِ نخواستہ راضی ہوئی تھیں۔

''سوری مامی، مجھے یونیورسٹی کا ایک ضروری کام یاد آ گیا اور آج ہی اسائنمنٹ مکمل کرنا ہے، آپ لوگ جائیں۔'' کاجل سے بھری آنکھوں میں تیرتے آنسو کشور سے چھپ نہیں سکے۔

''نہیں نہیں فوراً اٹھو۔'' کشور تیزی سے ہانیہ کی طرف لپکی۔

''ہاں بہو! اسے ساتھ لے کر جاؤ۔'' ذکیہ بیگم بھی فکرمندی ہو گئیں۔

''پلیز مامی آپ دونوں جائیں، میں تو آپ کے اکیلے جانے کی وجہ سے راضی ہوئی تھی۔'' ہانیہ تیزی سے اپنا بازو چھڑاتی اور آنسو پونچھتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔

''ہاں بھئی جلدی نکلو، پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔'' قدسیہ نے ابرو اچکاتے ہوئے منہ بنایا۔

''اچھا ای جلدی آ جائیں گے۔'' کشور کا لہجہ دھیما تھا۔ وہ دونوں ہی داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئیں اور ذکیہ بیگم صدقِ دل سے ہانیہ کے لیے اچھے سے برکی دعا کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

''قدسیہ مامی کا رویہ میرے ساتھ ہمیشہ ہی اتنا برا کیوں ہوتا ہے؟ میں نے اُن کا کیا بگاڑا ہے؟'' ہانیہ بستر پر ڈھے گئی۔ آنسو رواں تھے اور دل انجانے درد سے بے اختیار ہو رہا تھا۔

''کیا میرا کوئی بھی نہیں ہے۔ کیوں یہ لوگ مجھے احساس دلاتے رہتے ہیں کہ میں ایک ایسی شخصیت ہوں اس گھر کی، جو اُن سب پر زبردستی مسلط کر دی گئی ہے۔'' دروے آباد دل بوجھل ہو کر رہ گیا۔ ماں اور باپ کی کمی تو تھی ہی مگر گھر کے افراد سے ملنے والی محبتیں ایسی تھیں، جیسے وہ خود سب کے درمیان بٹ کے رہ گئی ہو۔ تسلیم کا عمل اسے اندر سے توڑ پھوڑ چکا تھا۔ وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

کاش ماں آج تم میرے پاس ہوتیں، تمہارے لمس کی تراوٹ سے میں سیراب ہو جاتی۔ تمہاری گود میں سر رکھ کر اپنے سارے دکھ کہہ دیا کرتی، آج میرے پاس سارے رشتے ہیں مگر رشتوں کی وہ سکون آمیز ٹھنڈک نہیں ہے، وہ احساس نہیں ہے جو ایک ماں کی گود فراہم کرتی ہے..... کاش ماں تم نہیں جانتیں مجھے چھوڑ کر، کاش..... لفظ کاش پر انکھی وہ رو ئے چلی جا رہی تھی، ایسے میں موبائل بیل پر وہ چونک گئی۔

جو دل کی بات ہی سمجھے نہ دل لگی جانے
وہ بے وفا تو نہیں بے مثال لگتا ہے

''اونہہ یہ ریان علی بھی یقیناً ایک ڈرامہ ہے اور اُسے دل لگی کے لیے میں ہی ملی۔'' ہانیہ نے نفرت سے Msg Delete کرتے ہوئے خود کلامی کی۔

''پیاری ہانیہ، تم میرے لیے پہلی ہی نظر میں کیا بن گئی ہو، کیا کہوں، تم میری روح میں زندگی بن کر سما گئی ہو۔ محبت کے یہ الوہی جذبے، جنہیں میں خود بھی سمجھنے سے قاصر ہوں، تمہیں کیسے سمجھاؤں گا۔ ہانیہ تمہیں کیسے سمجھاؤں؟؟'' وہ لفظ نہیں گویا ستارے تھے جو موبائل اسکرین پر جھلملا رہے تھے۔

''پہلی نظر کی محبت کا میں قائل نہیں رہا کبھی، لیکن ہاں اب دل سے کہتا ہوں۔ آئی لو یو ہانیہ۔'' اِس Msg کے موصول ہوتے ہی وہ جیسے خوابوں کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں لوٹ آئی ہو۔

''ریان علی، تمہارے کسی Msg کا میرے پاس کوئی جواب نہیں، لیکن میں جانتی ہوں، تم مرد عورت کو کھلونا سمجھتے ہو جس سے جب چاہا، دل بہلا لیا۔'' ہانیہ نے بے یقینی سے اپنا موبائل دیکھا اور اُسے بیڈ پر پھینکتی ہوئی واش

روم میں گھس گئی۔

☆.....☆

''دل تو چاہ رہا ہے، میں اُس کا قتل کر دوں۔ اُس نے مجھے مسترد کر دیا..... مجھے.....'' اُس کا ہر جملہ میری رگ رگ کو چھو گیا ہے۔ ہتھوڑا بن کر میرے اعصاب پر پڑا ہے۔ فائق تمہیں تو میں کسی لائق نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ غصے سے چیخ و تاب کھاتی زبردستی خود کو ٹھنڈا کرنے کی کوششوں میں تھی اور بلا ارادہ کمرے میں ٹہل رہی تھی۔

''آخر ایسی کیا پریشانی ہے؟'' گوہر نے پُرسکون لہجے میں اُس سے سوال کیا۔

سنیکہ اپنا غصہ دبا نہ سکی۔ گوہر کے کمرے میں آتے ہی پھٹ پڑی۔ ''تم جب سے اِس گھر میں آئی ہو، سب کچھ الٹا ہو گیا ہے۔ چلی جاؤ اِس گھر سے..... جانتا چاہتی ہو نا پریشانی میری، تو بس یہی ہے۔'' وہ خود سر لہجے میں بولتی اُس کے سر پر آ کر کھڑی ہو گئی۔

''سنیکہ جو لاوا تمہارے اندر پھٹ چکا ہے وہ تمہاری بنیادوں کو ہلا رہا ہے، تم اچھی طرح جانتی ہو، میں تمہارے کبھی خلاف نہیں رہی۔ ہمیشہ میں نے تمہارے ساتھ ہمدردی برتی ہے اور آج بھی یہی جذبہ مجھے تم تک لایا ہے۔'' گوہر نے زخمی نگاہوں سے سنیکہ کو دیکھا۔

سنیکہ اب بالکل چپ ہو گئی تھی۔ اُس کا پُر اعتماد جو داندر ہی اندر ریت کی طرح ڈھیر ہو رہا ہے۔

''میں زیادہ دیر نہیں رکوں گی لیکن یہ بھی مت بھولنا کہ میں تمہاری Well Wisher ہوں۔'' گوہر جیسے خاموشی سے آئی تھی، بالکل ویسے ہی واپس چلی گئی۔

''اونہہ! جانے کس مٹی کی بنی ہے۔'' موبائل کی key پریس کرتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔

''ہیلو مام، جو میں نے آپ سے کہا تھا، وہ مجھے کرنا ہے ہر قیمت پر۔'' سنیکہ بے حد غصے میں تھی۔

''سنیکہ، بوتیک کے بعد اُس کے نیو ڈریسز کلیکشن اگلے ہی ماہ جب مارکیٹ میں لانچ ہوں گے تو اِس سے بڑی اور میری کامیابی کیا ہو سکتی ہے؟ اور اُس فائق کو بھی پتا چل جائے گا کہ اُس نے جو ڈیزائن Reject کیے ہیں، اُن کی مارکیٹ ویلیو کیا ہے۔''

''اوہ نو، اور کوئی طریقہ نہیں ہے کیا؟ پلیز مام مان جائیے، میں اُن لمحوں کو بھول نہیں پا رہی۔'' سنیکہ تقریباً رندھی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے، آپ نہ ساتھ دیں میرا، میں کل ہی بابا سائیں کے پاس جا رہی ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ ضرور میری مدد کریں گے۔ وہ آپ کی طرح Selfish نہیں۔''

''مام، اب میں آپ کو یہ کر کے دکھاؤں گی۔'' غصے سے اُس نے لائن کاٹتے ہی اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ زندگی میں اُس نے کبھی خود کو تنہا نہیں محسوس کیا تھا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جیسے کچھ نہیں۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی ماما کہ آپ اپنی بیٹی کے معاملے میں بھی مفاد پرست ہیں۔ مجھے اب خود ہی کچھ کرنا پڑے گا اور واحد ذریعہ بابا سائیں ہی ہیں۔'' وہ حتمی فیصلہ خود کو سنائی کوریڈور میں آ گئی اور تنہا چاند کو دیکھتی رہی۔

☆.....☆

یہ ایک کچا سا گھر تھا، جس کے مین دروازے کے سامنے فاضل نے اپنی بائیک زور کی تھی۔ کالے رنگ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیٹ کے اوپر نہ تو کوئی نیم پلیٹ تھی اور نہ ہی سائیڈ میں کوئی ڈور بیل۔'' فاضل نے کندھے اُچکاتے ہوئے دروازہ ہاتھ سے بجایا۔

''اوہ آپ!'' ایک پھیکی سی مسکراہٹ فرح کے چہرے پر پھیل گئی۔

''آپ نے اِسی گھر کا ایڈریس دیا تھا؟'' فاضل نے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر لانے کی کوشش کی۔

''جی بالکل آیئے اندر۔'' وہ فاضل کو ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

''ویسے تو یہ ڈرائنگ روم نہیں ہے۔ بس دو صوفے اِس کمرے میں رکھنے کی وجہ سے میں نے اسے ڈرائنگ روم کا نام دے دیا ہے۔''

بڑے سے کمرے میں بچھی دری پر سائیڈ میں بڑے ہی سلیقے سے دو صوفے اور ایک چھوٹی سی میز رکھی ہوئی تھی۔

''کُول، اچھا ہے۔'' فاضل نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پلیز، آپ بھی تو بیٹھیے۔''

''جی، وہ برابر والے صوفے پر ٹک گئی، پھر جانے کیا خیال آیا کہ وہ تیزی سے کھڑی ہوگئی اور کمرے سے ملحقہ صحن میں مڑ گئی۔

دیواریں ابھی تک رنگ و روغن سے محروم تھیں، سامنے رکھے ایک شیلف میں کتابیں نفاست سے جمی ہوئی تھیں۔

''جانے کیا ماجرا ہے؟'' فاضل خود کو اِس ماحول میں ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

''آپ یہاں آرام سے تو بیٹھے ہیں ناں؟'' وہ پانی کا گلاس، فاضل کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

''ہاں، ہاں Sure، لیکن میں ابھی تک الجھا ہوا ہوں کہ آخر آپ کو پریشانی کیا ہے؟'' وہ ایک ہی سانس میں پانی کا گلاس خالی کرتا میز پر رکھ چکا تھا۔ ''آپ کے ساتھ اِس گھر میں اور کون کون ہے؟'' فاضل نے فرح کو کریدا۔

''میں اور میری امی، بس۔'' وہ مختصر سا جواب دے کر نظریں جھکانے پر مجبور ہوگئی کیونکہ آنکھوں میں آئی نمی وہ کسی صورت سے فاضل کو دکھانا نہیں چاہتی تھی۔

''اور کوئی نہیں ہے؟'' فاضل متعجب سا ہو کر سوال کر رہا تھا۔

''میرے ابو کا پانچ سال پہلے انتقال ہوگیا ہے۔ میں اور امی اِس کرائے کے گھر میں صبر و شکر کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے کہ اچانک، ہم پر ایسی آفت ٹوٹی کہ......'' وہ یک دم ہی سسک کر رہ گئی۔

''مس فرح، پلیز ہمت سے کام لیجیے۔ کیوں مجھے امتحان میں ڈال رہی ہیں۔ کیا ہوا ہے آپ کے ساتھ؟'' فاضل کا دل چاہا اُس کے سارے آنسو پونچھ ڈالے۔

''امی کو برین ٹیومر ہے۔ تین ماہ پہلے وہ کومے میں چلی گئی ہیں۔ اُن کا بے حس وجود بستر پر خاموش پڑا رہتا ہے اور میں اُن کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ صبح، شام دو مختلف اوقات میں جاب کر کے، اُن کی بیماری کا علاج کروا رہی ہوں مگر ڈاکٹر ہر بار ناامیدی کا اظہار کر کے میری ہمت ختم کر دیتے ہیں۔'' اب فرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''اوہ نو، فاضل کی آنکھوں میں آنسو تیر سے گئے۔ وہ اِس وقت کمال ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ایک ہی پل میں وہ جان گیا کہ فرح کس اذیت سے گزر رہی ہے۔ ''آئی ایم سوری فرح۔'' میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اتنی مشکلات کا شکار ہیں۔'' وہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کہہ رہا تھا۔

''یہ رب کی طرف سے میرا امتحان ہے اور میں جانتی ہوں خدا کبھی کبھی اپنی مخلوق کی آنکھیں آنسوؤں سے اِس لیے دھوتا ہے تاکہ وہ اِس کے اصولوں اور احکامات کو ٹھیک طور پر سمجھ سکیں، جان سکیں۔'' وہ کمال ہمت سے اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے بولی۔

''میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' فرح نے اچانک اُٹھتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں پلیز، آپ اِس تکلف میں نہ پڑیں۔'' وہ فطری جھجک سے مجبور تھا۔

''اِس میں تکلف کی کیا بات، اِس وقت تو میرا بھی چائے پینے کا موڈ ہو رہا ہے، بس یہی پریشانی ہے، پچھلے کچھ ماہ سے جو میں آپ سے شیئر نہیں کر پا رہی تھی۔ دوسروں کو دکھی کرنا مجھے پسند نہیں جو دکھ میرے حصے میں آیا ہے وہ بس میرا ہے۔'' فرح سنجیدگی سے بولی۔

''اپنے دکھ میں اگر آپ کسی کو حصہ دار بنا لیں تو وہ آدھا ہو جاتا ہے۔ دکھ بانٹنے سے کم اور خوشی بانٹنے سے دگنی ہوتی ہے محترمہ۔'' فاضل نے ہلکی سی مسکراہٹ فرح کی جانب اچھالی۔

''یہ تو میں بھی جانتی ہوں لیکن بس اِس کرب ناک اذیت کو اُن لوگوں سے چھپانا ہی بہتر ہے جو آپ کے انتہائی قریب ہوں۔ آپ آرام سے بیٹھیے پلیز، میں چائے لاتی ہوں۔'' فرح اپنی رو میں بولتی ہوئی اُٹھ چکی تھی۔

فاضل اُس کے جملوں میں چھپے اُن جذبوں کو کھوج رہا تھا، جس میں اُس کے لیے اپنائیت ہی اپنائیت تھی۔

☆......☆

''بھائی، میں کل بابا سائیں کی طرف جا رہی ہوں۔'' ناشتے کی ٹیبل پر سبیکہ کے جملے نے ایک ساتھ تینوں کو اپنی طرف متوجہ کر دیا۔

گوہر اور رضا کے چہرے پر تو خوشی کے آثار تھے مگر صولت بیگم نے منہ بناتے ہوئے اورنج جوس کا گلاس اپنے لبوں سے لگا لیا۔

''یہ تو بہت اچھی خبر ہے مگر اچانک پروگرام بنا لیا تم نے؟'' رضا نے نوالہ منہ تک لے جاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔'' سبیکہ نے ٹکا سا جواب دیا۔

''خربوزے کو دیکھ کر ہی خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، جو کام رضا کرے گا، وہ سبیکہ کیوں نہیں کرے گی؟ جاؤ، جاؤ تمہارا باپ ہے، اونہہ نام کا باپ۔'' صولت بیگم نے پلیٹ نخوت سے اپنے سامنے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''میں شام تک نکل جاؤں گی۔'' سبیکہ نے بھی برق رفتاری سے اپنی بات سب تک پہنچائی۔

''من مانی کرنے کی تم دونوں کی جو عادت ہے، وہ ایک دن تم دونوں کو لے ڈوبے گی، آج تم لوگ دولت کے انبار پر بیٹھے ہو، جو خواہش تمہارے لبوں تک آتی ہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ اُس کے باوجود یہ ماں تمہارے لیے کچھ نہیں۔ اُس کی ہر بات کو نظرانداز کیا جا رہا ہے۔'' پہلی بار وہ چیختے چیختے کچھ نرم سی پڑ گئی تھیں۔

اُن کے لہجے میں شدید کرب تھا۔ انہیں سبیکہ سے ایسی اُمید نہیں تھی۔

''دولت کا انبار، اوہ۔'' سبیکہ نے صولت بیگم کے جملے دہرائے اور جوس کا گلاس ٹیبل سے اٹھاتی کھڑی ہوگئی۔

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

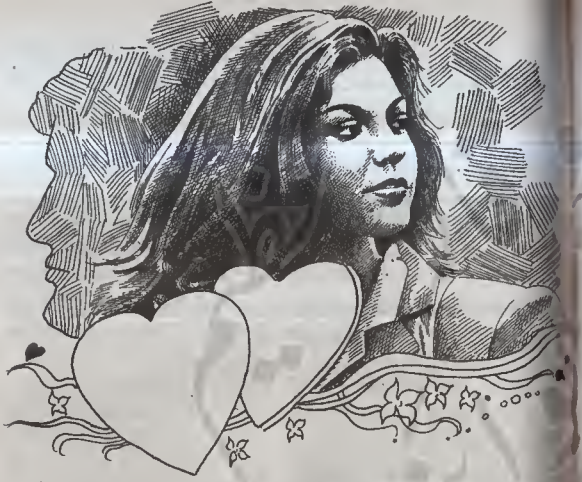

احسان

لوگ عمر کا اندازہ لگانے کے لیے خوامخواہ چہرے گھورتے ہیں۔ ہاتھ انسانی عمر کا سچا غماز ہے، وہ کمپیوٹر جیسی صحت کے ساتھ انسانی عمر کا اعلان کر دیتا ہے۔ اس سانولے اور تازہ ہاتھ والی کی عمر بیس، بائیس برس کے آس پاس ہوگی۔ میں نے.....

ذخیرہ ادب سے ایک یادگار انتخاب

دھوپ نشہ آور تھی مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ اس وقت آسمان اتنا نیلا ہو رہا تھا جیسے اسے چھولو تو پوریں نیلی پڑ جائیں۔ سورج مشرق میں پینتالیس کے زاویے پر تھا۔ رات کی بارش میں اینٹوں کی چھت دُھلنے کے بعد اب خوب چمک رہی تھی۔ میں کھلی چھت پر اخبار پڑھنے لگا' تب دھوپ کو شرارت سوجھی اور مجھ پر غنودگی چھا گئی۔ میں نے آنکھیں بند کیں تو مجھے اپنے پپوٹے لہو کی طرح لال نظر آئے۔ سوچا' کتنی عجیب بات ہے کہ ہم بند آنکھوں سے بھی دیکھ سکتے ہیں' جیسے اس وقت میں اپنے پپوٹے دیکھ رہا تھا۔ کوشش کی جائے تو بند پپوٹوں سے شاید اور بھی بہت کچھ دیکھا جا سکے۔'

میں نے پھر غنودگی سے جنگ کرنے کی ٹھانی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو میں نے ناشتا کیا تھا۔ یہ بھی کوئی سونے کا وقت ہے؟ یہ علم الابدان کا کوئی راز ہوگا کہ جب سرما کی دھوپ میں انسان اپنی نظریں کتاب یا کسی ایک نقطے پر مرکوز کر دے تو اسے نیند آنے لگتی ہے۔ نیند سے بچنے کے لیے' میں ایک غزل گنگنانے لگا مگر میری گنگناہٹ بہت مدھم تھی۔ ممکن ہے' پڑوس کی چھت پر خواتین میری طرح بیٹھی دھوپ سینک رہی ہوں۔ میری اور پڑوس کی چھت کے درمیان حد فاصل' انسان کے اوسط قد سے بھی ہاتھ بھر اونچی تھی پھر جہاں پردے کے سلسلے میں اس قدر احتیاط برتی گئی ہو' وہاں بلند آواز میں گنگنانا' معیوب ہی ٹھہرے گا۔

میں دھپ دھپ کی آواز سے چونکا۔ پہلے اِدھر اُدھر دیکھا پھر اُٹھ کر نیچے صحن میں جھانکا۔ میرے گھر کا دروازہ بند تھا۔ پلٹا تو پھر دھپ دھپ کی آواز آئی۔ اب میں نے اس کی سمت تعین کر لی' آواز چھتوں کی حدِ فاصل کی دوسری جانب سے آئی تھی۔ میں سمجھا کہ بچے کھیل رہے ہیں' سو واپس آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

ایک بار پھر دھپ دھپ ہوئی اور پھر ایک نسوانی آواز آئی۔ ''سنیے!''

میں اٹھ کھڑا ہوا اور پوچھا۔ ''جی' کیا آپ مجھ سے مخاطب ہیں؟''

''آپ ہی سے مخاطب ہوں۔'' آواز آئی۔ ''مجھے معلوم ہے کہ آپ اس مکان میں دو چار روز پہلے تشریف لائے ہیں' اور آپ سے کوئی جان پہچان بھی نہیں مگر سوچا' آپ کو تکلیف دے کر دیکھتی ہوں۔ گھر کے کام کاج کے لیے آپ کے ہاں کوئی ملازم ہے؟''

''جی نہیں۔'' میں نے بتایا۔ ''ہوٹل سے کھانا کھاتا ہوں۔''

''تو کیا اس وقت آپ کے پاس کوئی دوست بیٹھے ہیں؟''

''جی نہیں۔'' میں نے بتایا۔ ''اکیلا ہوں' مگر آپ کہیے تو کوئی کام ہے کیا؟''

''جی ہاں۔'' آواز آئی۔ ''میرے ابا جی پر فالج کا حملہ ہوا ہے اور میں گھر پر اکیلی ہوں۔ دن کا وقت ہے اور میں پردہ کرتی ہوں۔ دکان سے ایک دوا لانی ہے' نسخہ میرے پاس ہے' کیا آپ تکلیف کر سکیں گے؟''

''بخوشی۔'' میں نے کہا۔ ''میں ادھر گلی میں آپ کے دروازے پر آتا ہوں۔ نسخہ دے دیجیے تو ایک منٹ میں دوا لے آتا ہوں۔ دکان تو چند قدم پر ہے' گلی کے موڑ پر۔''

''خدا آپ کا بھلا کرے۔''

میں فوراً گلی میں آیا' اور پڑوس کے دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ دروازے پر بطور پردہ ایک پرانا پلنگ پوش آویزاں تھا۔ اپنی موجودگی کا بتانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے' میں کھنکارا تو دبی دبی آواز آئی۔ ''اچھا' آپ تشریف لے آئیے' یہ کیجیے۔''

لگی ہوئی چادر کے کنارے سے ایک ہاتھ نکلا۔ سانولا سانولا اور تازہ تازہ' جیسے ابھی دُھل کر نکلا ہے۔ ہاتھ میلا ہو جائے' صاف' سانولا ہو' چاہے سفید' انسان کی عمر بتا دیتا ہے۔ لوگ عمر کا اندازہ لگانے کے لیے خوامخواہ چہرے گھورتے ہیں۔ ہاتھ انسانی عمر کا سچا غماز ہے' وہ کمپیوٹر جیسی صحت کے ساتھ انسانی عمر کا اعلان کر دیتا ہے۔ اس سانولے اور تازہ ہاتھ والی کی عمر بیس' بائیس برس کے آس پاس ہوگی۔

میں نے ہاتھ کے انگوٹھے اور انگشتِ شہادت کی پوروں کے درمیان تھما نسخہ اور ایک نوٹ لے لیا اور کہا۔ ''میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔''

''جی شکریہ۔'' آواز کو شعوری طور پر دبا کر سرگوشی بنا دیا گیا تھا۔

عام سی دوا تھی' میں دو گولیاں لے کر نور آپا اور ایک بار پھر دروازے پر کھنکارا۔ ''ارے' اتنی جلد؟'' ہاتھ چادر کے ایک طرف سے باہر آیا۔ ''خدا آپ کا بھلا کرے' آپ نے بڑا احسان کیا۔''

''احسان!'' میں نے حیرت سے کہا اور گولیاں نسخے سمیت ہتھیلی پر رکھ دیں۔ ''احسان کا وزن تو بہت بھاری ہوتا ہے بی بی' ان دو گولیوں کا وزن تو احسان کے وزن کے پاسنگ بھی نہیں۔''

''جی' میں گولیوں کے وزن کی بات نہیں کر رہی۔'' آواز آئی۔ ''ایک اجنبی کے لیے چھت سے اترنے' یہاں آنے اور دوا لانے کا اپنا ایک وزن ہے۔ آپ نے احسان کیا ہے' اس لیے وزن محسوس نہیں کر رہے۔ میں نے احسان لیا ہے اس لیے میری گردن احسان کے بار سے جھکی ہوئی ہے' بہت بہت شکریہ۔''

میں نے چھت پر آ کر دوبارہ اخبار کھول لیا مگر وہاں سب لوگ حیات و کائنات کے مسائل سمجھنے میں لگے ہوئے تھے۔ میری دستگیری کون کرتا؟ میں نے اخبار میز پر رکھا' آنکھیں بند کیں اور پپوٹوں کی سرخی کے پار دیکھنے لگا' جہاں سے چنگی میں کاغذ کا ایک پرزہ لیے ایک ہاتھ ابھرا' اور پھر جیسے لہولہو ہو کر سرخی میں تحلیل ہو گیا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے سوچا' مجھے لڑکی کا ہاتھ تو نظر آ رہا ہے' مگر اس کا فالج زدہ باپ دکھائی نہیں دیا جس کے لیے دوا لانے والا ہی کوئی نہیں؟

میں اخبار بغل میں داب کر نیچے کمرے میں آ گیا۔ ہر شے گٹھری ہوئی تھی مگر میں تپ رہا تھا۔ ہم مشرقی لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں' اپنے لیے فلک بوس اخلاقی قلعے تعمیر کرتے اور ناک میں بیٹھ جاتے ہیں کہ قلعے کی دیوار پھلانگ کر باہر کی کوئی جھلک نظر آئے۔ ہم خود ہی اپنی آنکھیں اندھی کر کے عمر بھر اپنے اندھے پن کا علاج ڈھونڈتے رہتے ہیں۔

☆.....☆

شام کو گھر سے نکلا تو چار قدم پر ہی' پڑوس کا وہ دروازہ نظر آیا جس پر پرانا پلنگ پوش لٹک رہا تھا۔ سوچا کہ لڑکی کے ابا کی مزاج پرسی کر لینی چاہیے' پڑوسیوں کے تو ایک دوسرے پر بہت حقوق ہوتے ہیں۔ میں نے بڑھ کر دروازے پر ہلکی دستک دے ڈالی۔

''کون؟'' دور سے لڑکی کی آواز آئی۔

''جی' میں آپ کا پڑوسی۔'' میں نے کہا۔ ''اب آپ کے ابا جی کے مزاج کیسے ہیں؟''

''اچھا تو آپ ہیں۔'' آواز میں اطمینان تھا۔ ''میں اوپر چھت کی دیوار پر دیر تک دھپ دھپ کرتی رہی پھر سوچا' آپ کہیں چلے گئے ہیں۔''

''جی' میں نیچے کمرے میں تھا۔'' میں نے کہا۔ ''آپ میرا دروازہ کھٹکھٹا دیتیں۔''

وہ بولی۔ ''اس کے لیے مجھے دن کو گلی میں جانا پڑتا اور میں عرض کر چکی ہوں کہ میں پردہ کرتی ہوں۔''

''جی۔'' میں مسئلے کی نزاکت سمجھ گیا۔

وہ کہنے لگی۔ ''اب یہ بھی اچھا نہیں لگ رہا کہ آپ گلی میں میرے دروازے پر کھڑے ہیں' اور میں پردے کے پیچھے سے باتیں کر رہی ہوں' آپ جانتے ہیں کہ ہمارے لوگ پُرسے کو اپنانے کے فن میں بڑے ماہر ہیں۔''

یکایک مجھے احساس جرم ہوا' میں نے ایک قدم ہٹ کر کہا۔ ''آپ ٹھیک کہتی ہیں' میں چلتا ہوں۔ میں تو صرف مزاج پرسی.....''

''مگر آپ نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ میں آپ کو کیوں بلا رہی تھی؟'' اس نے لٹکتے پلنگ پوش کا ایک کنارا ہاتھ میں لے لیا' کمپیوٹر چلنے لگا۔

''جی' جی۔'' میں نے کہا۔ ''فرمائیے' میرے لائق کوئی خدمت؟''

''ڈاکٹر کو بلانا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''ابا جی کی حالت ویسی ہی ہے اور پہاڑ جیسی رات آنے والی ہے۔ میں کل شام کے اندھیرے میں برقع اوڑھ کر' ڈاکٹر عبدالقدوس کو بلا لائی تھی۔ انہیں پھر بلانا ہے' قریب ہی مطب کرتے ہیں۔ آپ کو تکلیف تو ہوگی مگر کیا کروں' ابا جی کو تنہا چھوڑتے ہوئے ڈرتی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نورآ آ جائیں گے' ابا جی سے ان کی جان پہچان ہے۔''

''ابھی لاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے ان کے کلینک کا بورڈ دیکھا ہے۔''

ڈاکٹر صاحب ایک معمر اور نحیف و نزار بزرگ تھے۔ نسخہ لکھ رہے تھے' اور ایک تنومند مریض ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ مجھے یوں لگا' جیسے یہ مریض دراصل ڈاکٹر ہے' اور ڈاکٹر صاحب مریض۔ میں نے جا کر عرض کیا تو نورآ نسخہ مریض کے حوالے کیا' اور اسٹیتھو اسکوپ اٹھا کر میرے ساتھ چل پڑے۔

میں نے دروازے پر دستک دی اور ساتھ ہی کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے ہیں۔''

''جی اچھا۔'' دور سے آواز آئی' اور پھر پلنگ پوش پورے کا پورا اٹھ گیا۔ لڑکی میرے سامنے کھڑی تھی۔

میں سمجھا کہ اس نے بدحواسی میں پردہ اٹھا دیا تھا' چنانچہ میں گھبرا کر پیچھے ہٹا تو وہ بولی۔ ''کوئی بات نہیں' آپ بھی آ جائیے' میں نے ابا جی کو بتا دیا ہے۔'' پھر وہ ڈاکٹر صاحب کی طرف بڑھی اور کہنے لگی۔ ''ابا جی سن رہے ہیں اور دیکھ بھی رہے ہیں' بس بول نہیں سکتے۔''

جب وہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ' دوسرے کمرے کی طرف جانے لگی تو میرے دل نے گواہی دی کہ کمپیوٹر کا اعلان حرف بہ حرف' نقطہ بہ نقطہ درست تھا۔

یہ گھر بالکل میرے مکان سے مشابہ تھا۔ گلی میں کھلنے والا دروازہ دراصل پہلے کمرے کا دروازہ تھا۔ دوسرا کمرہ ملحق تھا۔ بغل میں باورچی خانہ اور کائنات ختم۔ اگر حیوانات اشرف المخلوقات ہوتے اور انسانوں کو پالتو جانوروں کی طرح رکھتے تو شاید ان کے لیے ایسے ہی ڈربے بناتے۔

ڈاکٹر صاحب اور لڑکی دوسرے کمرے میں چلے گئے' اور میں کھڑا یہ سوچتا رہ گیا کہ ایک ہی دن میں ایک جوان پردہ نشین کا یوں بے تکلفی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے سامنے آ جانا ضرورتاً ہوسکتا ہے اور مجبوراً بھی۔ ضرورتاً یوں کہ باپ کی بیماری میں کام آنے والا کوئی تو ہونا چاہیے اور مجبوراً یوں کہ آخر سب ہی کے سینے میں دل ہوتا ہے اور باپ بیمار پڑا ہو تو بھی دل کے احکام ٹالے نہیں جاسکتے۔

''آپ تو باہر کھڑے رہ گئے۔'' لڑکی دوسرے کمرے کے دروازے میں نمودار ہوئی۔ ''اپنوں سے کیا پردہ' آ جائیے نا۔''

میرے دل و دماغ میں ایک کوندے کی طرح یہ فیصلہ لپک گیا کہ معاملہ ضرورت کا نہیں' مجبوری کا ہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس ایک لمحے میرا قد ایک آدھ انچ ضرور بڑھ گیا ہوگا۔

لڑکی کے اباجی خاصے وجیہہ مگر بے حد کمزور بزرگ تھے۔ چھوٹی سی آدھی سفید' آدھی سیاہ داڑھی تھی۔ مجھے دیکھا تو ان کی آنکھوں نے ان کے ہونٹوں کے فرائض انجام دیئے' وہ مسکرا رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو بھی یہ مسکراہٹ نظر آ گئی' بولے۔ ''صبیحہ بیٹی! قریشی صاحب' اس نوجوان کو دیکھ کر خوش ہوئے ہیں۔''

میں سمجھا' صبیحہ جھینپے گی مگر وہ بظاہر تو ذرا بھی نہیں جھینپی' صرف اتنا بولی۔ ''میں اباجی کو بتا چکی ہوں کہ ہمارے یہ پڑوسی صاحب بڑا دردمند دل رکھتے ہیں۔''

☆......☆

اب تو میں صبح و شام دستک دے کر پردہ اٹھاتا' اور اندر چلا جاتا۔ رفتہ رفتہ قریشی صاحب کی دوا کے علاوہ' ان کے گھر کا سودا بھی لانے لگا۔ ایک دن صبیحہ نے مجھ سے بال پنیں تک منگوائیں البتہ بات چیت 'تکلیف معاف۔' اور 'آپ نے بڑا احسان کیا ہے۔' سے آگے نہ بڑھی۔ صبیحہ مجھے دیکھتے ہی بہت فراخدلی سے مسکراتی اور مجھے کام پر روانہ کر دیتی۔

رات کو جب میں بستر پر لیٹتا تو اس کی ایک ایک حرکت کا بہت گہرا نفسیاتی تجزیہ کرتا۔ سودے کے لیے رقم دیتے ہوئے اس کی پوریں میرے ہاتھ سے یوں ہی تو نہیں چھو گئیں۔ پرسوں شام کو میرے سامنے دوپٹے کے بغیر یوں ہی تو نہیں آ گئی۔ مجھے جو اس نے یہ جو کہا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو میں رُل جاتی تو اتنی بامعنی بات اس نے یوں ہی تو نہیں کہہ ڈالی۔ نہیں' میں اسے رُلنے نہیں دوں گا' ایسی ہیرا لڑکیاں رلنے کے لائق نہیں ہوتیں۔

☆......☆

ایک رات میں نے طے کر لیا کہ اب اظہار میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ کہیں وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ مجھ میں جرأت کی کمی ہے' چنانچہ صبح سودا لا کر دینے کے بعد میں گھر آیا تو آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اظہار کی مشق کرتا رہا پھر گلی میں جانے کے لیے دروازہ کھولا تو اس وقفے میں مجھے پہلی بار محسوس ہوا کہ صبیحہ کے دروازے پر دستک دینے کے لیے شیر کا کلیجہ چاہیے۔

ابھی میں اپنا مرجھایا حوصلہ تازہ دم کرنے کے مرحلے میں تھا کہ وہ میرے سامنے آ گئی۔ ''اویس صاحب! ذرا جلد آ جائیے۔'' پھر فوراً وہ مشین کی طرح پلٹ گئی۔

میں باہر لپکا' پردہ اٹھا کر اندر گیا تو وہ دوسرے کمرے میں تھی۔ میں سیدھا وہاں پہنچا تو وہ اباجی پر جھکی چمچے سے انہیں پانی پلا رہی تھی۔

مجھے دیکھا تو بولی۔ ''اباجی بے ہوش ہو گئے تھے میں نے گھبرا کر آپ کو بلا لیا۔ اب ٹھیک ہیں۔'' پھر قریشی صاحب پر جھک کر پوچھا۔ ''اب آپ ٹھیک ہیں نا؟''

قریشی صاحب کے تیور اگرچہ منجمد تھے مگر ان کے چہرے کے کسی نہ کسی حصے سے اس جواب کا تاثر مل رہا تھا کہ میں ٹھیک ہوں بیٹی!

وہ بڑی احتیاط سے انہیں گردن تک لحاف اوڑھا کر بولی۔ ''چائے پئیں گے نا' اباجی؟'' پھر جیسے اس نے جواب سن لیا ہو' منہ بسور کر بولی۔ ''میں نے بیٹھ جاؤں گی' یہیں آپ کے سینے سے لگ کر۔ یہ اویس صاحب بھی مجھے چپ نہیں کرا سکیں گے۔ ہاں' لاؤں چائے؟'' پھر وہ خوش ہو کر سیدھی ہوئی اور مجھ سے کہنے لگی۔ ''اباجی راضی ہو گئے ہیں۔''

وہ کمرے سے باہر نکلی تو میں بھی ساتھ چلا آیا۔ مجھے ایک موڑھے پر بیٹھنے کو کہا تو میں نے انکار کر دیا۔ ''چائے میں بناؤں گا۔'' میں نے کہا۔

وہ کھڑی سوچتی رہ گئی پھر مسکرائی اور بولی۔ ''آئیے' مل کر بناتے ہیں۔''

میرے باورچی خانے جیسا باورچی خانہ تھا' مجھے ایک بار تو میں سمجھا کہ وہ میرے گھر میں ہے میرے لیے چائے بنا رہی ہے۔ اظہار کے لیے مناسب ترین وقت تھا...... مگر کیا یہ مناسب ترین وقت تھا؟

وہ کیتلی چولہے پر رکھ کر بولی۔ ''آج آپ اتنے چپ کیوں ہیں اویس صاحب؟''

''چپ؟'' میں نے پوچھا۔ ''کون؟ میں مگر میں باتونی کب تھا صبیحہ صاحبہ؟''

ایک دم مجھے احساس ہوا کہ اگر میں 'صبیحہ' کے ساتھ 'صاحبہ' کا لاحقہ نہ لگاتا تو آدھا اظہار یوں ہی ہو جاتا۔

''میں نے کب کہا کہ آپ باتونی ہیں؟'' صبیحہ پیالیاں دھوتے ہوئے بولی۔ ''بس آپ مجھے کھوئے کھوئے سے لگے لہٰذا پوچھ لیا اور اس لیے بھی کہ کھویا کھویا تو مجھے لگنا چاہیے۔''

یہ بھی اظہار کا ایک پہلو ہے' میں نے سوچا۔ اب لوہا گرم تھا' میں نے ضرب لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ ''بات یہ ہے صبیحہ......'' ''صاحبہ'' کہنے سے پہلے میں نے حلق میں اٹکا ہوا گولا نگلنا چاہا کہ ادھر سے قریشی صاحب کی بہت لمبی کھانسی کی آواز آئی اور صبیحہ گولی کی طرح باورچی خانے سے نکل گئی۔ میں نے اس دوران چائے تیار کر لی پھر دودھ گرم کیا اور ایک پرانے گھسے ہوئے طشت میں سب چیزیں سجائیں تو وہ واپس آئی۔

''ارے!!......'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''آپ تو لڑکیوں کی طرح سلیقہ مند ہیں۔''

'لڑکیوں کی طرح' میں نے ناگواری سے سوچا پھر کہا۔ ''سلیقہ مندی پر صرف لڑکیوں کی اجارہ داری تو نہیں صبیحہ صاحبہ......!'' ناگواری کی وجہ سے میں صاحبہ کا لفظ روک نہ سکا۔

''میں نے آپ کی صنف پر تو حملہ نہیں کیا۔ اویس صاحب!'' وہ بولی۔ ''ویسے یہ تو آپ مانیں گے کہ سلیقہ مندی میں فوقیت لڑکی ہی کو حاصل ہے۔'' پھر طشت اٹھا کر بولی۔ ''آئیے' آپ ادھر کمرے میں تشریف رکھیں' میں اباجی کو چائے پلا کر حاضر ہوتی ہوں' آئیے۔''

میں اس کے پیچھے اسی کمرے میں آیا جس کا دروازہ گلی میں کھلتا تھا اور جس پر پرانا پلنگ پوش لٹک رہا تھا۔ مجھے ایک موڑھے پر بٹھا کر اس نے چارپائی پر پڑی ایک کتاب کی طرف اشارہ کیا اور بولی۔ ''جب تک آپ یہ کتاب دیکھیے۔''

یہ ٹالسٹائی کی 'اینا کرینینا' تھی۔ میں نے اسے پڑھ رکھا تھا اس لیے پرلی طرف' ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پر پڑی کتابوں کے پاس گیا۔ سب سے اوپر ایزرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاؤنڈ کی نظموں کا مجموعہ رکھا تھا۔ اس کے نیچے پاسترنک کی روسی نظموں کے انگریزی تراجم کی کتاب تھی' پھر بیدی کا طویل افسانہ "ایک چادر میلی سی"...... نہ ڈائجسٹ نہ کوئی رسالہ' خاصی بقراط لڑکی معلوم ہوتی ہے۔

"آج مجھے آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔" وہ اسی مونڈھے پر آ کر بیٹھ گئی جس پر مجھے بٹھا گئی تھی پھر وہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میرے خیال میں آپ مونڈھے پر بیٹھیں' میں چارپائی پر بیٹھتی ہوں۔" وہ چارپائی پر بیٹھ گئی مگر پھر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور دوسرے کمرے کی طرف بڑھی۔

"میں چائے تو وہیں چھوڑ آئی۔"

جب تک وہ طشت لے کر واپس آئی' میں مونڈھے پر بیٹھ چکا تھا۔ بیٹھنے کے باوجود مجھے محسوس ہوا جیسے کھڑا ہوں۔ آج اسے مجھ سے ایک ضروری بات کہنی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس عمر میں ضروری بات کیا ہوتی ہے مگر کیا یہ ضروری بات کہنے میں پہل مجھے نہیں کرنی چاہیے؟ بہر حال دیکھتے ہیں...... دیکھتے ہیں۔

اس نے چائے بنا کر پیالی میرے ہاتھ میں تھمائی اور میرے سامنے چارپائی پر بیٹھ گئی۔ "اویس صاحب!" وہ بولی۔ اس کی آواز میں ایسی کپکپی تھی' جو چھپائی جا رہی تھی مگر چھپ نہ سکی۔ "اویس صاحب! میں نے آج ابھی ابھی اپنی زندگی کے بارے میں ایک فیصلہ کیا ہے۔"

'مگر فیصلہ تو میں نے بھی کر رکھا ہے۔' میں نے سوچا۔

"اویس صاحب!" وہ چارپائی ذرا سا گھسیٹ کر میرے اور قریب آ گئی اور کہنے لگی۔ "میں دنیا کی شاید واحد لڑکی ہوں جس کا ہمراز ایک مرد ہے اور وہ آپ ہیں۔"

یہ جملہ کہہ کر صبیحہ مجھ پر سبقت لے گئی۔ اس نے یہ پرانا مفروضہ غلط ثابت کر دیا کہ عورت چاہے ہزار جان سے مرد پر فریفتہ ہو' محبت کا اظہار ہمیشہ مرد کی طرف سے ہوتا ہے۔

"اویس صاحب......!" اب اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ "میں دو بھائیوں کی ایک ہی بہن ہوں مگر میرے دونوں بھائی تلاشِ روزگار میں ابوظہبی اور دوبئی کی طرف نکل گئے پھر وہ دولت کے نشے میں ایسے ڈوبے کہ اس گھر سے بھی ہمیشہ کے لیے نکل بھاگے۔ امی کا انتقال ہوا' اور ابا جی نے انہیں اس حادثے کا تار بھجوایا تو دونوں کی طرف سے ایک ہی جوابی تار آیا جو صرف ایک لفظ پر مشتمل تھا۔ 'سوری' سوری' آپ جانتے ہیں کہ یہ 'افسوس ہے' کی انگریزی ہے۔

"ابا جی ہر روز اٹھ کر اور ہر روز سونے سے پہلے مجھ سے پوچھتے کہ صابی' تمہارے ان بھائیوں کو کس پر افسوس ہے؟ اپنی ماں کی موت پر یا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ افسوس' ہم اتنے بڑے حادثے پر بھی دولت کی اپنی مشینیں روکنے اور پاکستان آنے سے قاصر ہیں؟ میرے دونوں بھائی مجھ سے بڑے ہیں۔ شروع شروع میں خط لکھتے رہے پھر وہیں شادیاں کر لیں' اور خط لکھنے بند کر دیے۔ اب کسی آتے جاتے کے ہاتھ سلام دُعا بھجوا دیتے ہیں۔ ابھی دو ہفتے پہلے مجھے انہوں نے ایک تسبیح بھیجی تھی جس سے بہتر تسبیح میں یہیں اپنے شہر کے بازار سے دو روپے میں خرید چکی ہوں۔ اویس صاحب' میں ایسے بھائیوں کی بہن ہوں اور یاد رکھیے' یہ میرے سگے بھائی ہیں مگر دولت تو سگوں کو بھی سوتیلا بنا دیتی ہے۔"

صبیحہ نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھیں اور بولی۔ "معاف کیجیے گا' میں رونے والی لڑکی نہیں مگر کبھی کبھی آنسو زبردستی اپنے بہنے کا جواز

پیدا کر لیتے ہیں۔ آدمی سوچتا رہ جاتا ہے کہ اسے رونا کیوں آیا اور جب تک وہ کسی نتیجے پر پہنچے' آنسو اپنا کام کر چکے ہوتے ہیں۔ آپ اکتا تو نہیں گئے؟"

"جی نہیں۔" میں نے کہا۔ "البتہ پریشان ضرور ہو گیا ہوں۔"

"میں بات مختصر کرتی ہوں۔" وہ بولی۔ "یہ باتیں جو میں آپ سے کر رہی ہوں' مجھے اپنی امی سے کرنی چاہیے تھیں مگر وہ ہیں نہیں۔ ابا سے کرنی چاہیے تھیں مگر وہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ بھائیوں کا احوال آپ نے سن لیا اسی لیے تو میں نے ایک پڑوسی نوجوان کو اپنا ہمراز بنایا ہے کہ میں اس بھری دنیا میں آپ کے سوا کسی سے یہ بات کرنے کا حوصلہ نہیں کر سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میرا بھرم رکھیں گے اور مجھے شرمندہ نہیں کریں گے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں صبیحہ صاحبہ؟" میں نے احتجاج کیا۔ "میں اور آپ کا بھرم نہیں رکھوں گا' میں' اور آپ کو شرمندہ کروں گا' میں جو آپ کے...... جو آپ کے ایک......" پھر میں نے سوچا کہ اس صورتِ حال میں میری طرف سے اظہار مناسب نہیں پھر سہی' شام کو سہی۔

"میرے ابا بہت غریب آدمی تھے۔" صبیحہ بولی۔ "منیاری کی ننھی سی دکان کرتے اور سوئی' دھاگہ' بٹن' کنگھی' بال پنیں وغیرہ بیچتے تھے۔ ان کا ایک کھوکھا تھا۔ شام کو گھر آتے تو اپنا سارا اثاثہ گٹھڑی میں باندھ کر لے آتے' مگر آفرین ہے ان کی استقامت اور امی کی ہمت پر' کہ پیسہ پیسہ جمع کرتے اور ہم تینوں کو پڑھاتے رہے۔

بھائیوں میں سے ایک نے ایف اے کیا' دوسرے نے میٹرک اور پھر چڑیا کے بچوں کے پر نکل آئے اور وہ دوسرے نگر چل دیے۔ اس وقت میں آٹھویں جماعت میں تھی۔ اب سارا لاڈ پیار اور پیسہ مجھ پر خرچ ہونے لگا مگر میں بگڑی نہیں' میں نے میٹرک کیا پھر ایف اے کیا۔ ان ہی دنوں امی چل بسیں۔ اس کے بعد میں نے بی اے کیا اور ایم اے میں داخلہ لے لیا مگر پھر ابا جی پر فالج کے حملے ہونے لگے۔ دو چار دن ان کا ایک بازو اور ایک ٹانگ سُن رہتے مگر پھر چلنے پھرنے لگتے' تب میں کالج چلی جاتی مگر ایک آدھ دن کے بعد ان پر پھر حملہ ہو جاتا۔ آمدنی رک گئی' میرا کالج جانا بند ہو گیا اور اب کے تو ابا کی زبان ہی بند ہو گئی۔

"آج ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ اب ان کا صحت یاب ہونا مشکل ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ...... میرے منہ میں خاک' آج کل یا پرسوں تک چل بسیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آئندہ دو تین چار سال تک زندہ رہیں مگر اسی حالت میں زندہ رہیں گے...... مفلوج حالت میں۔"

صبیحہ نے شعوری طور پر آنسو پیے' اور پھر گلا صاف کر کے بولی۔ "یہ سب اس بات کا پس منظر تھا جو مجھے آپ سے کہنی ہے۔ اگر میں براہِ راست کہہ دیتی تو آپ مجھے بے حیا سمجھتے۔ بات یہ ہے کہ ابھی محلے میں یہ بات زیادہ نہیں پھیلی کہ کھوکھے میں منیاری کی دکان کرنے والا قریشی مفلوج ہو چکا ہے۔ جس روز سارے محلے کو یہ بات معلوم ہوئی' شاید میں ایسی لڑکی بن کر رہ جاؤں گی جو رات کے اندھیرے میں سڑک سے گزرتے غنڈوں کے نرغے میں آ جاتی ہے۔ شاید میرے گھر میں پتھروں میں لپٹے محبت نامے گرنے لگیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک شخص اس گھر میں زندہ موجود ہے مگر میں یہاں اکیلی رہ گئی ہوں۔ ہمارا معاشرہ اپنے آپ کو بڑا مقدس کہتا ہے مگر حقیقتاً وہ اکیلی اور بے آسرا لڑکی پر یوں جھپٹتا ہے جیسے گدھ مُردار پر جھپٹتے ہیں' سو میں نے فیصلہ کر لیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اویس صاحب کہ مجھے فوراً شادی کرلینی چاہیے۔"

"درست فیصلہ ہے' بالکل درست فیصلہ۔" میں نے اس کی بھرپور تائید کی' اور ایسا کرتے ہوئے میری آواز اتنی بدل گئی کہ خود میں نے یہ تبدیلی محسوس کرلی۔

"خدا آپ کا بھلا کرے۔" صبیحہ نے اطمینان کی سانس لی۔ "مجھے غلط مت سمجھئے گا' مجھے ایک نگراں ہاتھ چاہیے۔ اگر میرے بھائی مجھے درندہ معاشرے کے آگے ڈال گئے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس درندے کا شکار ہو جاؤں۔ میں اس درندے کے پھیلے ہوئے نوکیلے پنجوں کی زد سے باہر بھی تو جا سکتی ہوں' میں شادی بھی تو کر سکتی ہوں۔"

"یقیناً' یقیناً۔" میں نے مزید تائید کی۔

"مجھے بس آپ سے اتنی بات کہنی تھی کہ کوئی اچھا سا رشتہ نظر میں رکھیے۔ اچھے سے میری مراد شریف آدمی سے ہے جو محبت کر سکتا ہو' قربانی دے سکتا ہو' لالچی اور تنگ ظرف نہ ہو' دنیا کی خوبصورتیوں سے پیار کر سکتا ہو' دنیا کی بدصورتیوں سے نفرت اور اس نفرت کا اظہار کر سکتا ہو۔ مجھے کوئی دولت مند انسان نہیں چاہیے' صرف انسان چاہیے جو غیر معمولی نہ ہو' عام سا ہو جیسے میں ہوں..... جیسے آپ ہیں۔"

اب اظہار مکمل ہو گیا تھا' مجھے مزید تفصیل پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں مونڈھے پر بیٹھا کمرے میں تیرتا پھرتا تھا۔ ایک بار جی چاہا کہ بڑھ کر صبیحہ کا ماتھا چوم لوں اور اسے بتاؤں کہ تم نے میرے دل کی بات کہہ دی' کسی نے سچ کہا تھا کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ دراصل میں نے طے کرلیا تھا کہ شام تک اسے یہ بتانے آؤں گا کہ میں نے تمہارے لیے رشتہ ڈھونڈ لیا ہے۔ لڑکا تمہارے معیار کے عین مطابق ہے' اس کا نام اویس ہے' اور وہ تمہارے پڑوس میں رہتا ہے۔

ویسے مجھے صبیحہ کی ذہانت پر حیرت ہو رہی تھی کہ اظہار محبت کا یہ بالواسطہ طریقہ آج تک اور کسے سوجھا ہوگا؟

"ایک رشتہ میری نظر میں ہے۔" میں نے کہا۔ "شام تک آپ کو بتا سکوں گا۔"

صبیحہ کھل اٹھی۔ "آپ کا یہ بڑا احسان ہو گا۔"

"احسان کاہے کا صبیحہ؟" میں تعارف کے بعد پہلی بار اسے مخاطب کرتے ہوئے 'صاحبہ' کا لاحقہ گول کر گیا اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں تھی۔ اب تو معاملہ صاف تھا۔

میں لٹکے ہوئے پلنگ پوش تک پہنچا تو وہ بولی۔

"اویس صاحب' سنیے۔"

میں رک گیا' بولا۔ "کہیے؟"

وہ میرے قریب آ گئی اور بولی۔ "عمر کا خاص خیال رکھیے گا۔ سکون اور صفائی سے زندگی گزارنے کے لیے تجربہ بہت ضروری ہے۔ میں اکیس بائیس سال کی ہوں' اسے کم از کم اکتیس بتیس برس کا ضرور ہونا چاہیے۔ میری' آپ کی عمر میں لڑکے عام طور پر بہت اُتھلے ہوتے ہیں' ناتجربہ کار' نمائشی' لونڈے سے سمجھ گئے نا آپ؟"

میں نے دیوار کا سہارا لے کر آنکھیں بند کر لیں اور پھر سورج جیسے چھت توڑ کر میرے سر پر اتر آیا' سارا منظر لہولہو ہو رہا تھا۔ وہ اس لہو کا سیلاب عبور کرتی ہوئی دوسرے کمرے میں تحلیل ہو گئی۔

☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

م۔ش۔خ

کچھ سچ، کچھ......!

اعزاز کی بات تو ہے تحریکِ انصاف کے عمران خان کے لیے کہ اخبارات کے مطابق وینا ملک اور اُن کے والد نے تحریکِ انصاف جوائن کرلی ہے۔ اب بحیثیت ایک پاکستانی، وینا ملک جب عمران خان کے جلسوں میں شرکت کریں گی تو......

کہتی ہے خلقِ خدا غائبانہ کیا کے مصداق، تحریرِ خاص

قــارئیــن! سلام قبول کیجیے، قبول تو ذہن کرتا نہیں کہ دوشیزہ کی مینجنگ ایڈیٹر منزہ سہام کی اس دلیرانہ جرأت کو، کہ وہ بحیثیت چیف ایڈیٹر کے روزنامہ فلک ٹائمنز کا اجراء کر چکی ہیں اور اس حوالے سے اُنہوں نے ایک خوب صورت ظہرانے کا اہتمام بھی کیا، جس میں پاکستان کے نامور اخبارات کے مالکان نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ منزہ سہام مرزا کم عمر ضرور ہیں مگر وہ اُس عظیم شخصیت کی بیٹی ہیں، جس کو اَدب کے ایوانوں کا شہزادہ کہا جاتا ہے۔ دوشیزہ کے بانی سہام مرزا مرحوم کے ہم پر بھی محبت کے بے شمار احسانات ہیں اور پھر منزہ سہام ان ہی کی دخترِ نیک اختر ہیں۔ اِن کی والدہ رخسانہ سہام مرزا بھی قابلیت کا ایک خوب صورت دروازہ ہیں۔ والد سہام مرزا مرحوم کی قابلیت اور والدہ رخسانہ سہام مرزا کی تربیت جب یکجا ہوئیں تو منزہ سہام مرزا نے کم عمری میں سمندر کی گہرائیوں میں اینکر ڈال دیے اور ہماری صحافتی سوچ کہہ رہی ہے کہ منزہ سہام روزنامہ فلک ٹائمنز کے ذریعے اس شہر میں بسنے والے شہریوں کو ایک حقیقی خواب کی مانند خوب صورت اخبار دیں گی۔

ہماری دُعا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ دُعا تو دیں گے ہم، وزیرِ اطلاعات فردوس عاشق اعوان کو جو پی پی سے وابستہ ہونے کے ناتے خوب صورت بیانات دے کر قارئین اور ناظرین کو حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ اُنہوں نے کہا "جب بے نظیر بھٹو نے اقتدار سنبھالا تو وہ 38 برس کی تھیں۔ نواز شریف نے اقتدار سنبھالا تو وہ 40 برس کے تھے اور عمران خان 60 برس کے ہیں۔ وہ نوجوانوں کی قیادت کیسے کریں گے۔ آپ نے بھی بی بی لکیر کے فقیروں والا بیان دیا ہے۔ محترمہ اب سب کا زمانہ گیا۔ لوگوں نے پی پی پی، ن لیگ اور دیگر جماعتوں کو آزما لیا اور آپ کی بات سے ہم بھی

اتفاق نہیں کرتے، اب تو کم عمر بچوں کا زمانہ ہے سب 60 کے ہو گئے، ہم تو اس دفعہ قارئین سے عرض کریں گے کہ وہ نوجوانوں کو ووٹ دیں۔

آپ یقین کریں، آج کی نوجوان نسل یقیناً ملک کی تقدیر بدل ہی دے گی۔ مثال کے طور پر پرائم منسٹر کے صاحبزادے موسیٰ علی گیلانی، کیا بات ہے اس نوجوان کی کہ کیمیکل کے ایک ادارے نے اس معصوم بچے پر الزام تراشی کی ہے فراڈ کرنے کی۔

میاں منظور احمد وٹو وفاقی مذہبی امور کے صاحبزادے جہانگیر وٹو، ایم این اے پر بھی الزامات لگائے گئے جو زیادتی کے زمرے میں آتا ہے۔

سینئر وفاقی وزیر پرویز الٰہی کے نوجوان صاحبزادے مونس الٰہی پر بھی کرپشن کے الزامات تھے، وہ عزت سے بری ہوئے اور چچا جان ابا جان سب حکومت میں شامل ہو گئے۔

مونس الٰہی تو ابھی معصوم ہیں اور حکومتی اداروں نے اُن پر بھی الزامات کی بارش کردی۔ وزیرِ اعلیٰ پنجاب شہباز شریف، جنہیں خادمِ اعلیٰ پنجاب بھی کہا جاتا ہے، کے صاحبزادے حمزہ شہباز پر کسی لڑکی نے ناجائز کیس کیا کہ انہوں نے مجھ سے نکاح کیا، اب بیوی نہیں مانتے، یہ بھی اُس لڑکی کی معصوم حمزہ شہباز پر الزام تراشی ہے۔

آیئے! اب چلتے ہیں بلاول بھٹو زرداری کے اس بیان پر کہ اُنہوں نے سپریم کورٹ سے کہا ہے کہ وہ بھٹو کی پھانسی پر معافی مانگے، اب بھلا بتایئے، یہ بچے اتنے قابل ہیں تو کون دے گا ووٹ ملک کی اگلی بھاگ دوڑ کے اِن نئے بوسیدہ بڈھے سیاست دانوں کو، سوچیے !!! اگر یہ کم عمر قابل بچے، جنہوں نے ابھی کچھ نہیں دیکھا، اگر اگلے انتخاب میں ملک کے وزیرِ اعظم اور وفاقی وزراء یا صوبے کے وزیرِ اعلیٰ بن گئے تو کیا بنے گا اس قوم کی تقدیر کا، یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

تقدیر تو بنائی ہے اوپر والے نے، ہمارے نامزد کردہ قومی اسمبلی کے ممبران کی، قومی اسمبلی کے ممبر کی تنخواہ ایک لاکھ بیس ہزار ماہانہ ہے۔ قانون سازی کی مد میں ماہانہ ایک لاکھ، اب کیا قانون سازی ہو رہی ہے قانون کی؟ یہ تو آپ کو پتا ہے دفتر کے ماہانہ اخراجات میں ایک لاکھ چالیس ہزار، دفتر میں کیا کام کرتے ہیں، یہ ممبران کو معلوم ہوگا۔

ریلوے میں بیگم بچوں اور سیکریٹری کے ہمراہ فرسٹ کلاس ایئر کنڈیشن کے غیر محدود ٹکٹ اور شاید ان مراعات کے بعد ریلوے نے کام کرنا ہی چھوڑ دیا ہے جو ممبران اور اُن کی فیملی کے ساتھ زیادتی ہے۔ سالانہ ہوائی جہاز کے 40 ٹکٹ جہاز پی آئی اے چلائے گی تو ٹکٹ بھی کارآمد ہو گا۔ بہر حال لولی لنگڑی ایئر لائن کو اور لنگڑا کیا جا رہا ہے۔

ملک کے تمام شہرو میں رہائش کی لامحدود سہولتیں، بجلی کے 50 ہزار یونٹ مفت، ٹیلی فون کی مد میں دو لاکھ یونٹس مفت، عوام کے لیے 5 منٹ کی کال، میڈیکل کی سہولت مفت، پاکستان کے گورنمنٹ اسپتالوں میں غریبوں کے لیے دوائیاں نایاب اور ملک کے وزیرِ اعظم اسمبلی میں شعر فرماتے ہیں۔

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات ہے دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

اعزاز کی بات تو ہے تحریکِ انصاف کے عمران خان کے لیے کہ اخبارات کے مطابق وینا ملک اور اُن کے والد نے تحریک انصاف جوائن کرلی ہے۔ اب بحیثیت ایک پاکستانی وینا ملک جب عمران خان کے جلسوں میں شرکت کریں گی تو وہ دسمبر کا مہینہ ہو گا کیونکہ الیکشن جنوری میں متوقع ہیں اور ہمارے صوبہ پنجاب میں دسمبر جنوری میں خاصی سردی ہوتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سردی میں وہ کس لباس کو منتخب کرتی ہیں یہ تو وہی جانتی ہیں اور ہم عمران خان کے جلسے میں آنے والے شرکاء کو پیشگی سبارک باد دیتے ہیں کہ وینا ملک اُن کے سامنے خطاب کرنے والی ہیں۔ ویسے بھی عوام اُن کے حوالے سے موبائل پر خوب صورت S.M.S تو پڑھتے ہی رہتے ہیں۔ شکر ہے کہ وہ بھی سیاست میں آگئی ہیں، وینا ملک تحریک انصاف میں کون سا سوٹا می لائیں گی یہ تو وینا ملک ہی بہتر سمجھتی ہیں۔

سمجھتی تو ہیں قومی اسمبلی کی اسپیکر فہمیدہ مرزا، اس ملک میں انگریزی کو، اُنہوں نے گزشتہ دنوں بھارتی لوک سبھا کی ممبر میرا کمار کے اردو میں خطاب کا جواب انگریزی میں دیا، جب کہ پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے اور اُنہیں بھارتی مہمان کی تقریر کا جواب بھی اردو میں دینا چاہیے تھا۔

نوجوان نسل کو اس حوالے سے ایک واقعہ سناتے ہیں، سابق صدر پاکستان، فیلڈ مارشل ایوب خان مرحوم نے بھارتی وزیرِاعظم آنجہانی جواہر لال نہرو کو پاکستان آنے کی دعوت دی۔ جواہر لال نہرو نے پاکستان میں شیروانی زیب تن کی اور اُردو میں تقریر کی۔ ایوب خان مرحوم نے مغربی لباس پہن کر انگریزی میں تقریر کی۔

تقریب کے اختتام پر ایوب خان مرحوم نے جواہر لال نہرو سے کہا کہ آپ نے اُردو میں تقریر کی اور شیروانی زیب تن کر رکھی ہے کا جواب دیتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ میں دِل کی بات دِل سے کر رہا ہوں جب ہی تو میرے جذبات آپ تک پہنچیں گے۔ میرا کمار پرانی سیاست دان ہیں۔ اُنہوں نے فہمیدہ مرزا کی انگریزی تقریر کا جواب اُردو میں دے کر اپنے قومی رہنماؤں کی روایت کو قائم رکھا اور ہم.....؟

☆☆☆

نوجوان شاعر کاشی چوہان کا خوبصورت شاعری سے سجا مجموعہ کلام.....

شائع ہو چکا ہے

تم نے سونا بنا کے مٹی سے
مجھ کو مٹی کے بھاؤ بیچ دیا

دوشیزہ اور سچی کہانیاں کے قارئین کے لیے خصوصی ڈسکاؤنٹ۔ کتاب کی قیمت میں کتاب آپ کے ہاتھ میں۔ نہ کوئی ڈاک خرچ اور نہ کوئی دوسرا خرچ۔ پاکستان بھر سے صرف ایک S.M.S یا فون کال کیجیے، کتاب آپ کی دہلیز تک پہنچا دی جائے گی۔

رابطے کے لیے

0307-2089080

0345-2540616

دوشیزہ میگزین

- ☆ بنتِ حوّا
- ☆ دریچے
- ☆ یہ ہوئی نا بات
- ☆ نئے لہجے، نئی آوازیں
- ☆ کچن کارنر
- ☆ نفسیاتی کالم
- ☆ بیوٹی گائیڈ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صفورا زوجہ حضرت موسیٰؑ

مسرت گیلانی

حضرت موسیٰ علیہ السلام عمران ابن قاہت بن لادی بن یعقوب کے لڑکے تھے۔ ان کی ماں کا نام یوحاند تھا۔

موسیٰؑ کے دادا حضرت یعقوبؑ کے ہمراہ مصر آئے تھے، اس لیے حضرت موسیٰؑ کے والد عمران اور خود حضرت موسیٰؑ مصر میں پیدا ہوئے۔ جس دور میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے تو اُس وقت فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو پیدائش کے ساتھ ہی قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ یہ سلسلہ ایک عرصے سے چل رہا تھا، اسی لیے آپؑ کے قتل کے خوف سے آپؑ (حضرت موسیٰؑ) کی والدہ نے (علمائے اخبار اور مفسرین کہتے ہیں۔) تین ماہ دودھ پلاکر چوتھے ماہ موسیٰؑ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیا، جو بہتا ہوا محلِ فرعون کی طرف چلا گیا اور اُس وقت دریا کے کنارے فرعون کی بیوی آسیہ موجود تھی۔ انہوں نے آپؑ کو صندوق سے نکالا اپنے خاص آدمیوں سے کہہ کر، اُدھر موسیٰؑ کی بہن نے پیچھا کرتے ہوئے صندوق کو محل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اور پھر بحیثیت دودھ پلانے والی عورت کے، خود حضرت موسیٰؑ کی حقیقی ماں کا انتخاب ہوا اور یہ سب رَب کی رَضا سے ہو رہا تھا۔

رَبِ کریم نے اپنے نبی کے لیے ہر بات میں احتیاط و پاکی کا اہتمام کیا اور نسل کشی کرنے والے فرعون کے محل میں شان و شوکت کے ساتھ ناز و نعمت میں، بہترین ماحول میں اللہ نے اپنے نبی کی پرورش کروائی، جس کے نتیجے میں آپ جب سنِ بلوغت کو پہنچے تو ایک طاقتور جسم کے، دراز قد، بہادر نوجوان تھے اور قدرت نے زورِ بازو کے ساتھ ساتھ قوتِ فکر بھی عطا کی تھی۔ اب نبی کی تربیت کا مرحلہ شروع ہوتا ہے، اس لیے موسیٰؑ کو کسی مومن صالح بزرگ کی ضرورت تھی، جو ان کو علم کی روشنی، ہدایت کا راستہ، ایمان کی طاقت سے نواز دے اور اللہ کا منتخب بندہ، اپنے منصب کو نبھانے کے قابل ہو جائے۔

اہلِ مصر، بنی اسرائیل کے لوگوں کو پسند نہیں کرتے تھے مگر حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل سے تھے مگر مصری ان کا بہت لحاظ کرتے تھے کیونکہ انہوں نے فرعون کی بیوی، آسیہ اور بیٹی کے پاس پرورش پائی تھی۔ اس طرح آپؑ کا بڑا رعب و دبدبہ تھا۔ موسیٰؑ ایک روز محل سے باہر نکلے۔ ایک عبرانی (بنی اسرائیل سے) کو ایک قبطی مصری مار رہا تھا۔ آپؑ نے مصری کو اُس کے فعل سے روکا مگر وہ نہ مانا تو غصہ میں موسیٰؑ نے ایک گھونسہ مارا، جو اس زور سے لگا کہ وہ مر گیا۔ کچھ روز بعد، پھر اسی طرح وہ عبرانی، کسی قبطی سے لڑتا ہوا ملا۔

موسیٰؑ نے غالب شخص کو منع کرنا چاہا تو وہ چلا اٹھا۔ ”کیا تو نے ارادہ کرلیا کہ مجھے قتل کرے گا جیسا کہ کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا؟“ (سورۃ القصص۔19)

موسیٰؑ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور یہ خبر فرعون تک پہنچی اور پھر دربار میں قبطیوں (مصریوں نے) انصاف چاہا اور فرعون نے آپؑ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اسی دوران آپؑ کے پاس خبر پہنچ گئی اور آپؑ اس خبر سے خوف اور گھبراہٹ میں مدین کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ اُس وقت آپؑ کی عمر چالیس سال تھی۔ آپؑ اپنے رَب سے رجوع کرتے رہے اور سفر کرتے رہے۔ آپؑ کا یہ سفر رَبِ کریم کی مصلحت پر مبنی تھا۔ (تاریخ ابنِ خلدون۔ حصہ اول)

بالآخر کئی دنوں کے تھکا دینے والے سفر کے بعد مدین کے قبیلے تک پہنچے۔ مدین کی بستی کے باہر ایک کنوئیں کے پاس پہنچے، جہاں کچھ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور قریب ہی دو لڑکیاں اپنے جانوروں کو روک کر کھڑی تھیں۔ کچھ دیر تک آپؑ انہیں دیکھتے رہے پھر آپؑ نے اُن لڑکیوں سے دریافت کیا۔ ”تمہیں کیا پریشانی ہے؟“

جواب ملا۔ ”ہم اُس وقت تک اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتے، جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو نہ نکال لے جائیں کیونکہ ہمارے والد بوڑھے ہیں۔ (وہ کنوئیں سے پانی نہیں نکال سکتے۔) اس لیے ہم اُن کا بچا ہوا پانی پلاتے ہیں۔“

حضرت موسیٰؑ کو اُن لڑکیوں پر رحم آیا اور آپؑ نے کنوئیں سے پانی نکال کر جانوروں کو پلایا اور پھر ایک درخت کے سائے میں جاکر بیٹھ گئے اور اپنے رَب سے دُعا کرنے لگے۔ رَبِ رحیم نے فی الفور دُعا قبول فرمائی اور پھر اُن دو لڑکیوں میں سے ایک واپس آئی جو پیکرِ شرم و حیا تھی اور آپؑ کو آواز دی اور کہا۔

”میرے والد تمہیں بلا رہے ہیں تا کہ وہ جانوروں کو پانی پلانے کا اَجر دیں۔“

حضرت موسیٰؑ اُس لڑکی کے پیچھے چل دیئے چلنے کے دوران تہ بند کا ایک سرا اٹھ گیا اور آپؑ کا پاؤں نظر آنے لگا تو آپؑ نے کہا۔ ”تم میرے پیچھے چلو اور راستہ بتاتی جاؤ۔“ جب حضرت موسیٰؑ گھر پہنچے تو لڑکی کے بوڑھے والد (شیخ کبیر جس کا نام تھا) سے ملاقات ہوئی۔ اکثریت کی رائے کے مطابق وہ حضرت شعیبؑ تھے۔ یہاں پر اللہ کے نبی اپنی رُوحانی، تعلیمی تربیت کے لیے اور اللہ کے نیک صالح مومن بندے تک پہنچ گئے۔ لڑکیوں کے والد، اُس بوڑھے شخص نے آپؑ کو تسلی دی اور کہا۔ ”تم کوئی خوف نہ رکھو۔ یہاں ظالم فرعون تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے گا۔“

ایک لڑکی بولی۔ ”ابا جان! کیوں نا آپ اس آدمی کو ملازم رکھ لیجیے جو طاقتور اور امانت دار بھی ہے۔“ کچھ تبدیلی کے بعد حضرت شعیبؑ نے یہ بات مان لی اور موسیٰؑ سے کہا۔ ”میں چاہتا ہوں میری کسی ایک بیٹی سے تمہارا نکاح ہو جائے اور تم 8 سال یا دس سال میرے ساتھ گزارو گے۔ میں تم پر سختی نہ کروں گا۔“

اس طرح حضرت شعیبؑ کی بیٹیوں میں سے صفورا نامی بیٹی سے آپؑ کا نکاح ہو گیا اور پھر آپؑ نے دس سال ایک چرواہے کی زندگی گزاری۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی بیٹی سے ایک لکڑی منگوائی جانور ہانکنے کے لیے مگر لکڑی کو واپس کروا دیا۔ حضرت شعیبؑ نے کئی بار لکڑی تبدیل کروائی مگر ہر بار اسی شکل میں لکڑی آپؑ تک پہنچتی پھر یہ لکڑی (عصا) کون رکھے گا؟ ایک شخص (انسانی شکل میں فرشتہ) نے مشورہ دیا کہ اسے زمین میں رکھ دیں، جو پہلے اٹھالے یہ اسی کی ہو حضرت موسیٰؑ نے اسے اٹھا لیا اور دس برس تک اس عصا سے آپؑ کئی کام لیتے رہے۔ جب آپ جانور لے کر نکلتے تو اپنی بیوی صفورا کو بھی ساتھ رکھتے تھے۔ نیک صالح، خوب صورت اور خوب سیرت بیوی، ہر قدم پر آپؑ کے ساتھ رہتی، جو آپؑ کا حوصلہ بھی تھی اور ضرورت بھی۔ اللہ نے نبی کی شان کے مطابق شریکِ حیات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عطا کی تھی جو آزمائشوں میں بھی شکایت نہ کرتی۔ رَب کی رَضا پر صبر کرتی۔ آپؑ سے ایک بیٹا ہوا جو اپنے نانا کے ساتھ رہ رہا تھا۔ دس برس تک موسیٰؑ، حضرت شعیبؑ کے یہاں مزدوری کرتے رہے۔ گیارہواں سال جاڑے کے موسم میں موسیٰؑ نے حضرت شعیبؑ سے رخصت لی، بیوی بچے اور کچھ جانوروں کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ کئی دن کے مشکل سفر کے ساتھ جب طُورِ سینا کے قریب پہنچے تو رات ہو چکی تھی، اندھیرا چھا رہا تھا، سردی بڑھ رہی تھی، بیوی بچوں اور جانوروں کے لیے موسیٰؑ پریشان تھے۔ راستہ بھی بھٹک گئے تھے، پناہ کی جگہ نہ تھی۔ سردی سے بچنے کے لیے آگ کی چنگاری نہ تھی۔ پریشانی اور جستجو میں موسیٰؑ اِدھر اُدھر نظر دوڑا رہے تھے کہ اچانک انہیں کوہِ طُور پر ایک شعلہ نظر آیا جسے صفورا نہ دیکھ سکیں۔

آپؑ نے صفورا سے کہا۔ ”تم یہیں رکو، میں نے اُس پہاڑی پر آگ دیکھی ہے، میں ابھی لاتا ہوں جس کی مدد سے ہم سردی سے بچ سکیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ہماری مدد کرنے والا ہمیں مل جائے۔“ یہ کہہ کر موسیٰؑ نے اس اندھیری رات میں سخت سردی کو چیرتے ہوئے اپنے عصا کی مدد سے پہاڑی پر چڑھنا شروع کیا مگر جلد ہی آپؑ کو احساس ہوا کہ شعلہ آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ نورِ الٰہی کی تجلی تھی۔ جلد اللہ تعالیٰ نے آپؑ سے کلام کیا۔

”اے موسیٰؑ! یہ میں ہوں، تمہارا پروردگار، سب جہانوں کو پالنے والا!“

موسیٰؑ کچھ دیر بعد بے ہوشی کی حالت سے نکل آئے تو ارشادِ رَب ہوا۔ (سورۃ طٰہٰ۔ ۱۸۔ ۱۷)

”تمہارے بائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰؑ!؟“

”یہ میرا عصا ہے۔ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور بکریوں کے لیے پتے توڑتا ہوں اور اس سے مجھ کو بہت سے کام ہیں۔“

رَب نے کہا۔ ”اے موسیٰؑ! اسے چھوڑ دے۔“

حضرت موسیٰؑ نے اُسے زمین پر چھوڑ دیا۔ اس نے ایک اژدہے کی شکل اختیار کر لی اور پھنکارنے لگا۔ موسیٰؑ ڈر گئے، پیچھے ہٹے مگر حکمِ خداوندی سے پھر اٹھایا تو وہ عصا کی شکل میں آ گیا۔

اِدھر موسیٰؑ صاحبِ نبوت ہو رہے تھے، اُدھر اُنؑ کی بیوی اپنے بچے کے ساتھ اُنؑ کا انتظار کر رہی تھی۔ آپؑ لوٹے تو آپؑ کے پاس دو معجزے تھے، یدِ بیضا (چمکتی ہوئی ہتھیلی) اور عصا، ساتھ ہی حکمِ الٰہی تھا۔

”ہم تم دونوں کو غلبہ مرحمت کریں گے۔ پس وہ لوگ یعنی فرعون اور اس کی قوم تم کو کچھ نقصان نہ پہنچا ئیں گے۔ تم اور تمہارے اتباع کرنے والے ان پر غالب آ جائیں گے۔“ (سورۃ القصص۔ ۳۵)

بعض مورخین کا کہنا ہے کہ چند گھنٹے کی یہ بات تھی اور بعض کا کہنا ہے، آپؑ سات روز تک وہاں رہے۔ موسیٰؑ جب ہر صورت مطمئن ہو گئے تو کوہِ طُور سے لوٹے اور اپنے اہلِ خانہ کو لے کر روانہ ہوئے۔ رات کے وقت مصر پہنچے اور گھر کے افراد اُن کو پہچان سکے نہ وہ گھر والوں کو مگر ہارونؑ نے گفتگو کو آسان کر دیا۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ جب آپؑ کوہِ طُور پر تھے تو مدین کے چند چرواہے وہاں آئے تو واپسی میں صفورا اور بچے کو حضرت شعیبؑ کے پاس چھوڑ دیا۔

دوسری صورت یہ بھی ملتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور مصریوں کو راہِ حق دکھانے کے لیے ارادہ کرتے ہوئے، بیوی کو مدین کی طرف روانہ کیا اور پھر وہ اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس چلی گئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کی تفصیل، اُنؑ کی وفات تک مختلف کتابوں میں ملتی ہیں مگر آپؑ کی بیوی صفورا کے بارے میں مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی لیکن بنتِ حوا کے قارئین سے اب یہ بھی درخواست کروں گی کہ علم حاصل کرنے کے لیے معلومات تو قطرہ ہے، مزید جاننے کی لیے، خود بھی قرآنِ حکیم، احادیث اور تاریخ کا مطالعہ ضرور کریں۔ ☆☆

اور اب؟
آپ کا......
ماہنامہ سچی کہانیاں

ماہ جون 2012ء سے ایک نئے انداز، نئی ترتیب اور کچھ نئے سلسلوں کے ساتھ آپ کی نگاہوں کا مہمان ہوگا۔

نئے سلسلے

❀ سڑک کہانی ...... اُن لوگوں کی کہانیاں جن کی زندگی سڑکوں پہ سانس لیتے گزرتی ہے......

❀ اِس ماہ کی خاص کہانی ...... زندگی کے مختلف شعبوں سے جڑی چشم کشا کہانیوں اور واقعات سے انتخاب......

❀ یاد کے گہرے ساگر میں ...... شوبز کی چمکتی دمکتی دنیا سے جڑی یادوں کا سلسلہ......

❀ سچی کہانیاں MINI MAG ...... سچی کہانیاں کے مقبول سلسلوں آپ کی ڈائری، خیال آرائی، کتاب تبصرہ اور پسند اپنی اپنی کے علاوہ کچھ اور نئے دلچسپ سلسلے شامل ہوں گے......

آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال یا اپنے ہاکر سے کاپی بک کرالیں...... پھر نہ کہیے گا ہمیں خبر نہ ہوئی

110- آدم آرکیڈ- شہید ملت روڈ/ بہادر شاہ ظفر روڈ، کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دریچے

اسماء اعوان

فرمانِ الٰہی

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
آپ (ﷺ) ان سے دریافت کیجیے کہ کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو؟ آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ وہ صرف اللہ ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو پھر بتاؤ کہ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے حکم کی پیروی کی جائے یا اس کے جس کو خود ہی راستہ نہ ملتا ہو بلکہ اسے راستہ بتایا جائے؟ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیسے الٹے الٹے فیصلے کرتے ہو؟

سورۃ یونس (۱۰)......ترجمہ آیت (۳۵)

گانے اور موسیقی کی ممانعت

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک بار کہیں موسیقی کی آواز سن لی تو آپؓ نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اس راستہ سے دور ہو گئے اور (کچھ دیر بعد) مجھ سے کہا۔ "اے نافع! کیا تجھے کچھ سنائی دیتا ہے؟" میں نے کہا۔ "نہیں۔" نافع کہتے ہیں پھر آپؓ نے اپنی انگلیاں کانوں سے ہٹا لیں اور کہا کہ میں ایک مرتبہ رسول ﷺ کے ساتھ تھا تو آپ ﷺ نے ایسی ہی آواز سنی تو آپ ﷺ نے یہی عمل کیا جو میں نے کیا۔" ۱۴۹۳۔

(سنن ابی داؤد شریف۔ باب کراہیتہ الغناء والزمر)

ضعیف ترین

بے نیاز اور لاابالی فلسفی نے اپنے کسی شاگرد کو خط کے جواب میں لکھا۔ "تم نے پوچھا ہے کہ دنیا کا ضعیف ترین آدمی کون ہے؟ یوں تو اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن میں بات کو طول دینا نہیں چاہتا۔ میرے نزدیک دنیا کا ضعیف ترین انسان وہ ہے جو اپنی خواہشات پر غالب نہیں آپاتا۔"

مرسلہ۔ فیصل بخت۔ پشاور

آخر زمانہ

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اُن فتنوں کا ذکر کیا جو آخری زمانے میں ہوں گے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا۔

"اے علیؓ! یہ فتنے کب ہوں گے؟"

فرمایا۔ "جب غیر دین یعنی دنیا کے لیے دینی علم حاصل کیا جائے گا اور عمل کے بغیر یعنی عزت اور مال کے لیے سیکھا جائے گا اور آخرت کے عمل سے دنیا طلب کی جائے گی۔"

مرسلہ۔ عائشہ اشتیاق۔ مدینہ

سچی باتیں

☆اس ترقی یافتہ دور کی ایک واضح کمزوری یہ ہے کہ ہم

اپنی خواہشات اور ضروریات میں فرق محسوس نہیں کرتے۔

☆ہم سوچنے کے لیے زندہ نہیں بلکہ ہم اس لیے سوچتے ہیں کہ ہم زندہ رہ سکیں۔

☆ان لوگوں سے عبرت پکڑو جو دوسروں سے عبرت نہیں پکڑتے۔

☆کام سے غلطی، غلطی سے تجربہ، تجربے سے عقل، عقل سے خیال اور خیال سے نئی چیزیں وجود میں آتی ہیں۔

☆بے شک بہت دیر تک سوچو لیکن سوچنے کے بعد تمہارا فیصلہ اٹل ہونا چاہیے۔

شاہینہ ناز۔ کوٹ ادو

زندگی

ہر انسان زندگی کو اپنے تجربے کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ یہ سات رنگوں میں ہمارے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ زندگی خوابوں کا خوبصورت جزیرہ ہے جبکہ کوئی اس کو ٹوٹے خوابوں کا قبرستان کہتا ہے۔ کسی کی نظر میں یہ پھولوں کی سیج ہے تو کسی کی نظر میں کانٹوں کا بستر ہے۔ کوئی اس کو محبت کا پھول کہتا ہے تو کوئی اس کو نفرت اور جدائی کے کانٹوں سے تشبیہ دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ غم کا دریا ہے اور کوئی اس کو خوشیوں کا جھرنا کہتا ہے۔ کوئی اس کو تاریکی اور کوئی روشنی کہتا ہے۔ کسی کی نظر میں یہ آنسو اور کسی کی نظر میں دل آویز مسکراہٹ ہے۔ کوئی اس کو محبت کا نغمہ اور کوئی اس کو جدائی اور غم کا مرثیہ کہتا ہے لیکن میری نظر میں زندگی سخت سردی میں تھر تھر کانپتے اس معصوم بچے کے سر پر دستِ شفقت رکھنا ہے جو ماں باپ کی محبت سے محروم ہو چکا ہو۔

مرسلہ۔ شہزادی بانو۔ بدین

ایک قطعہ

اسی مکاں کا تصور ہے لامکاں کا وجود
سوائے اسیرِ مکاں، دامِ لامکاں سے نکل
پڑا ہے پردۂ سود و زیاں حقیقت پر
تجھے طلب ہے تو ہر سود، ہر زیاں سے نکل

شاعر۔ میر احمد نوید

رائل سعودی لینڈ فورسز (RSLF)

سعودی عرب کی بری یا زمینی افواج کا آفیشل نام رائل سعودی لینڈ فورسز (RSLF) ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر ملک کے شمال میں کویت کی سرحد کے قریب کنگ خالد ملٹری سٹی، حفر الباطن میں واقع ہے۔ سعودی زمینی فوج کے سپاہیوں کی مجموعی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہے اور یہ دنیا کی 15ویں بڑی آرمی سمجھی جاتی ہے۔ سعودی بری فوج کئی جنگیں لڑنے کا تجربہ رکھتی ہے۔ 1902ء سے 1933ء تک مملکتِ سعودیہ کی تشکیل کے دوران لڑی گئی طویل جنگ کے علاوہ سعودی آرمی نے 1948ء میں اسرائیل کے خلاف عربوں کی جنگ میں بھی سرگرمی سے حصہ لیا تھا اور تین ہزار سے زیادہ فوجیوں کی شہادت کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ 1967ء میں سعودی آرمی کے 20 ہزار اہلکاروں نے اُردن میں خدمات انجام دیں۔ 1969ء میں جنوبی یمن کی فوج نے سعودی عرب کے سرحدی شہر الوادیہ پر حملہ کیا، تاہم سعودی آرمی نے حملہ آور فوج کو شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ 1973ء میں جنگِ اکتوبر کے دوران امریکی مداخلت کے خلاف سعودی عرب نے خلیج کے دیگر ممالک کے ساتھ مل کر احتجاج کرتے ہوئے تیل کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا اور شام کے محاذ پر لڑنے کے لیے اپنے تین ہزار فوجیوں کو اُردن میں تعینات کر دیا۔ 1990-91ء میں کویت پر عراقی فوج کے قبضے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد سعودی بری فوج نے امریکا اور دیگر اتحادیوں کے ساتھ مل کر جنگِ خلیج میں حصہ لیا اور کویت کو آزاد کروانے میں اہم کردار ادا کیا۔

مرسلہ۔ نازلی عمر۔ جاتی، سندھ

کارگر نسخہ

ایک فرم کے مالک کو انتہائی سخت الفاظ پر مبنی دوسرا نوٹس موصول ہوا جس میں اسے بتایا گیا کہ ٹیکس وصول کرنے کی آخری تاریخ انتہائی قریب ہے اور اگر اس نے اب بھی ٹیکس ادا نہیں کیا تو اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

فرم کا مالک گھبرایا ہوا ٹیکس آفس پہنچا، ٹیکس جمع کروایا اور اس نے معذرت کی کہ پہلا نوٹس کہیں گم ہو گیا تھا۔

ٹیکس آفیسر نے بتایا۔ ”ہم پہلا نوٹس بھیجتے ہی نہیں ہیں۔ ہمارا تجربہ ہے کہ دوسرا نوٹس زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔“

مرسلہ۔ شاہ زیب عزیز، کراچی۔

خلیل جبران کی نظر میں

☆ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے سروں کو اتنا بلند کر لیتے ہیں کہ پہاڑوں کی چوٹیاں نیچے رہ جاتی ہیں لیکن ان کی روحوں کی پیمائش کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ابھی بھی تاریک غاروں میں ہی رینگ رہے ہیں۔

☆ میں نے دنیا اس لیے تیاگ دی کہ ان لاکھوں انسانوں سے تلطف اور نرمی سے پیش آتے آتے بے زار ہو گیا ہوں جو انکساری کو کمزوری، رحم دلی کو بزدلی اور امارت پرستی کو قوت خیال کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص تیرے ایسے گناہ کو معاف کر دے جس کا تو نے ارتکاب کیا تھا تو اُس کا ایک ایسا گناہ معاف ہو جاتا ہے جس کا وہ مرتکب ہوا تھا۔

مرسلہ۔ زینب فاطمہ، چوکی

تلقین

ایک جگہ۔ بم دھماکا ہوا اور ایک سکھ کا بازو کٹ گیا جس پر وہ درد سے چیخنے لگا تو دوسرا سکھ بولا۔

”صبر کر یار، صبر کر، کیوں اتنا چلا رہا ہے؟ وہ دیکھ سامنے ایک آدمی کی گردن اڑ چکی ہے مگر وہ تو بالکل خاموش ہے.....“

مرسلہ۔ فوزل علی، جھنگ

احوال

شہر کے اندر جھیل رہا ہے
تن میرا بن باس
جسموں کی اک بھیڑ میں گم ہوں
بے صورت
بے پہچان
اپنے آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں
اپنے آپ سے دور
میرے نام کی تختی ہے
اور غیر آباد مکان

شاعر۔ احمد صغیر صدیقی

سُرمہ

سرمے کا باقاعدہ استعمال ہمارے پیارے رسول ﷺ کی سنت ہے اور فائدے مند بھی۔ سرمے کا صدیوں سے آج تک استعمال اس کی افادیت اور روایتی ادویہ سازی میں اس کے اہم کردار کا بین ثبوت ہے۔ بہت اچھی طرح پسا ہوا سرمہ جو سرمے کے پتھر سے تیار کیا گیا ہو جب آنکھوں میں لگایا جاتا ہے تو اس سے آنکھیں صاف، ٹھنڈی، گرد و غبار اور بیکٹیریا سے محفوظ رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ سورج کی تمازت سے آنکھوں کو محفوظ رکھتا ہے۔

مرسلہ۔ نور العین، اسلام آباد

برصغیر کی سریلی آوازیں

سائیں اختر اندرون شہر چونا منڈی کے لوک فنکار تھے۔ یہ عجیب و غریب شخصیت کے مالک تھے۔ ہاتھوں کی تمام انگلیوں میں انگوٹھیاں پہنے رہتے تھے۔ ہمیشہ کالے کپڑے پہنتے تھے۔ منہ پر داڑھی ہوتی تھی۔ سر پر سندھی ٹوپی پہنتے تھے اور پان کھاتے تھے۔ قدرت نے ان کو بہت اونچی اور سریلی آواز دی ہوئی تھی۔ لاہور کے بڑے لوگ ان کو اپنی شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں بلاتے تھے اور ان کے گیت سنتے تھے۔ شہر کی گلیوں میں بھی کبھی کبھار ان کی آواز ابھرتی تھی۔ وہ چلتے ہوئے بھی کسی انجانے جذبے کے جوش میں گنگنانا شروع کر دیتے تھے۔ پورا پنجاب ان کی اونچی سریلی آواز سے آشنا تھا کیونکہ فلم انڈسٹری میں بننے والی فلموں کے تقریباً ٹائٹل سانگ ان کی آواز میں ہوتے تھے۔

مرسلہ۔ فاطمہ ارشد، دراڑ، انڈیا

وٹامن ڈی کے فوائد اور حصول کے ذرائع

اصل میں وٹامن ڈی ایک ہارمون ہے جو مسلز کو مضبوط بناتا ہے اور کیلشیم کو نہ صرف جسم میں جذب کرنے میں مدد دیتا ہے بلکہ جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔ وٹامن ڈی کی معقول مقدار جسم میں نہیں ہوگی تو کیلشیم سے مالا مال غذا یا سپلی منٹ کا بہترین استعمال نہیں ہو سکے گا۔

اگرچہ یہ جلد میں دھوپ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے مگر ڈاکٹرز یہ مشورہ دیتے ہیں کہ جو لوگ 40 سال سے اوپر کے ہو گئے ہیں، انہیں وٹامن ڈی سپلی منٹ لینی چاہیے کیونکہ عمر کی بڑھوتری کے ساتھ جلد کی کارکردگی ہلکی ہو جاتی ہے۔

اس کے دیگر ذرائع میں نوری فائڈ فوڈ اور چکنائی والی مچھلی مثلاً سالمن، کیلشیم کی طرح وٹامن ڈی کو جسم میں اسٹور کیا جا سکتا ہے اس لیے اس کی سطح ہمیشہ اوپر رکھی جا سکتی ہے۔

مرسلہ۔ نسیم شفیق، اسلام آباد

زیتون

زیتون اور اس کے تیل میں طاقتور انٹی آکسیڈینٹ فینولک کی بھاری مقدار موجود ہوتی ہے۔ یہ اچھی صحت کے لیے آئیڈیل خوراک ہے۔ سبز کے مقابلے میں سیاہ زیتون زیادہ مقوی ہوتا ہے۔ اسی طرح کولڈ پریسڈ ایکسٹرا ورجن تیل زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ تجویز کیا جاتا ہے کہ یومیہ کھانے کا ایک سے ڈیڑھ چمچ آئل لینا چاہیے۔ اسے کھانا پکانے میں استعمال کر سکتے ہیں۔ سلاد میں ڈالا جا سکتا ہے۔ خیال رکھیں کہ زیتون کا تیل بہت صحت بخش ہے لیکن بہرحال یہ تیل ہی ہے اس لیے بکثرت استعمال نہ کریں۔ زیادہ استعمال سے وزن بڑھ جائے گا۔

مرسلہ۔ نسیہ عاقل، ڈسکہ

صلیب محرومی

نہ جانے کیوں
مجھے احساس ہو چلا ہے کہ اب
خیال و خواب کے
بے انت رہ گزاروں میں
گڑی رہے گی ہمیشہ صلیب محرومی
بہارِ نو کی گزر اب کبھی نہیں ہوگی
کسی کی ہم پہ نظر اب کبھی نہیں ہوگی

شاعر۔ ضیاء شاہد

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نئی لہجے نئی آوازیں

یکم مئی

بلند و بالا عمارتیں
روشنیوں سے جگمگاتے شہر اور شاہراہیں
سرسبز و شاداب ہیں، ہمارے کھیت و کھلیان
جن کے دم سے
وہ خود ہیں کتنے بے بس و مجبور
گھر کی طرف اُٹھتے ہوئے اُن کے قدم ہیں بوجھل
اور وہ ہاتھ ہیں خالی
کیونکہ!!
آج ہے تعطیل یکم مئی کی
جو ہے اُن سے منسوب
یہ سزا ہے!
یا اعزاز ہے
کہ
جن کے گھر کے بوسیدہ دروازے پر
منتظر ہیں معصوم نگاہیں
بھوک جن کے چہروں سے عیاں
موسموں کی سختی سے بے نیاز
دریدہ دامن ہیں
جن گھروں کے معصوم نونہال

ثمینہ عرفان۔ کراچی

ہم پھر ملیں گے

کسی البیلی رُت میں
جب گل کھلیں گے
کسی چاندنی رات میں
جب آنگن میں
پھول رات کی رانی کے مہکیں گے
کسی ساحل کنارے
یا کسی کنج چمن میں
تنہائی میں
یا کسی انجمن میں
آج
بچھڑنا ہمارا مقدر سہی
لیکن
ہم پھر ملیں گے

روحان دانش۔ کراچی

نئی دنیا بساتے ہیں

چلو مل کر کچھ خواب سجاتے ہیں
آنکھوں میں محبت کے نئے دیپ جلاتے ہیں
ویسے تو ستم گر ہیں، ہر ایک زمانے میں
ہم چاہتوں کی اک الگ دُنیا بساتے ہیں
جہاں رنگ بکھرے ہوں پیار کے بس
وہ نگری ڈھونڈ کے لاتے ہیں
ہم دُنیا نئی بساتے ہیں
ہم دنیا نئی بساتے ہیں

فہد صدیقی۔ کراچی

غزل

اِس لیے بھی وضو میں رہتا ہوں
میں تری جستجو میں رہتا ہوں
میرا دشمن ہے، جھوٹ کہتا ہے
میں تری آرزو میں رہتا ہوں

میں ہی معیار بن گیا شاید
آپ کی گفتگو میں رہتا ہوں
گھر بنایا ہے میں نے اشکوں میں
اشک ہوں آب جُو میں رہتا ہوں
جب سے ڈوبا ہوں تیری آنکھوں میں
میں خمارِ سبو میں رہتا ہوں

شکور احسن۔ گوجر خان

غزل

رقیبانِ اُلفت ستاتے رہیں گے
مگر اہلِ دل، دل لگاتے رہیں گے
وہ ظلم و ستم ہم پہ ڈھاتے رہیں گے
مگر پھر بھی ہم مسکراتے رہیں گے
یونہی کیا گزر جائے گی زندگانی
خفا ہوں گے وہ، ہم مناتے رہیں گے
رہے گا کسے ہوش محفل میں جب تک
وہ نظروں سے اپنی پلاتے رہیں گے
نہ گھبراؤ عاصم! یہ راہِ وفا ہے
یہاں بے وفا لوگ آتے رہیں گے

عاصم اقبال عاصم۔ راولپنڈی

سلسلہ

درد کے مسافر کو
رات نہیں ملتا
سلسلہ نہیں چلتا
ساتھ ساتھ رہتا ہے
زخمِ دل کا گہرا ہے
زندگی کی راہوں میں
دور تک اندھیرا ہے
حوصلے کی باتوں سے
درد تو نہیں سِلتا؟

گل افشاں۔ کراچی

یوں تھا کہ.....

وہ عشق تھا، جنوں بھی نہ تھا
کہ وہ حقیقت تھی، فسوں بھی نہ تھا
اب کی بار میری حسرتوں کا قتل یوں ہوا
قاتل کے ہاتھوں پہ خوں بھی نہ تھا
کل مجھے بے کلی تنہا دیکھ کر چلی گئی
صبح آنکھ کھولی تو گھر میں سکوں بھی نہ تھا
اب کے اس نے میری بربادیوں کا جشن منایا
وہ سنگدل تھا مگر یوں بھی نہ تھا
خواب تھا وہ اُسے بھول جا عامر
وہ ملی نہ تھی، تو مجنوں میں بھی نہ تھا

مہیسر عامر۔ لاڑکانہ

ایک خیال.....

جانی پہچانی سی آہٹ مجھ کو کیوں محسوس ہوئی
اِس دل کے ویرانے میں میت ہے کوئی آیا کیا
ایک گھٹی سی پتلی چھت ہے آم کے باغوں جیسی سی
مست مہکتی خوشبو میں کیسی دھوپ اور سایہ کیا
اتنی گہرائی میں جانے میرے بس کی بات نہیں
مجھ کو پتا ہے اس دریا سے باہر میں لاؤں گی کیا
اپنے گھر کی دیواریں تو خود ہی گرا دیں میں نے فری
بیٹھے بیٹھے تنہائی میں دِل جو میرا گھبرایا کیا

فریدہ فری۔ لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ ہوئی نا بات

سوال آپ کے... جواب زین العابدین کے!!

ثمن علی .... لالہ موسیٰ
☆ لڑکے آج کل شادی کی بات سن کر شرماتے کیوں ہیں؟
⟫ بس پہلی بار ہی یہ حالت ہوتی ہے۔

عدیل احمد .... کراچی
☆ موسم کتنے ہوتے ہیں؟
⟫ یہ تو اپنی چوائس پر ڈیپنڈ کرتا ہے۔

محمودہ خان .... جیکب آباد
☆ آنسوؤں کی حقیقت کیا ہے بھیا؟
⟫ ہر دور اسی حقیقت کی تلاش میں ماضی بن جاتا ہے۔

راحت پروین .... میر پور خاص
☆ زین بھائی سپنے رنگین کیسے بنائے جاسکتے ہیں؟
⟫ کلر لینس لگا کر سو جائیں۔

راحیل خان .... کوٹری
☆ بھائی! کیا واقعی آدمی کے سات جنم ہوتے ہیں؟
⟫ بھائی، مذہب تو نہیں بدل لیا؟

اسامہ قریشی .... کراچی
☆ لڑکیاں میک اپ کیوں کرتی ہیں؟
⟫ کیونکہ وہ لڑکیاں ہیں، اس لیے۔

رقیہ یوسف .... ڈسکہ
☆ قصہ چہار درویش کہاں سے مل سکتی ہے؟
⟫ جدید والی تو بابر جاوید کے پاس ہے۔

اویس عالم .... کراچی
☆ بھیا! اسٹار فش کیوں نہیں کھائی جاتی؟
⟫ ارے بابا! اسٹار دیکھنے کے لیے ہوتے ہیں۔

سدرہ ملک .... کراچی
☆ بھائی جان! کیا پودوں اور جانوروں کے سیل ایک جیسے ہوتے ہیں؟
⟫ یہ آپ مجھے کہاں لگا رہی ہیں۔

نوشین انعم .... رانی پور
☆ بھیا جی! کیا چاند پر ٹی وی آگیا ہے؟
⟫ جا کر دیکھنا پڑے گا۔

مشرف احمد .... میلسی
☆ مجھے خواب کیوں نظر نہیں آتے؟
⟫ دوبارہ سونے کی کوشش کریں۔

روحیل اصغر .... واہ کینٹ
☆ لڑکیوں ہی کو چاند کا ٹکڑا کیوں کہا جاتا ہے؟

⟫ لڑکوں کو تو پورا چاند کہا جاتا ہے نا۔

عارفہ بانو .... صادق آباد
☆ انگور کھٹے کیوں ہوتے ہیں بھیا؟
⟫ اپنا اپنا نصیب ہے۔

نورین ظفر .... جہلم
☆ چھوٹے بھیا! لوڈ شیڈنگ کا حل بتائیے؟

⟫ صرف صبر۔

حمیرا ابابر .... کراچی
☆ کیا واقعی پاکستان میں سونے کے پہاڑ ہیں؟
⟫ اسی لیے تو سونا مہنگا ہوتا جارہا ہے۔

کرن خان .... کراچی
☆ لڑکے آج کل کالر کے پیچھے چشمہ کیوں لگا رہے ہیں، بھیا؟
⟫ آپ چلبل پانڈے کو نہیں جانتیں؟؟

روشن علی .... ماتلی
☆ بھیا جی! میری تصویر اچھی کیوں نہیں آتی ہے؟
⟫ نیا digital کیمرہ خرید لو۔

زاہدہ مصور .... کشمور
☆ مجھے وکی لیکس تک پہنچنا ہے، جلدی سے کوئی ترکیب، راستہ بتائیے؟
⟫ ایسا کچھ جلدی سے کرو نا کہ وکی لیکس خود آپ سے رابطہ کرلے۔

ممتاز جہاں .... لاہور
☆ کیا پاکستان کی بھی کوئی لیڈیز ریسلنگ چیمپئن ہے؟
⟫ شاید آپ پاکستانی پنجابی فلمیں نہیں دیکھتیں۔ پاکستان اس معاملے میں خاصا خود کفیل ہے۔

ثمرا اقبال .... گھارو
☆ کوئی دل کا قرار لوٹ لے تو کیا کیا جائے؟
⟫ واپس بلا لو send sms کر کے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رب نواز..........پشاور

☆ پاکستان سے امریکہ کا کرایہ کتنا ہے؟

◄ کسی بھی پاکستانی بچے سے پوچھ لو، فوراً بتا دے گا۔

ناصر علی..........کراچی

☆ یہ امتحان میں cheating کیا ہوتی ہے بھائی؟

◄ بابو! کیوں ایسے مذاق کرتے ہو۔ ابھی تو تم نے میٹرک پاس کیا ہے۔

انیسہ بیگم..........عیسیٰ خیل

☆ کیا پاکستان میں بھی شہنشاہیت آسکتی ہے؟

◄ ابھی کیا چل رہا ہے؟؟

شمیمہ خان..........کبیر والا

☆ دو دونی چار ہوتے ہیں نا بھیا؟

◄ ضروری نہیں ہے۔ اگر آپ کی پوسٹ 22 سے اوپر کی ہے تو جو دل چاہے ہو سکتے ہیں گڑیا!

رفعت ناز..........چکوال

☆ انڈیا میں خان نمبر ون ہیں، ہمارے ہاں کیوں نہیں؟

◄ ہمارے ہاں شان نمبر ون ہے بس۔

کومل رئیس..........ملتان

☆ بھیا! دل گھبراتا ہے، نیند نہیں آتی ہے؟

◄ فوری طور پر کسی اچھے ڈاکٹر سے رجوع کرو۔

نوشابہ کنول..........گوجرانوالہ

☆ بھیا! شعر میں جواب دیں۔
روشنی چاند سے ہوتی ہے ستاروں سے نہیں

◄ آج کل روشنی صرف سورج ہی سے ہوتی ہے۔ لو پھر ہو گئی نا لوڈشیڈنگ۔

حفیظ احمد..........پتوکی

☆ موٹر سائیکل کے دو پہیے ہی کیوں ہوتے ہیں؟

◄ آپ چار لگا کر گھومیں۔ یہ تو اپنی خواہش ہے بھیا!

شاعر عتیق..........کراچی

☆ بھیا، گھر بنانے کے لیے، اینٹ، مٹی اور لوہا ہی کیوں چاہیے ہوتا ہے؟ ہم نے تو سنا تھا گھر محبت سے بنتے ہیں؟

◄ محبت سے بنائے ہوئے گھر لیز نہیں ہوتے، اس لیے دوسری چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

فضا ہاشانی..........جھنگ

☆ بھیا! اب وہ پاندان کہاں گئے جو بڑی بوڑھیوں کی پہچان ہوا کرتے تھے؟

◄ بڑی نظر کمزور ہے۔ دادی، نانی کے تخت کے آس پاس بیٹھو تو سہی۔

ارتقاء علی..........نارووال

☆ میں سن گلاسز لگا کر چاند پر جانا چاہتی ہوں۔ آپ کیا کہتے ہیں؟

◄ آپ زمین پر ہی رہیں، زیادہ بہتر ہے۔

نورافضل..........پشاور

☆ شیر کراچی کون ہے بھیا؟

◄ کراچی شیروں کا شہر ہے، اسی لیے تو یہاں قانون......

نوفل علی..........وزیرآباد

☆ کیا ایزی پیسہ کے ذریعے رقم آسانی سے ٹرانسفر ہو جاتی ہے؟

◄ کمانا مشکل ہے، ٹرانسفر تو آسانی ہی سے ہوتا ہے۔

☆......☆

سانحہء بھوجا

دل کو سنبھالوں کیسے؟؟

زندگی کی الجھنوں میں کچھ مصروف تھا جانم
سو تم ناراض ہو گئی تھیں......
مجھ سے روٹھ کے تم، اسلام آباد چل دی تھیں
میں نے دل میں سوچا تھا
دوسری فلائیٹ سے میں بھی
تمہارے پاس جاؤں گا
تمہیں حیران کر دوں گا
بے حد پیار سے جاناں، تم کو جلد منالوں گا
لو آ گیا ہوں اب میں بھی......
لیکن!
یہ ملاقات تو جانم......
آنسوؤں میں ڈوبی ہے
موت کا سیاہ پرچم، ہر اک جانب لرزاں ہے
جہاز کے ٹکڑے ہو گئے ہیں
انسانی اعضاء بکھرے ہیں
میرے پیار کا تحفہ
تمہارے ہاتھ کا کنگن......
اک جھاڑی میں اٹکا ہے!

شگفتہ شفیق

ایئر کریش ہنی مون

تم میرے ساتھ ہو گے نا
سدا ہی ساتھ دو گے نا
ہزاروں پیار کی قسمیں
وہ بچپن کے سب ہی وعدے
نبھاؤ گے سدا جانم
مجھے اپناؤ گے جانم
چلو اب مل گئے ہیں ناں، تو فکر کیسی ہے
تمہارے بے پناہ اصرار پر طے یہ پایا تھا
کہ ماہِ عسل کا عرصہ مَری میں ہم گزاریں گے
سدا اک دوسرے کے واسطے ہم جان واریں گے
تمہارے آنے سے پہلے خود کو میں سجاؤں گی
تمہارے بستر پہ پھولوں کی اک چادر بچھاؤں گی
سہانے دن وہ ہوں گے اور ہوں گی مدھ بھری راتیں
تمہارے شانے پہ سر رکھ کر، کروں گی رات بھر باتیں
مگر جانے کیوں وسوسوں نے سر اٹھایا ہے
یہ میرا واہمہ، یا طیارہ ڈگمگایا ہے
تم میرا ہاتھ پکڑو نا
مجھے بانہوں میں جکڑو نا
جہاز ہو گا تباہ، شاید
بس اتنا تھا، نباہ، شاید
ہمارے اعضاء تو بکھریں گے
مگر دل یہ ساتھ دھڑکیں گے

صفیہ سلطانہ مغل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نفسیاتی کالم

آپ کا بہت بہت شکریہ!!

نمرہ پروین

قارئین! ہم سب اور ہمارے چھوٹے چھوٹے مسائل، کبھی کبھی جسمانی بیماریوں کی صورت میں بھی ہمیں پریشان کرتے ہیں۔ ہم نے آپ کی رہنمائی کے لیے، اپنے اس نفسیاتی کالم میں کچھ تبدیلی کی ہے۔ ہوسکتا ہے اس کو پڑھنے اور جاننے کے بعد آپ کی پریشانی، آپ کا مسئلہ حل ہوجائے۔ آج کا موضوع ہے "آپ کا بہت بہت شکریہ"۔

اگر ہم غور کریں تو ہم اپنا زیادہ تر وقت شکوہ شکایات میں گزار دیتے ہیں، کبھی اپنے عزیزوں سے، حالات سے اور کبھی اللہ تعالیٰ سے..... یعنی ہم نے اپنی یہ عادت بنالی ہے کہ جو چیز ہمارے پاس نہیں ہے یا ہمیں میسر نہیں ہے۔ اُس کا شکوہ کرتے رہتے ہیں لیکن! جو نعمتیں اور محبتیں ہمارے آس پاس ہیں، اُن کا شکر تو کیا ذکر بھی نہیں کرتے۔ لہٰذا انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی یہ حیثیت قوم، ہم ناشکرے پن کا شکار ہوچکے ہیں۔ یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کیونکہ جو لوگ شکر ادا کرنا نہیں جانتے، وہ میسر نعمتوں کو بھی نہیں پہچانتے، جس کی وجہ سے وہ خوش نہیں ہو پاتے۔ یہ انتہائی غیر معمولی اور منفی خصوصیت ہے یعنی اللہ کی نعمتوں کو نہ پہچاننا، لوگوں کی محبتوں کو نہ ماننا، ایک مایوس فرد اور پھر ایک مایوس قوم کو جنم دیتی ہے۔ یعنی آسان الفاظ میں بتاؤں تو ایسا لگتا ہے، ہم میں شکر گزاری، احسان مندی جیسے احساسات یا اُن کا اظہار ختم ہوتا جارہا ہے۔

جب کبھی ہمیں اپنے کارآمد اور دوسروں کے لیے مددگار ہونے کا احساس ہوتا ہے تو ہمارے اندر ایک خوش کن اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اور اسی اطمینان یا طمانیت کے تحت ہم میں عاجزی و انکساری پیدا ہوجاتی ہے۔ اِس وقت ہمارا دل چاہتا ہے، اپنے سے متعلقہ افراد کا دِن اور رات کا، خدائے بزرگ و برتر کا شکر ادا کریں، جس نے ہمیں دوسروں کی مدد کے قابل بنایا ہے اور جس وقت ہم میں کسی کے لیے بھی احساسِ تشکر پیدا ہوتا ہے، اُس وقت ہمارے اندر یہ احساسِ تنہائی نہیں ہوتا بلکہ اِس کے ساتھ ساتھ ہمارے اندر خود اعتمادی اور تسکین کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

یہ بات صرف عام زندگی کے تجربات سے نہیں بلکہ مسلسل تحقیق سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ تحقیق سے

یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ شکر گزاری کا احساس رکھنا اور اُس کا اظہار بھی کرتے رہنا ہماری شخصیت کے لیے بہت زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے۔ مثلاً وہ لوگ جو دوسروں کا احسان مانتے ہیں اور شکر گزار رہتے ہیں۔ اُن کی عمومی صحت اچھی رہتی ہے۔ اپنی زندگی اور کام سے مطمئن رہتے ہیں۔

ایسے افراد کا حلقہء احباب وسیع ہوتا ہے کیونکہ شکر گزاری ایک مثبت خصوصیت ہے جو کہ لوگوں کو آپ کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ یہاں پر ضروری ہے کہ چاپلوسی اور شکر گزاری کو علیحدہ رکھا جائے اور میرے خیال میں ہم سب میں اتنی سمجھ تو ہوتی ہی ہے کہ ہم منفی اور مثبت رویوں میں فرق سمجھ سکیں۔ مثبت خصوصیات والے لوگ، جیسے کہ دوسروں کے احسان یا آپ پر توجہ دینے والوں کی عزت کرنے والے لوگ پرسکون اور گہری نیند سوتے ہیں، جس کی وجہ سے اِن کی قوتِ مدافعت بھی مضبوط ہوتی ہے، یوں وہ چھوٹے موٹے Infections سے بھی محفوظ رہتے ہیں، ایسے لوگوں میں ڈپریشن کا سبب بننے والے ہارمون بھی کنٹرول میں رہتے ہیں۔ اِسی وجہ سے یہ لوگ اداس اور منفی نقطہ نظر رکھنے کے بجائے دوسروں کی تعریف اور حوصلہ افزائی کر کے خوش ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ لمبی اور خوشگوار زندگی گزارتے ہیں۔ اس کی ایک اور بہت اہم وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایسے لوگ دوسروں سے مقابلہ یا حسد نہیں کرتے بلکہ دوسروں کی خصوصیات کے بھی معترف ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ بے فکر اور خوش باش رہتے ہیں، نہ کسی سے مقابلہ بازی کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کی نقل میں خود کو ہلکان کرتے ہیں۔

ریسرچ سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ہمارے رویے کا 50 فیصد، ہم اپنے آباؤ اجداد سے لیتے ہیں جبکہ بقیہ 50 فیصد ہمارے ماحول، ہماری مرضی اور ہمارے ارادوں پر منحصر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ہم میں سے کسی نے اپنے بزرگوں سے خوش فہمی یا احساسِ برتری کا انداز لیا ہے تو وہ خواہ وراثت سے ہو یا بچے نے اپنے سے بڑوں کی نقل سے سیکھا ہو، دونوں صورتوں میں تکبر ایک نہایت تکلیف دہ رویہ ہے۔ یہ رویہ دونوں کے لیے تکلیف کا باعث ہے یعنی جو روا رکھے یا جس کے ساتھ روا رکھا گیا ہو۔ ایسے لوگ، مسلسل ذہنی دباؤ کا شکار رہتے ہیں۔ یہ ذہنی دباؤ نا صرف تعلقات پر بلکہ فرد کی معاشی حالت پر بھی اثر انداز ہوسکتا ہے لہٰذا کوشش یہ کرنی چاہیے کہ اگر خود ہمارے کسی عمل سے نا صرف دوسرے بلکہ خود ہم بھی ذہنی دباؤ کا شکار ہو رہے ہیں تو اِس عمل یا رویے کو بدلنے کی شعوری کوشش کریں۔

یہ کوشش شروع کرنے سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ زندگی گزارنے کے لیے نا صرف خود ہماری ذات بلکہ دوسرے لوگ، اُن کا رویہ، اُن سے ملنا، ملتے جلتے کا انداز، ہمارے لیے بہت اہم ہے اور جتنی ہم دوسروں کو عزت دیں گے، جتنا دوسروں کی عزتِ نفس کا خیال رکھیں گے، اتنا ہی نا صرف ہم سے متعلقہ لوگ بلکہ ہم خود بھی مطمئن رہیں گے۔

اِس مقصد کے حصول کے لیے، ہمیں کچھ آسان طریقے اپنانے ہوں گے، جن سے ہمیں اندازہ ہو سکے کہ ہمیں شکر گزار ہونا چاہیے۔

سب سے پہلے ایک ڈائری بنالیں اور اِس میں روزانہ دن اور تاریخ کے ساتھ اپنے ساتھ ہونے والی اچھی باتوں، خوشگوار ملاقاتوں، اِس کے علاوہ اگر کوئی گفٹ ملا ہو یا کہیں سے اپنی تعریف سُنی ہو، اِن سب کو نوٹ کرلیں۔

☆ اب اپنے آپ سے روزانہ وعدہ کریں کہ آپ اِن تمام اچھے رویوں، لوگوں اور اللہ کی نعمتوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے شکر گزار ہوں گے۔

☆ دوسروں کے صرف اُن رویوں پر توجہ رکھیں جو آپ کے لیے باعثِ مسرت ہوں اور ساتھ ہی اپنی جوابی مسرت کا اظہار بھی کر دیں۔

☆ دوسروں کے ساتھ خوشگوار اور عاجزانہ انداز اختیار کرنے کی پریکٹس کریں۔ یہ عمل شیشے کے سامنے کریں تو اچھا ہے جیسے کہ بچپن میں تقریر کرنے کی پریکٹس کیا کرتے تھے۔

☆ ہر لمحہ اللہ اور اُس کے بندوں کی شکر گزاری کا انداز اپنانے کی کوشش کریں۔

☆ شکایتی انداز اور الفاظ کو زندگی سے نکال دیں۔ اِس کے لیے ہم اپنے گھر والوں اور دوست احباب سے بھی مدد لے سکتے ہیں۔ یعنی ہم اُن سے درخواست کریں کہ "جب بھی میں شکایتی انداز سے بات کروں یا طنز کروں تو آپ بغیر جتائے مجھے بتا دیں۔" اور آپ کا کام یہ ہے کہ آپ کے رویے کی نشاندہی پر ناراض ہونے کے بجائے، آپ اپنے رویہ کو درست کرنے کی کوشش کریں۔ یہ سوچیں رویہ کی اِس درستگی میں، سب سے زیادہ فائدہ خود آپ ہی کا ہے۔

وہ لوگ جو شکر گزاری کا احساس پیدا کرنے میں مشکل محسوس کریں اور سوچیں "یہ کیا پاگل پن ہے، کون اتنا فالتو ہے جو لسٹ بناتا رہے" تو ایسے لوگ صرف ایک لفظ شکریہ ادا کرنے کی پریکٹس کریں اور اپنے دِن کی ابتداء یا اختتام کسی نہ کسی کا شکریہ ادا کر کے کریں۔ ویسے تو سب لوگ ہی اللہ کے شکر گزار رہتے ہی ہیں مگر کوشش کریں کہ میسر نعمتوں کے ساتھ اُن تمام چیزوں کے لیے بھی اللہ کا شکر ادا کریں، جن کے لیے آپ نے دعا، کوشش، جستجو، سب کچھ کیا مگر نہیں ملیں۔ (کیونکہ یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ جو نعمت میسر نہیں ہو سکی، اُسی میں ہماری بھلائی ہوگی)۔

اب بھی اگر آپ میں لوگوں کا شکریہ ادا کرنے یا اپنے اندر احساسِ تشکر پیدا کرنے میں دشواری محسوس ہو رہی ہے تو آپ شام کو کسی پُرسکون جگہ پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائیں اور سوچیں، آج ہمارے لیے کسی دوسرے نے یا ہم نے کسی دوسرے فرد کے لیے کیا آسانی پیدا کی، مثلاً ہو سکتا ہے آج صبح سڑک پر کسی سارجنٹ نے گاڑیاں روک کر سڑک کراس کرنے میں آپ کی مدد کی ہو۔

کسی نے پارکنگ ایریا میں گاڑی کھڑی کرنے میں آپ کی مدد کی ہو۔ بس میں چڑھتے ہوئے ایک قدم آگے کھسک کر کسی نے آپ کے لیے یا آپ نے کسی کے لیے جگہ بنائی ہو۔

گھر میں صبح بچوں کو اسکول کے لیے تیار کرتے ہوئے، دادی اماں نے اپنے پوتوں، پوتیوں کو گھر سے نکلتے ہوئے پانی کی بوتل پکڑائی ہو۔

گھر واپسی پر کسی نے آپ کے لیے دروازہ کھولا ہو۔ یعنی کوئی بڑی خدمت نہیں ڈھونڈیے بلکہ روزمرہ کے معمول میں ہم کسی ایک بات کا شکریہ ادا کرنا شروع کر دیں تو آپ کو خود کس قدر تقویت اور تسکین حاصل ہو گی، یہ سوچ کر کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے لیے زندگی کو آسان اور خوشگوار بنا رہے ہیں۔

محققین کا کہنا ہے کہ وہ لوگ جو کہ احسان مندی اور شکر گزاری کے احساسات سے دور ہوتے ہیں، انہیں دراصل لوگوں کے احساسات و جذبات سے زیادہ مادی اشیاء میں دلچسپی ہوتی ہے مثلاً ہمارے پاس بڑے اسکرین کا ٹی وی ہونا چاہیے۔ گاڑی نئے ماڈل کی ہو تو لوگ توجہ دیں گے۔ گھر پوش علاقے میں ہونا چاہیے۔

میں کپڑے Branded ہی پہنتی ہوں وغیرہ وغیرہ...... جب کہ وہ لوگ جو رحمتوں اور نعمتوں کو سمجھتے ہیں، وہ جانتے ہیں، ان کی خوشی بے لوث قائم

رشتوں کے دم سے ہے۔ اِسی لیے وہ مطمئن و شکر گزار اور عاجزی رکھنے والے لوگ ہیں، جو کسی سے مقابلہ نہیں کرتے، اِسی لیے مطمئن بھی رہتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ایسے لوگوں میں دنیاوی خواہشات نہیں ہوتیں مگر بہت زیادہ اور بہت شدید نہیں ہوتیں۔

اِن تمام باتوں سے ہم پر اور آپ پر یہ واضح ہوتا ہے کہ ہمارا شکر گزار ہونا ہماری خوشی کے لیے سب سے اہم ہے۔ اِس سلسلے میں، میں اپنی ایک دوست کی مثال دیتی ہوں اپنے والد کے انتقال کے بعد نہایت افسردہ رہنے لگی۔ اُس نے بات کرنا، ملنا جلنا، کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اُس کے کہنے کے مطابق اُن دنوں اُسے لوگوں کا آپس میں باتیں کرنا، ہنسنا بولنا کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ اِس سے پہلے کہ وہ شدید غم کی کیفیت سے نکل کر یاسیت کا شکار ہو جاتی، ہماری ایک محترم اُستاد نے اُسے سمجھایا کہ اُداس اور دُکھی ہونے کے بجائے اُس عرصہ یا اُس وقت کی شکر گزار بنو، جو تم نے اپنے والد کے ساتھ گزارا ہے۔ اُن کے بچھڑ جانے کو یاد کرنا ہی ہے تو اُن کی شفقت اور محبت کو یاد کرو۔ اُن کے اچھے انداز اپناؤ، اُن کے دوست احباب سے ملو اور انہیں محبت اور فخر سے یاد کرو۔ اِس کے بعد ہم نے اُسے اپنے والد کے لیے رونے کے بجائے فخر اور محبت سے یاد کرتے ہوئے دیکھا یوں آپ بھی جان لیجیے کہ یہ کتنا آسان طریقہ ہے خوش رہنے کا بھی۔ تو پھر کیوں ناں آج ہی سے اِس راستے پر چلنے کی ابتداء کریں۔

دعاؤں میں یاد رکھیے گا اِس یقین کے ساتھ کہ اچھی بات، اچھا عمل کبھی ضائع نہیں ہوتا۔

☆☆☆

دوشیزہ ایوارڈ یافتہ مصنفہ
عقیلہ حق
کے خوب صورت افسانوں کا مجموعہ

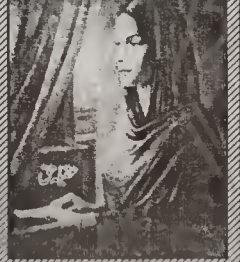

شائع ہو چکا ہے۔
کتاب ملنے کا پتا:۔
الحمد پبلی کیشنز
1، ڈیسنٹ پیراڈائز۔ ایف بی ایریا،
بلاک 22۔ کراچی۔
رابطے کے لیے:۔
0322-2830957

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچن کارنر

شرزاء گیلانی

قارئین! اس ماہ کچن کارنر میں، ہم آپ کے لیے، بہت مزیدار لیکن پکانے اور بنانے میں سادہ اور آسان ڈشز لے کر آئے ہیں۔ ان کی تیاری میں، وقت کی بچت بھی ہے اور دستر خوان کے ذائقے بھی آزمائیے اور داد وصول کیجیے۔

کریمی چکن قورمہ

اجزاء

مرغی کے سینے کا گوشت : ایک کلو
پیاز : چار عدد
وائٹ قورمہ مسالا : دو کھانے کے چمچے
میدہ : دو کھانے کے چمچے
خشک دودھ : دو کھانے کے چمچے
پسا ہوا لہسن، ادرک : دو کھانے کے چمچے
کشمش : دو چائے کے چمچے
فریش کریم : آدھا پیکٹ
تیل : چار کھانے کے چمچے
دہی : پون کپ
نمک : حسب ضرورت

ترکیب: مرغی کے سینے کا گوشت لیں اور اس کی چوکور بڑی بوٹیاں بنائیں۔ اس کے بعد دیگچی میں تیل گرم کریں۔ پیاز سنہری تلنے کے بعد تیل سے نکال کر پیس لیں۔ پھر اسی تیل میں مرغی، لہسن، ادرک، قورمہ مسالا اور دہی ملا کر پکائیں، پانی نہیں ملائیں۔ پھر پسی ہوئی پیاز، کشمش ڈالیں۔ درمیانی آنچ پر پکانے کے بعد پانی خشک کرلیں۔ فریش کریم، لیموں کا رس اور خشک دودھ ملا کر اتار لیں۔ گرم گرم نان یا اُبلے ہوئے چاولوں کے ساتھ پیش کریں۔

شامی کوفتے

اجزاء (کوفتوں کے لیے)

قیمہ : آدھا کلو
پسا ہوا لہسن، ادرک : ایک چائے کا چمچہ
چنے کی دال : آدھا کپ
انڈا : ایک عدد
پیاز : ایک عدد
پسا ہوا گرم مسالا : آدھا چائے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
ثابت مرچ : چھ سے سات عدد
اُبلے ہوئے انڈے : چھ عدد

اجزاء (سالن کے لیے)

پسی ہوئی پیاز : چار عدد
دہی : آدھا کپ
پسا ہوا لہسن : ایک کھانے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
پسی مرچ : دو چائے کے چمچے
تیل : پون کپ

ترکیب: قیمے میں تمام اجزاء ملا کر مشین میں پیس لیں۔ اُبلے ہوئے انڈے درمیان سے کاٹ لیں۔ ہتھیلی پر قیمہ رکھ کر درمیان میں انڈا رکھ کر فولڈ کریں اور

تھوڑے بڑے سائز کے کوفتے بنالیں۔ سالن تیار کرنے کے لیے ایک دیگچی میں تیل گرم کریں۔ تھوڑی سی پیاز کاٹ کر ڈالیں اور سنہری کرنے کے بعد تمام مسالے ڈال کر بھونیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو دہی بھی پھینٹ کر ملائیں۔ تھوڑی دیر ڈھکنا رکھ کر پکنے دیں۔ پھینٹے ہوئے انڈے میں تیار کیے ہوئے کوفتے ڈبوئیں اور پھر فرائی پین میں تھوڑا سا تیل ڈال کر فرائی کرلیں۔ تیار کیے ہوئے سالن میں آہستہ سے ڈالیں اور صرف پانچ منٹ پکا کر اتار لیں۔ گرم گرم چپاتیوں کے ساتھ پیش کریں۔

چکن اسٹو

اجزاء

مرغی : ایک کلو
پیاز : چار عدد
تیل / گھی : آدھا کپ
ٹماٹر : چھ عدد
ثابت گرم مسالا : ایک کھانے کا چمچہ
ثابت کالی مرچ : آٹھ عدد
سفید زیرہ : ایک کھانے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
ہلدی : پون چائے کا چمچہ
پسا ہوا لہسن : ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی ادرک : ایک چائے کا چمچہ

سجاوٹ کے لیے

کٹی ہوئی ہری مرچ : دو کھانے کے چمچے
کٹی ہوئی ادرک : دو کھانے کے چمچے

ترکیب: ایک دیگچی میں تیل گرم کریں۔ پیاز کے ٹکڑے، نسبتاً بڑے کاٹ کر تیل میں شامل کریں۔ پیاز ہلکا سا تلنے کے بعد مرغی، لہسن اور ادرک ڈال کر بھونیں۔ باریک کٹے ہوئے ٹماٹر اور تمام مسالے ڈال کر ڈھکن رکھ دیں۔ درمیانی آنچ پر دس منٹ تک پکائیں۔ مرغی اسی مسالے میں بھون لیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو ادرک اور ہری مرچ سے سجا کر پیش کریں۔

پائن ایپل رائس

اجزاء

اُبلے ہوئے چاول : آدھا کلو
کٹا ہوا لہسن : پون چائے کا چمچہ
کٹی ہوئی ادرک : پون چائے کا چمچہ
کٹی ہوئی ہری پیاز : ایک کپ
نمک : حسب ذائقہ
پسی ہوئی کالی مرچ : ایک چائے کا چمچہ
کٹی ہوئی لال مرچ : ایک چائے کا چمچہ
سویا ساس : دو کھانے کے چمچے
سرکہ : ایک چائے کا چمچہ
کٹا ہوا پائن ایپل : ایک کپ
پائن ایپل سیرپ : آدھا کپ
تیل : دو کھانے کے چمچے

ترکیب: چاولوں میں سرکہ ڈال کر اُبال لیں، گلنے کے بعد اچھی طرح ٹھنڈا کر کے رکھ لیں۔ ایک ساس پین میں تیل گرم کریں۔ کٹا ہوا لہسن، ادرک ڈالیں اور ہلکا سا تلنے کے بعد ہری پیاز، چاول، نمک اور کالی مرچیں ڈال کر ملائیں پھر سویا ساس، پائن ایپل جوس اور پائن ایپل کے سلائس ڈال کر اچھی طرح ملانے کے بعد ڈش میں نکال کر پیش کریں۔

مغلائی نہاری

اجزاء

بونگ کا گوشت : ایک کلو
نلیاں : دو عدد
پسا ہوا لہسن : ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی ادرک : ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی مرچ : ایک چائے کا چمچہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نمک : حسب ذائقہ
پیاز بڑی : ایک عدد
تیل : ڈیڑھ کپ

خشک مسالے کے اجزاء

پسا ہوا گرم مسالا : ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی سونف : ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی جائفل : پون چائے کا چمچہ
پسی ہوئی جاوتری : پون چائے کا چمچہ
بڑی الائچی : دو یا تین عدد
لونگ : دو یا تین عدد
آٹا : تین کھانے کے چمچے
سجاوٹ کے لیے : ہری مرچ، ہرا دھنیا، ادرک، لیموں

ترکیب: ایک درمیانے سائز کی دیگچی لیں۔ تیل گرم کر کے پیاز ڈالیں، سنہری ہونے کے بعد تھوڑی سی پیاز نکال لیں۔ لہسن، ادرک، گوشت پہلے تیل میں ڈال کر بھونیں اور پھر بعد میں سونف، پسا ہوا گرم مسالا اور آٹے کے علاوہ سارے مسالے شامل کر کے اتنا پانی ڈالیں کہ گوشت گل جائے۔ بونگ کا گوشت گلنے میں وقت لیتا ہے۔ اس لیے زیادہ دیر تک دھیمی آنچ پر پکائیں۔ جب گوشت گل جائے تو ہڈیاں الگ نکال لیں۔ پھر اس میں پسا ہوا گرم مسالا، سونف اور آٹا گھول کر ملائیں اور تھوڑی دیر چمچہ چلاتی رہیں۔ اس کے بعد ڈھکنا برابر کر کے دوبارہ دم پر رکھ دیں۔ پیش کرتے وقت ادرک، لیموں، ہری مرچ اور ہرا دھنیا کاٹ کر ساتھ رکھیں اور گرم نان یا شیرمال کے ساتھ تناول فرمائیں۔

آلو کی میٹھی کچوریاں

اجزاء

آلو : آدھا کلو
شکر : آدھا کلو
الائچی : دو عدد
گھی : حسب ضرورت
پسا ہوا ناریل : تھوڑا سا

ترکیب: آلوؤں کو اُبال کر چھلکے علیحدہ کر کے باریک پیس لیجیے۔ پہلے آلوؤں کے بھرتے کو گھی میں الائچی کا بگھار دے کر بھونیے، جب گلابی ہو جائے تو شکر ملا کر بھونیے، پسا ہوا ناریل ملا لیں اور حسب معمول میدے یا آٹے کی کچوریوں میں بھر کر تل لیں۔ کچوریوں کے آٹے کو گوندھتے وقت بھی گھی ضرور ملا لینا چاہیے، اس کے بغیر خستگی نہ آئے گی، بہت مزیدار میٹھی کچوریاں تیار ہوں گی۔

سویوں کے لڈو

اجزاء

کھویا : تین سو گرام
شکر : ڈھائی سو گرام
سویاں : سو گرام
کاجو : سو گرام (توڑ لیں)
الائچی : دو سے تین عدد (پسی ہوئی)
گھی : دو کھانے کے چمچے

ترکیب: ہلکی آنچ پر کڑاہی میں گھی گرم کریں۔ سویوں کو مناسب انداز میں توڑ لیں اور گھی میں ڈال کر سرخ کریں۔ بعد میں اسے کسی چیز سے نکال کر الگ کر لیں، اسی گھی میں کھویا ڈال کر اچھی طرح بھون لیں اور اس میں کاجو شامل کر لیں۔ آخر میں چینی ملا کر اچھی طرح ہلائیں۔ اب اس مکسچر میں الگ رکھی ہوئی سویاں اور الائچی پاؤڈر بھی شامل کر لیں۔ کچھ دیر بعد آنچ سے اُتار لیں۔ جب یہ آمیزہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس مکسچر کے لڈو بنا لیں اور ٹرے میں رکھتی جائیں آخر میں اوپر سے باریک کٹے ہوئے بادام اور کھوپرا چھڑک دیں۔ مزیدار سویوں کے لڈو تیار ہیں۔

بیوٹی گائیڈ

شائستہ انور

آپ خواہ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر، بدلتے موسموں کے اثرات، آپ کی جلد پر اثر انداز ہوتے ہیں، ان ہی مسائل کے حل کے لیے مندرجہ ذیل احتیاطی تدابیر، یقیناً آپ کی رہنمائی کریں گی۔

انسانی جلد چہرے اور جسم کے لیے حفاظتی شیلڈ کی اہمیت رکھتی ہے، جس کی وجہ سے جسم جراثیم اور انفیکشن سے محفوظ رہتا ہے، لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ انسانی جلد چھ اہم کام انجام دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے ہم نا صرف صحت مند رہتے ہیں بلکہ اپنے قدرتی رنگ روپ کو بھی برقرار رکھ پاتے ہیں۔ اسی وجہ سے جلد کا مساج، اس کی حفاظت بے حد ضروری ہے۔ پہلے ہم آپ کو جلد کے چھ اہم امور کے بارے میں بتائیں گے پھر مساج کی طرف آئیں گے۔ گرمیوں کا زمانہ بھی جلد کی خاص حفاظت کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ پسینے، گرد، مٹی سے جلد بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ تو آئیے پہلے جلد کے چھ اہم کاموں کی طرف توجہ دیں تاکہ جلد کی اہمیت سمجھ میں آ سکے اور ہم اُس کی مزید بہتر انداز میں حفاظت کر سکیں۔

ہمارے چہرے اور جسم میں ماحولیاتی آلودگی یا خون سے خارج ہونے والی زہریلی رطوبتیں جو جلد کے مساموں میں جمع ہو کر اسے بند کر دیتی ہیں۔ پھر جسم کے اندر خون میں خرابی پیدا کرتی ہیں، غیر ضروری پانی جو جسم کے اندر جمع ہو جاتا ہے۔ ہماری جلد ان سب رطوبتوں اور گندے پانی کو جسم سے خارج کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے، اپنے مساموں سے تازہ آکسیجن جذب کر کے خون میں شامل کرتی ہے، جس سے جسم کے اندرونی نظام کی نشوونما میں بہت مدد ملتی ہے۔

جسم کے ٹمپریچر کو نارمل رکھنا

ہمارے جسم کا ٹمپریچر جلد کی بدولت ہی نارمل رہتا ہے۔ اس لیے موسم کے لحاظ سے ٹمپریچر چاہے کتنا زیادہ ہو، مگر جسمانی ٹمپریچر 98.6 فارن ہائیٹ ہی رہتا اور یہ جلد کی بدولت ہوتا ہے کہ وہ باہر کے ٹمپریچر کو ہمارے جسمانی ٹمپریچر پر اثر انداز ہونے نہیں دیتی۔

جلد بھی سانس لیتی ہے

جلد بھی اسی اس طرح سانس لیتی ہے کہ جسم کے اندر پیدا ہونے والی زہریلی گیسیں جیسے کاربن ڈائی آکسائیڈ وغیرہ کو یہ اپنے مساموں کے ذریعے جسم سے باہر پھینکتی ہے اور آکسیجن کو جسم میں داخل ہونے میں مدد دیتی ہے۔ اس وجہ سے نا صرف ہماری جلد بلکہ تمام جسمانی نظام صحت مند رہتا ہے اور بیرونی خطرات سے محفوظ بھی رہتا ہے۔

جذب کرنے کی صلاحیت

جلد کی بدولت خون کے کئی اجزاء ٹشوز میں جذب ہو کر جسم کے ہر حصے میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس طرح مختلف دوائیں، جلد کے ٹشوز میں جذب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے کی بدولت وہاں موجود خون کی باریک شریانیوں کے ذریعے تمام جسم میں تیزی سے اور باآسانی پہنچ جاتی ہیں۔

جسم کے پانی کی سطح نارمل رکھنا

یہ جلد کی بدولت ہی ممکن ہے کہ جسم کا زائد پانی پسینے کی صورت باہر نکل جاتا ہے اور ضرورت کے لحاظ سے پانی کی سطح، جسم میں جلد کی بدولت قائم رہتی ہے۔

جراثیم سے حفاظت

یہ جلد کا ایک بہت ہی اہم فنکشن ہے جو دھول مٹی میں پائے جانے والے جراثیم کو انسانی جسم میں داخل ہونے سے روک دیتی ہے۔ اسی طرح فضائی آلودگی سے بھی جسم کو محفوظ رکھتی ہے۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو جلد جسم کا پہلا مدافعتی دروازہ ہے جو جسم کو بیرونی خطرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

اس لیے، آپ خود سوچیں کہ ہمیں اپنے جلد کی حفاظت کرنے، اُسے صاف ستھرا رکھنے کی کس قدر ضرورت ہے۔ اس کی حفاظت کا ایک طریقہ تو غذا کا صحیح استعمال ہے۔ یعنی یہ کہ ایسی غذا جو خون میں وٹامن، معدنیات، فولاد وغیرہ کا اضافہ کرے جو کہ عام طور پر سبزیوں، پھلوں، دالوں میں پائے جاتے ہین۔ وہ جلد کو بھی تازگی اور زندگی بخشتے ہیں، جس کی بدولت جلد کے وہ خلیے جو پرانے ہو جاتے ہیں اور ان میں توڑ پھوڑ ہو جاتی ہے۔ وہ جلد پر سے صاف ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے فریش اور کم عمر خلیے بننے لگتے ہیں جن سے شخصیت میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔

اس وجہ سے جلد کے مساج کی بہت اہمیت ہے کہ اس کے ذریعے ایک تو پرانے خلیوں کا خاتمہ ہوتا ہے اور نئے ینگ سیلز پیدا ہو کر چہرے کو کم عمری کا روپ بخشتے ہیں جس کی بدولت، جلد میں خوب صورت سی کشش اور چمک پیدا ہوتی ہے اور ایک دلکش تناؤ جس کی بدولت چہرے میں مقناطیسیت محسوس ہوتی ہے۔ جلد کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اپنی بھی ایک عمر ہوتی ہے اور اسی عمر کو قائم رکھنے کے لیے بیوٹی کیئر پروگرامز میں، ہمیشہ جلد کی حفاظت کے سلسلے میں اسکرب، ماسک، ٹونرز، موئسچرائزرز، مساج وغیرہ کے بارے میں مختلف انداز میں بتایا جاتا ہے۔ آج ہم آپ کو جلد کی عمر کے بارے میں بتائیں گے تاکہ آپ اپنی عمر کے لحاظ سے اپنی جلد کا خیال رکھ سکیں۔

کم عمری کی جلد

چہرے کی جلد وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیوں کا شکار ہوتی رہتی ہے۔ اس کے سیلز (جیسا کہ اوپر دیا ہے) بنتے ٹوٹتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے چہرے پر کھردرا پن پیدا ہو جاتا ہے لیکن نئے سیلز کے بننے اور جلد کے بیوٹی کیئر پروگرام کی بدولت تین سے چار ہفتوں میں جلد اپنی قدرتی دلکشی اور کم عمری کو دوبارہ پالیتی ہے۔ یہ عمل اس تیز رفتاری سے یعنی تین سے چار ہفتوں میں مکمل ہو جاتا، لیکن اس صورت میں جب آپ کی عمر بیس سال ہو۔

بڑھتی عمر میں جلد کی دیکھ بھال

اگر آپ کی عمر تیس سے چالیس سال کے درمیان ہے اور آپ صحیح طریقہ سے اپنی جلد کا خیال رکھ رہی ہیں تب آپ کی جلد دلکشی و رعنائی اور کم عمری کا روپ کم از کم دو مہینے مکمل ہونے میں لے گا اور جو آپ نے اپنی جلد کا خیال نہیں کیا تو پھر یہ ہوگا کہ آپ کی جلد کے تیل اور پسینہ پیدا کرنے والے گلینڈز سائز اور تعداد میں کم ہوتے جائیں گے جس کی بدولت جلد میں نمی کی کمی ہو جائے گی اور اس پر جھریاں پڑنے لگیں گی۔ جس کی بدولت جلد کا قدرتی تناؤ اور کھنچاؤ ایک دم ختم ہو جائے گا اور وہ ڈھلک جائے گا۔ جلد میں خون کی سپلائی بھی کم ہو جائے گی اور وہ موسم کے لحاظ سے بھی بڑھتی عمر میں جلد مردہ سی نظر آئے گی۔ ☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk